الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور اصحاب تقویٰ کے تھے، ان کے لیے بشارت ہے حیات دنیا اور آخرت میں۔ (یونس ۶۳-۶۴)

حَیَاۃُ الرَّفِیْقِ الْعَاصِی

نُزْھَۃٌ لِلدَّانِیْ وَالْقَاصِیْ

گنہگار رفیق کے حالاتِ زندگی
قریب اور بعید دوستوں کی تفریح کے لیے

مُفتی محمد رفیق الحسنی

جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم
گلستان جوہر بلاک 15 کراچی

نام کتاب : حیاۃ الرفیق
تالیف : مفتی محمد رفیق حسنی (0300-9244269)
کمپوزنگ : این ڈی لاکھو (0346-2576532)
اشاعت اول : اگست ۲۰۱۶ء/ ذی القعد ۱۴۳۷ھ
تعداد : ۵۰۰
ہدیہ : ۲۰۰/-روپے
ناشر : جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم گلستانِ جوہر، کراچی۔
021-35342440, 021-34619190

کتاب ملنے کے پتے:

- جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم گلستانِ جوہر، کراچی۔
  فون: 021-35342440, 021-34619190
- جامع مسجد مبارک سی ویو، ڈیفنس، کراچی۔ فون: 021-35842591
- ضیاء القرآن پبلی کیشنز، انفال سینٹر، اردو بازار، کراچی۔
  فون: 021-32212011
- مکتبہ غوثیہ، سبزی منڈی۔
- Sohail Rafique: 33 Southlea Road, Manchister, U.K. Ph. 0044-1619152916
- Dr. Amir: House No. 181 Styal Road Post Code SK-83-TX, Cheadle Cheshire, Manchister, U.K. Ph. 0044-1614988255

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ
فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ۔

فہرست

پیش لفظ

اپنی زندگی کی بعض یادداشتیں لکھ دی ہیں تاکہ وفات کے بعد لکھنے والے مبالغہ نہ کریں اور نفس الامر کے خلاف نہ لکھیں اور میرے حالات سے میری اولاد عبرت حاصل کرے۔لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

محمد رفیق حسنی

عفی عنہ

حضرت خواجہ غلام حسن اعلی اللہ درجاتہ کے بعض کمالات اور کچھ اپنی یادداشتیں

• قدوۃ السالکین عمدۃ الواصلین زبدۃ العارفین سیّدی و مرشدی حضرت خواجہ غلام حسن صاحب برّد اللہ مضجعہ متوفی ۱۹۳۹ء کے حوالہ سے برادرم محترم حضرت مولانا غلام فرید حسنی زید مجدہ نگران مزار پُرانور حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سہ ماہی رسالہ ''الفقیر شیخین نمبر'' کے لیے حضرت خواجہ غلام حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کچھ تحریر کر کے دینے کا حکم فرمایا۔ ان کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں اگرچہ لکھنے اور تحریر میں نہایت اناڑی ہوں۔ و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

خواجہ غلام حسن کے ساتھ رشتہ داری اور احسان کا ذکر:

• ہمارے حسنی برادران اور پیر بھائیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ میرے اور میرے خاندان پر آستانہ عالیہ سواگ شریف کا جتنا احسان ہے شاید اتنا اور ایسا کسی دوسرے پیر بھائی پر نہ ہو خصوصاً میرے اوپر خواجہ غلام محمد صاحبؒ کا احسان تھا کہ جنگل سے بکریاں چرانے والے ایک بوسیدہ اور پھٹے پرانے لباس والے بدو آدمی جیسی شکل کے آٹھ سالہ بچے کو اپنے ساتھ لائے اور مدرسہ میں استاذیم مفتی محمد موسیٰؒ کے سپرد کر دیا۔ میں ان کی عظمت پر حیران ہوں، جماعت کے بعد سینکڑوں مریدین کے سامنے حضرت مولانا مفتی شیخ محمد موسیٰؒ کو بلایا جنگلی شکل و لباس والے لڑکوں کے لیے فرمایا، مولوی صاحب! یہ بچے میرے ملویروں (ماموں زاد بھائیوں) کے بیٹے ہیں، ان کو پڑھانا ہے۔ میں سوچتا ہوں اگر کوئی سرمایہ دار ہوتا ہم جیسوں سے رشتہ کی نفی کر دیتا مگر قربان جاؤں، انہوں نے پھر دوسری مرتبہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کے سامنے فرمایا، یہ بچے میرے ماموں

زاد بھائیوں کے بیٹے ہیں، انہیں پڑھانا ہے۔

• میرے والد قبلہ غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق قصہ کچھ اس طرح ہے کہ میرے جدّ اعلیٰ (پر دادا) حاجی محمد موسیٰ صاحب سیھڑ رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت خواجہ غلام حسن سواگ رحمہ اللہ تعالیٰ پیر بھائی تھے۔ دونوں حضرات خواجہ محمد عثمان دامانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید تھے جبکہ الحاج محمد موسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد حاجی محمد سیھڑ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے خاندان کے دیگر افراد حضرت خواجہ محمد حسن بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ آف چونہڑی شریف نزد بھل ضلع بھکر کے مرید تھے۔ اور حاجی محمد کو حضرت محمد حسن بخاری رحمہ اللہ کی دعا تھی۔ ہمارے خاندان میں مشہور ہے اور میرے والد مرحوم بیان کرتے تھے کہ حاجی محمد صاحب رحمہ اللہ بچپن میں اپنے والد کے ساتھ حضرت محمد حسن بخاری رحمہ اللہ کے ہاں حاضر ہوئے۔ حاجی محمد نے سر منڈایا ہوا تھا اور سر پر کپڑا بھی نہیں تھا۔ حضرت محمد حسن بخاریؒ نے از خود فرمایا "مُڈرا" تجھے کون سی دعا دوں؟ چونکہ حاجی محمد اس وقت بچے تھے، حاجی محمد نے عرض کیا، میری لڑکوں کے ساتھ لڑائی ہوتی رہتی ہے، میں غالب آتا رہوں۔ آپؒ نے فرمایا، بیٹے! تم تنازعات میں دشمنوں پر اور ہر مشکل کام میں ہمیشہ غالب اور کامیاب رہو گے۔ چنانچہ حضرت کی دعا سے آپ دشمنوں کے ساتھ لڑائیوں میں اور ہر مشکل کام میں غالب اور کامیاب ہوتے تھے۔ جب حاجی محمدؒ اپنے بچوں کی شادیوں سے فارغ ہو گئے، ہر چیز اپنے بیٹے حاجی محمد موسیٰؒ کو سپرد کر کے ایک قافلہ کے ساتھ پیدل حج پر تشریف لے گئے۔ کہا جاتا ہے آپ بارہ سال تک مدینہ منورہ میں زندہ رہے، آخر وہیں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں ابدی آرام فرما ہوئے۔ پیر محمد حسن بخاریؒ کے زمانہ سے آج تک ہمارے خاندان کے اکثر افراد کی آخری آرام گاہیں پیر محمد حسن بخاری آف چوہنڑی شریف کے قبرستان میں ہیں۔ مگر حاجی

محمدؒ کے بیٹے حاجی محمد موسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے طریقت میں موسیٰ زئی شریف سے نسبت قائم کرلی اور خواجہ محمد عثمان دامانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت ہو گئے۔ اور حاجی محمد موسیٰ کی اولاد حضرت خواجہ غلام حسن سے بیعت ہو گئی۔ حضرت خواجہ غلام حسن رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ سے خلافت لے کر حسبِ ارشاد حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے گاؤں گرہ سوہاگ نزد کروڑ لعلِ عیسن واپس تشریف لائے اور آپ نے بیعت کرنا شروع کر دی۔ روحانی کشش سے چاروں اطراف سے لوگ آپ کی بیعت ہونے لگے اور روحانی تعلیم اور تربیت میں لوگوں کے ہجوم سے آپ کا گھر تنگ ہو گیا۔ اسی دوران ہمارے علاقہ کروڑ لعل عیسن کے عظیم جاگیر دار اور ذیل دار غلام رسول سیہڑ المعروف غلاموں خان نے موضع ڈھپی مکوڑی میں تقریباً پچیس ایکڑ زرعی زمین حضرت خواجہ غلام حسن سوہاگ صاحبؒ کو ہدیہ کر دی۔

- حضرت خواجہ غلام حسن رحمہ اللہ تعالیٰ اس زمین پر منتقل ہو گئے۔ گھر، مسجد اور خانقاہ اسی جگہ قائم کرلی۔ رہائش کے لیے ضرورت سے زائد زمین میں آموں کا باغ اور گندم کی فصل کاشت کی جاتی رہی۔ یہ جگہ علم و معرفت کا مرکز بن گئی اور یہ علاقہ خانقاہِ عالیہ سواگ شریف کے نام سے مشہور ہو گیا۔

خواجہ غلام حسنؒ اور حاجی محمد موسیٰؒ کا ہم سفر ہونے کا ذکر:

- حضرت خواجہ غلام حسن رحمہ اللہ تعالیٰ خانقاہ عالیہ موسیٰ زئی شریف آف ڈیرہ اسماعیل خان اپنے شیخ کامل حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لیے جب سفر فرماتے پہلے حاجی محمد موسیٰؒ (میرے جدا علیٰ) کے پاس حافظ آباد جو کہ آستانہ عالیہ سے تقریباً دس کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے، ایک رات ٹھہرا کرتے تھے جبکہ دریائے سندھ پار کرنے کے لیے حاجی محمد موسیٰ کا گاؤں حافظ آباد جس کا نام چاہ مڈ رانوالہ تھا، کشتیوں کی گھاٹ (پتن) کے قریب تھا۔ میرے

جدِّاعلیٰ اور حضرت خواجہ غلام حسنؒ دونوں پیر بھائی موقع کہیری میں دریائے سندھ سے پار اتر کر پیدل سفر کرتے ہوئے خانقاہِ عالیہ موسیٰ زئی شریف خواجہ محمد عثمان دامانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لیے پہنچ جاتے تھے۔ خانقاہ پر ہفتہ دو ہفتہ قیام کے بعد اجازت لے کر پھر اسی راستہ سے واپس آتے اور حضرت خواجہ غلام حسنؒ حاجی محمد موسیٰ کے گاؤں رات گزار کر اپنے گاؤں خانقاہ عالیہ سواگ شریف واپس آجاتے۔ حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃاللہ علیہ جب تک کچہ موضع ڈھپی مکوڑی میں قیام پذیر رہے ان کا عموماً موسیٰ زئی کے لیے سفر کا یہی راستہ اور یہی طریقہ تھا۔

- اسی دوستی اور طریقت کی اخوت میں حضرت خواجہ غلام حسن صاحب رحمۃاللہ علیہ اور میرے جدّاعلیٰ حاجی محمد موسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تین حجوں کے سفر میں بھی رفاقت رہی۔ روایت کے مطابق ان دونوں حضرات نے ایک حج پیدل فرمایا اور دو حج بحری جہاز کے ذریعے ادا کیے اور دونوں حجوں میں بحری سفر کے اخراجات میرے جدّاعلیٰ حاجی محمد موسیٰؒ نے برداشت کیے۔

خواجہ غلام حسنؒ کے بیٹے کا ساتھ رشتہ کا ذکر:

- جب میرے جدّاعلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃاللہ علیہ کے درمیان باہم قرب بڑھ گیا حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃاللہ علیہ نے اپنے بیٹے خواجہ فقیر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے لیے حاجی محمد موسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کی بیٹی مسمات مائی بنائی رحمہااللہ تعالیٰ کا رشتہ طلب کرلیا۔ حاجی محمد موسیٰؒ صاحب نے ہاں کردی اور شادی ہوگئی۔
- خواجہ فقیر محمد ابن خواجہ غلام حسن رحمہ اللہ تعالیٰ متبحر عالم تھے، نوجوانی میں مرگی کے مرض کی وجہ سے تہجد کا وضو کرتے ہوئے تالاب میں گر گئے اور شہید ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے مسمات مائی بنائی رحمہااللہ

تعالیٰ سے دو بیٹے خواجہ غلام محمدؒ اور خواجہ غلام حسین رحمہ اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ خواجہ غلام حسینؒ بچپن میں فوت ہو گئے تھے اور خواجہ غلام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ جو موجودہ سجادہ نشینان حضرت صاحبزادہ محمد حسن زید مجدہ اور دوسرے پانچ صاحبزادوں کے والد تھے، ان کو حضرت خواجہ غلام حسنؒ نے اپنا جانشین مقرر کیا۔

• رشتہ ہو جانے کے بعد خواجہ غلام محمد صاحبؒ اور خواجہ غلام حسینؒ کے لیے میرے جدّ اعلیٰ حاجی محمد موسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ یعنی میرے والد کے دادا سگے نانا ہوئے۔ اور میرے والد غلام محمدؒ کے والد میرے جدّ حقیقی محمد فاضل خواجہ غلام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور خواجہ غلام حسین رحمہ اللہ تعالیٰ کے لیے ماموں ہو گئے اور خواجہ غلام محمدؒ اور خواجہ غلام حسین رحمہا اللہ میرے والد کے لیے پھوپھی زاد بھائی ہو گئے اور میرے والد مرحوم خواجہ غلام محمدؒ اور خواجہ غلام حسین رحمہا اللہ کے ماموں زاد بھائی بن گئے (ان میں ملویر پھپھیر بھائیوں کی نسبت قائم ہو گئی)۔ الحمدللہ! ہمارے خاندان کا آستانہ عالیہ سواگ شریف کے ساتھ نہایت قریبی رشتہ ہو گیا۔ جس کو حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر خلفاء اور مریدین جانتے ہیں۔

• خواجہ غلام محمد رحمہ اللہ اور خواجہ غلام حسین رحمہ اللہ تعالیٰ کی والدہ ماجدہ میرے والد کی پھوپھی مسمات مائی بنائیؒ دوسرے صاحبزادے غلام حسینؒ کی ولادت کے بعد فوت ہو گئی تھیں اور یہ دونوں خواجگان حضرات والدہ کی جانب سے یتیم ہو گئے، ان کی پرورش اور تربیت میری سگی دادی حضرت جنت مائی کے ذمہ لگا دی گئی۔ یہ دونوں خواجگان میری سگی دادی کو امی کہا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ غلام حسن رحمہ اللہ کی اہلیہ کا نام بھی مائی جنت تھا۔ دونوں جنتیں مخدومتینؒ ایک دوسرے کو بہنیں کہتی تھیں۔ میری سگی دادی کا اکثر وقت

صاحبزادگان کی تربیت کے لیے آستانہ عالیہ سواگ شریف میں گزرتا تھااور ہمارا خاندان ننھیال مشہور تھا۔ میرے دادا محمد فاضلؒ کو مریدین ماموں کہتے تھے کیونکہ آپ خواجہ غلام محمدؒ اور خواجہ غلام حسینؒ کے ماموں تھے اور ان کی زوجہ میری دادی کو مریدین مامی پکارتے تھے۔

لطیفہ:

• میری سگی دادی عموماً سفر میں مجھے اپنے ساتھ رکھتی تھیں۔ دربار عالیہ حسنیہ پر میں ان کے ساتھ ہوتا تھا، خواجہ غلام حسنؒ کے وصال کے بعد رات کو میری دادی اور میں مخدومہ مائی جنت زوجہ حضرت خواجہ غلام حسن رحمہ اللہ کے کمرہ میں سویا کرتے۔ دونوں مخدومہ دادیاں صبح تہجد کے لیے بیدار ہو جاتیں، نوافل ادا کرنے کے بعد دونوں دادیاں موٹے دانوں والی تسبیح لے کر ذکر خفی کا ورد مکمل کرتی تھیں، سردیوں میں آگ کی انگیٹھی جو دیوار کے اندر بنی ہوئی تھی، پر بیٹھ جاتی تھیں، آگ تاپتیں اور ساتھ ساتھ تسبیح بھی گھماتیں رہتیں۔

• شاید اس وقت میری عمر پانچ یا چھ سال ہو گی۔ ایک رات میں بھی اٹھ گیا، دونوں دادیوں کے درمیان خالی جگہ گھس کر آگ تاپنے لگا۔ دونوں دادیاں تسبیح بھی گھمارہی تھیں اور باہم گفتگو بھی فرمارہی تھیں۔ مجھے تعجب ہوا تو میں نے بڑی دادی زوجہ حضرت صاحب کی تسبیح کو پکڑ لیا اور عرض کیا، آپ تسبیح بھی گھمارہی ہیں اور باتیں بھی کر رہی ہیں، کیا آپ کھیل رہی ہیں یا پڑھ رہی ہیں۔ بڑی دادی اس جملے سے بہت خوش ہوئیں اور فوراً فرطِ محبت سے جیب سے چاندی کا ایک روپیہ کا سکہ نکالا اور میری ہتھیلی میں تھما دیا۔ میری سگی دادی نے میرے ہاتھ سے وہ روپیہ لے کر واپس کرتے ہوئے عرض کیا، آپ دعا کریں، یہ پڑھ جائے، آپ روپیہ نہ دیں آپ دعا کریں۔ بڑی دادی نے مجھے روپیہ واپس کرتے ہوئے فرمایا، ”ونڑ جنوں بھینڑاے پڑھ ویسی“ یعنی پیسے واپس نہ کر میری جنت بہن یہ

بچہ پڑھ جائے گا۔ تہجد کا ٹائم تھا، حضرت خواجہ غلام حسنؒ کی زوجہ محترمہ کی زبان اقدس سے نکلنے والے الفاظ اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیے۔ آج ان کا فیض ہی جاری ہے، لوگ مجھے مولوی سمجھتے ہیں، عجب معاملہ ہے کبھی کبھی اعتراض بھی دعا کا ذریعہ بن جاتا ہے بشرطیکہ اس میں عناد نہ ہو۔

دادی کے ساتھ سفر کا ذکر:

• میری سگی دادی مائی جنت میرے ساتھ بہت پیار کرتی تھیں کیونکہ اس وقت میں ان کا اکلوتا پوتا تھا، مجھ سے پہلے میرے بھائی محمد ابراہیمؒ کا تقریباً تین سال کی عمر میں انتقال ہو گیا تھا۔ مجھ سے پہلے میری دو بہنیں صابرہ بی بیؒ اور آمنہ بی بیؒ زید عمرہا موجود تھیں اور چچا صالح محمد صاحبؒ کے متواتر پیدا ہونے والے بچے فوت ہو جاتے تھے۔ اس وقت ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ دادی صاحبہ جب کبھی واپس گھر جاتیں اور دوبارہ انہیں خانقاہ شریف آنا ہوتا، کبھی تو سواری بھیج کر خواجہ غلام محمدؒ ان کو بلوا لیتے اور کبھی پیغام بھیجتے، فرماتے، مامی صاحبہ! ہمارے پاس آجایئے۔ اس وقت میرے والد صاحب اور چچا صاحب مصروفیت کی وجہ سے انہیں دربار عالیہ پر چھوڑنے سے معذرت کر لیتے اور مجھے کہتے، تم دادی کے ساتھ چلے جاؤ۔ چنانچہ میرے والد صاحب اور چچا صالح محمدؒ گھوڑے کی سواری نہ ہونے یا وقت نہ ہونے کی وجہ سے گدھی کے اوپر اسٹیج کی طرح بیٹھنے کی جگہ بنا دیتے۔ دادی صاحبہ بڑھاپے کی وجہ سے تقریباً خانقاہ شریف تک تیس بتیس کلو میٹر چلنے کی طاقت نہیں رکھتی تھیں، آپ گدھی پر بیٹھ جاتیں اور میں پیدل کبھی گدھی کے پیچھے اور کبھی آگے چلتا رہتا۔ تقریباً دس بارہ گھنٹے کے بعد ہم دربار شریف پر پہنچ جاتے۔ آپ سواری پر بیٹھتے ہی فوراً پنج سورہ نکال کر وظائف پڑھنا شروع فرما دیتیں۔ نماز کے اوقات میں اتر کر نماز پڑھ لیتیں اور پھر ہم روانہ ہو جاتے۔ میرے ظنِ غالب کے مطابق آپ اللہ تعالیٰ کی ولیہ اور عالمہ تھیں، انہیں ہمیشہ

خواجہ غلام حسنؒ اور صالحین کی صحبت حاصل رہی۔

میری دادی عالمہ تھیں:

• چچا صالح محمدؒ کی اولاد ہونے کی دعا کے لیے ایک مرتبہ چچا صالح محمدؒ اور آپ کی بیوی اور دادی صاحبہ اور دیگر خواتین اونٹوں کے ذریعہ موسیٰ زئی شریف جارہے تھے، میں بھی دوسرے بچوں کے ساتھ کجاوہ میں تھا، جب ہم علی گرہ ڈیرہ اسماعیل خان کی بستی کے مقام سے گزر گئے، عصر کی نماز کا وقت تنگ ہو گیا، پانی میلوں دور تھا، دادی صاحبہ نے سواریاں روک کر تیمم کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا تو خواتین اور مردوں نے عرض کیا، ہمیں استنجا بھی کرنا ہے، تیمم کیسے کریں۔ آپ نے فرمایا، استنجا مستحب ہے، تین ڈھیلوں سے استنجا کی جگہ اچھی طرح صاف کرلو اور تیمم کر کے نماز پڑھ لو، چنانچہ ایسا کیا گیا۔ آج آپ کے علم کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اس مسئلے کا بڑے بڑے علماء کو علم نہیں ہوگا مگر آپ نے اولیاء کرام کی صحبت سے سب کچھ سیکھ لیا تھا اور آپ کو علم لدنی حاصل تھا۔ آپ میرے لیے علم کے حصول کے لیے دعا فرمایا کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

دادی صاحبہ کے وصال کا ذکر:

• آپ کا عید الفطر کے دن صبح گیارہ بجے کے قریب چچا صالح محمدؒ کے کمرے میں اس چارپائی پر وصال ہوا جو کمرہ کے جنوبی جانب دروازے کے قریب لگائی گئی تھی۔ آپ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں بیمار ہو گئیں، آپکو ہرنیا کی تکلیف بھی تھی، جیسا کہ ان کے شوہر ہمارے جد حقیقی محمد فاضل کو بھی ہرنیا کی تکلیف تھی اور وہ اسی تکلیف کے ابتلاء میں خانقاہ سوہاگ شریف جاتے ہوئے راستہ میں انتقال فرما گئے تھے اور کروڑ لعل عیسن سے چارپائی پر لوگوں نے انہیں اٹھایا اور سواگ شریف دربار پر لے گئے۔ حضرت خواجہ غلام حسنؒ صاحب خود

ساتھ چلتے رہے، ان کی تجہیز و تکفین دربار شریف پر ہوئی اور انہیں موجودہ روضہ شریف سے متصل جنوبی جانب دفن کیا گیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ میرے والد صاحب کو بھی ہرنیا کی تکلیف رہتی تھی مگر ان کا وصال ہارٹ اٹیک سے ہوا تھا۔ چنانچہ میری دادی صاحبہ نے عید کے دن صبح صبح میرے والد صاحبؒ اور چچا صاحبؒ کو بلا کر فرمایا، دین پور نمازِ عید پڑھ کر جلدی واپس آنا۔ ہم دین پور عید پڑھنے چلے گئے۔ دین پور میں میری اہلیہ کے نانا محمد بخشؒ صاحب عید پڑھایا کرتے تھے۔ جب واپس آئے تو دادی صاحبہ کو سکرات لگ چکی تھی۔ میری بڑی ہمشیرہ صابرہ بی بی دادی صاحبہ کے سرہانے بیٹھی تھی اور چچا صالح محمد صاحبؒ قدموں میں بیٹھ گئے اور بلند آواز سے سورہ یٰسٓ پڑھنا شروع کر دی۔ جب والد صاحب پہنچے اس وقت دادی صاحبہ کے آخری لمحات تھے مگر ہوش و حواس قائم تھے۔ میں چارپائی کے ساتھ کھڑا تھا، کچھ خواتین رو رہی تھیں۔ والد صاحب نے آتے ہی عرض کیا، امی جی مجھے معاف کر دینا۔ دادی صاحبہ نے دائیں ہاتھ سے اوپر انگلی اٹھائی اور اشارہ فرمایا، یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کر دے۔ مگر اس وقت آپ کو بات کرنے کی قدرت نہیں تھی۔ اس کے بعد فوراً روح پرواز کر گئی اور آپ ہم سے جدا ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ والد صاحب کے حکم سے دادی صاحبہ کا جنازہ موجودہ حافظ آباد کے شمال موجودہ پختہ سڑک کے قریب میدان میں پڑھایا گیا۔ والد صاحب کا ارادہ تھا دادی صاحبہ کو چونہڑی شریف پیر محمد حسن بخاری کے قبرستان میں دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ دفن کیا جائے مگر سوہاگ شریف سے آدمی پہنچ گیا کہ حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ فرما رہے ہیں، ممانی صاحبہ کو سوہاگ شریف لایا جائے، ان کی تدفین یہاں ہو گی۔ چنانچہ دادی صاحبہ کی آخری آرامگاہ خانقاہ شریف سوہاگ روضہ شریف کے جنوب میں خواجہ غلام حسنؒ کے قدموں میں ہے۔ جب میں خانقاہ سوہاگ شریف پڑھتا تھا تقریباً ہفتہ

میں دو تین بار دادی صاحبہ کی قبر پر حاضری دیتا تھا اور دیر تک بیٹھا ایصالِ ثواب کرتا تھا۔ اب سب قبریں لینٹر کی چھت کے نیچے مستور ہیں۔ قبروں کے اوپر آر سی سی لینٹر کی چھت ڈال کر روضہ شریف کے جنوب میں صحن بنایا گیا ہے اور قبریں لینٹر کی چھت کے نیچے مستور ہیں۔

سچا خواب:

• دادی کے ساتھ قرب اور محبت کا ثمر یہ تھا کہ جس دن آپ کا وصال ہوا اس سے پہلی رات یعنی عید الفطر یکم شوال کی رات مجھے خواب کچھ اس طرح آیا کہ میں اپنی دادی کے ساتھ خانقاہ سوہاگ شریف سے واپس آرہا ہوں، جب مقامی بستی (آنسٹر کچہ) سے پانی کی ندی ہم پار کرنے لگے، دادی صاحبہ پانی کے گرداب میں ڈوب گئیں۔ خوف سے میری آنکھ کھل گئی۔ اسی دن صبح دادی صاحبہ کا وصال ہوگیا، وہ زمین میں مستور ہو کر جنت میں تشریف لے گئیں، میرے خواب کی تعبیر مجھے واضح ہوگئی تھی، میری عمر اس وقت چھ یا سات سال ہوگی۔ اس کے بعد جب بھی مجھے خواب میں پانی میں ڈوبتا کوئی شخص نظر آتا ہے، اس کی تعبیر اس کی وفات ہوتی ہے۔ چنانچہ بیسیوں مرتبہ اس کا تجربہ ہوا اور اگر کوئی گھٹنے یا کمر یا سینہ تک پانی میں نظر آتا ہے، اس کی تعبیر اس شخص کے لیے مصائب ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں متعدد مرتبہ اپنے آپ کو مختلف مقدار کے پانی میں دیکھ چکا ہوں اور پھر اسی مقدار کے حساب سے مصائب اٹھا چکا ہوں۔

وفات کے بعد انتظار:

• دادی صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ وصال فرما گئیں، آپکے وصال کے بعد ہم تعلیم حاصل کرنے کے لیے سواگ شریف پہنچ گئے تھے۔ ابھی نابالغ تھے، میری ہمشیرہ صابرہ بی بی رحمہ اللہ بیان فرماتی تھیں کہ مجھے بی بی صغریٰؒ حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ کی پہلی زوجہ محترمہ نے بیان کیا کہ صابو مائی! آج میں نے ممانی

صاحبہ (میری دادی) کو گیٹ پر روٹی اور سالن اٹھائے ہوئے دیکھا۔ میں نے عرض کیا، ممانی صاحبہ! یہاں آپ کو کس کا انتظار ہے؟ فرمایا، اپنے پوتے محمد رفیق کا انتظار کر رہی ہوں، اسے بھوک لگی ہے اور واقعی آپ نے سچ فرمایا تھا، سوہاگ شریف طلبہ کے لیے ناشتہ کا کوئی انتظام نہیں تھا، صبح صبح بھوک لگتی تھی۔ بی بی حضریؒ فرمانے لگی، میں حیران ہوں، مامی صاحبہ کو وصال کے بعد بھی اپنے پوتے کا خیال رہتا ہے۔

ملتان میں تعلیم کا آغاز:

• ۳ محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۹ جون ۱۹۶۲ء خواجہ غلام محمد صاحبؒ کا وصال ہو گیا اور آپ کے وصال کے بعد خانقاہ شریف پر تعلیم کا ماحول صحیح نہیں رہا تھا۔ ہم چار آدمی فیض محمد سواگؒ، عبداللطیف سواگؒ، مولانا محمد نواز اور میں حضرت صاحبزادہ محمد حسن صاحب زید مجدہ سے بلا اجازت خفیہ تقریباً بارہ بجے رات سواگ شریف سے پیدل کروڑ لعل عیسن اسٹیشن پر پہنچے، وہاں سے ملتان اور ملتان سے سورج میانی مدرسہ مخزن العلوم استاذیم عبدالعزیز صاحبؒ کے پاس پہنچے اور مدرسہ میں داخلہ لے لیا۔ میرے اسباق ہدایۃ النحو اور کافیہ وغیرہ شروع ہو گئے۔ حضرت استاذیم عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ بہت محنت سے پڑھاتے تھے اور صرف و نحو کا اجراء کراتے تھے۔ چونکہ صاحبزادہ محمد حسن صاحب کی خواہش کے برعکس بلااجازت ہم نے سوہاگ شریف چھوڑا تھا، وہ سخت ناراض ہو گئے۔ اسی دوران میں نے آپ کو ایک نامناسب خط بھی لکھ ڈالا تھا تو مزید ناراض ہو گئے تھے۔ چنانچہ ایک دن ملتان کے مدرسہ میں تشریف لے آئے اور ہمیں واپس ہو جانے کے لیے کہا مگر ہم نے انکار کر دیا۔ سارا سال تعلیم جاری رہی۔ میں رمضان المبارک کی تعطیلات میں گھر چلا گیا۔

تین ماہ بیماری کا آغاز:

• رمضان المبارک کے آخری عشرہ غالباً ستائیسویں شب ہمارے والد صاحبؒ کے دوست سید شبیر حسین شاہ صاحب نے قرآن خوانی پر بلایا۔ شاہ صاحب اور ان کا بیٹا سنی تھے مگر ان کے دوسرے بیٹے اور رشتہ دار سب شیعہ ہو چکے تھے۔ ہم نے قرآن مجید کی تلاوت کرلی، شاہ صاحب مجلس میں تشریف لائے اور پوچھا، بیٹے کیا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا، درس نظامی کی فلاں فلاں کتاب پڑھ لی ہے، آئندہ مزید پڑھائی جاری رکھنے کا ارادہ ہے۔ شاہ صاحب میرے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک حافظ صاحب (جس کو میں نہیں پہچانتا تھا) کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر آپ اس حافظ کی طرح حافظ بنتے تو بہتر تھا۔ میں نے فوراً لاابالی میں کہہ دیا "الحافظ کالجاھل" یعنی صرف حافظ جاہل کی طرح ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے سرائیکی زبان میں کچھ اشعار پڑھے، جن کا مفہوم تھا کہ حافظ ہو یا عالم مدار ازل کی تقدیر اور تحریر پر ہے۔ شاہ صاحب نے سچ فرمایا تھا، مجھے لگتا ہے میرے قول "صرف حافظ جاہل کی طرح ہوتا ہے" سے حافظ صاحب کی دل شکنی ہوئی اور ان کو نہایت ایذاء پہنچی، جس کی مجھے سزا دی گئی۔ میں گھر پہنچا اسی رات مجھے داڑھ کا شدید درد شروع ہو گیا اور تقریباً تین ماہ تک جاری رہا، علاج کرائے، دم کرائے، سوہاگ شریف اور پیر بارو رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بار بار گئے مگر درد ختم نہ ہوا، بے قراری میں نیند نہ آئے۔ آخر کار والد صاحب گھر سے آٹھ دس کلومیٹر دور ددھیوالی گاؤں میں ڈاکٹر ظہور کے پاس لے گئے، وہ بدبخت اناڑی ڈاکٹر تھا، اسے دانتوں کے علاج کا علم ہی نہیں تھا۔ اس نے کہا، داڑھ نکالنا پڑے گا۔ والد صاحب نے فرمایا، نکال دو۔ اس نے بغیر انجکشن عام پلاس سے ایک ڈاڑھ کھینچ لیا۔ گھر واپس آگئے مگر درد مزید بڑھ گیا۔ دو چار دن کے بعد پھر اس کے پاس گئے۔ اس نے کہا، دوسرا داڑھ بھی نکالنا ہو گا۔ والد صاحب نے فرمایا، ٹھیک ہے

نکال دو۔ اسی پلاس سے دوسرا داڑھ بھی کھینچ لیا مگر پھر بھی درد دور نہ ہوا۔ تقریباً رمضان المبارک کی ستائیس کو درد شروع ہوا تھا، شوال اور ذیقعد گزر گیا، داڑھوں کے اخراج سے جبڑے میں پیپ بھر گیا اور چہرہ سوج گیا حتیٰ کہ سوجن سے گردن پر لوٹے کی مقدار پیپ سے جلد بھر گئی، جلد رسولی کی طرح لٹکنے لگی، کمزوری اور بخار اور درد کی وجہ سے اٹھنا اور چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ گلے پر سوجن کی وجہ سے کھانا گلے سے نہیں اترتا تھا۔ ذی الحج تیسرے ماہ میں بیماری داخل ہو گئی۔ میرے کزن مولانا محمد نواز صاحب، جو ہمیشہ میرے ساتھ پڑھائی کے لیے جاتے تھے، ملتان کے مدرسہ مخزن العلوم چلے گئے مگر میں نہ جا سکا۔ بیماری کی شدت اور طوالت کی وجہ سے ہماری قوم اور دور دراز رہنے والے دوستوں کے قافلے عیادت کے لیے آتے جاتے رہتے تھے۔ والدہ صاحبہ اور ہمشیرگان ہر وقت کھانے اور چائے پلانے میں لگی رہتی تھیں، ہر وقت گھر میں ہجوم رہتا تھا۔ عموماً والدہ صاحبہ یا چچا احمد بخشؒ اور چچا غلام رسول صاحب میرے سرہانے بیٹھے رہتے تھے۔ اسی دوران معروف حکیم اور جراح المعروف گڈے والے کو بلایا گیا، اس نے کہا جبڑا پیپ کی وجہ سے سڑ گیا ہے، جبڑا کاٹنا پڑے گا لیکن یہ کام میں نہیں کر سکتا۔ بعض لوگوں نے مشورہ دیا، پیپ جمع ہے نشتر سے جلد کاٹ کر سوراخ سے پیپ نکال لیا جائے مگر دوسرے لوگوں نے کہا، ایسا ہرگز نہ کرنا، گندا پھوڑا ہے موت واقع ہو جائے گی، بس دم کراتے رہو، کسی نے کہا جنات کا اثر ہے، کسی نے کہا جادو ہو گیا مگر بیماری جاری رہی۔ چچا احمد بخشؒ اور چچا غلام رسول صبح سے شام تک میری چارپائی پر کبھی قدموں کی جانب اور کبھی سرہانے بیٹھے رہتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ ذی الحج کے آخری عشرہ میں ایک دن بیماری کی شدت سے میں بے ہوش ہو گیا حتیٰ کہ پانی گلے سے نہیں اترتا تھا۔ بیمار کا بے ہوش ہو جانا خطرہ کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس وقت والد صاحب نے راتوں

رات بہنوئی محمد عثمان کو ڈیرہ اسماعیل خان کی ایک بستی میں دم کرنے والے آدمی کو لانے کے لیے بھیجا۔ بہنوئی محمد عثمان رات کی تاریکی میں سنداری (تیرنے کی مشک اور ٹوپ) کے ذریعہ میلوں چوڑا دریائے سندھ عبور کر کے عامل کو لانے کے لیے روانہ ہو گئے اور ایک آدمی میرے لیے کفن لانے کے لیے بھیج دیا۔

حضرت غوث پاک سے فریاد کام آگئی:

• والد صاحب بیان فرماتے تھے، تمہاری زندگی سے مایوسی کی نہایت پریشانی میں آخری رات میں گھر سے شمال کی جانب (بھاجڑ) کھلیاں کی طرف نکل گیا۔ دو نفل صلوٰۃ غوثیہ ادا کر کے بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم چل کر حضور غوث پاک سیّد عبدالقادر گیلانی رحمہ اللہ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور واپس آ گیا۔ رات گزر گئی، صبح اشراق کے وقت سید لعل شاہ غلام حیدر حجام کے ساتھ موجودہ نور پور سے مغرب کی طرف اپنے بھائی سید جعفر شاہ کے گھر جا رہا تھا۔ میرے والد کو دیکھا تو راستہ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پوچھا، ملک صاحب! بیٹے کا کیا حال ہے۔ قبلہ والد صاحبؒ فرماتے تھے، میں نے کہا، شاہ صاحب! نہایت پریشانی ہے، اب تو بیٹا بے ہوش ہو گیا ہے۔ والد صاحبؒ بیان کرتے تھے، شاہ صاحب راستہ چھوڑ کر میرے دیکھنے کے لیے واپس آ گیا۔ جب کمرہ کے اندر آیا اور دیکھا کمرہ عورتوں اور مردوں سے بھرا ہوا ہے اور والدہ صاحبہ اور ہمشیرگان رو رہی ہیں، سکرات کا منظر ہے۔ شاہ صاحب نے فوراً کہا، سب خواتین کمرے سے نکل جائیں۔ جب خواتین کمرے سے نکل گئیں تو شاہ صاحب نے حیدر نائی کو فرمایا، استرا نکال پیپ سے بھری بال کاٹ اور ٹکہ دے۔ چونکہ اس کے پاس سوراخ کرنے کا خصوصی آلہ نشتر بھی نہیں تھا، اُسترا موجود تھا، مجھے ایک آدمی نے اٹھا کر پشت سے سہارا دیا۔ حیدر نائی نے استرے سے گردن پر پیپ سے بھری رسولی میں سوراخ کر دیا اور ٹکہ دے دیا اور پیپ سے ابھری بال میں استرا

دبادیا اور نیچے لوٹا رکھ دیا۔ بدبودار پیپ اس طرح پریشر سے لوٹے میں گرا جیسا کہ پانی کی موٹر کے پائپ سے پانی گرتا ہے۔ لوٹا پیپ سے بھر گیا۔ پیپ نکلتے ہی مجھے سکون اور ہوش آگیا اور نیند آگئی۔ ہمارے گھر والے خوش ہو گئے۔ اس پیپ کا اثر یہ ہوا تھا کہ تحتانی جبڑے کے سارے دانت ہل رہے تھے اور درمیانی چار دانت (ثنایا) کی سائیڈوں پر دو دانت اپنی جگہ کے لیول سے اوپر اٹھ گئے تھے۔ تھل سے ایک جراح بلوایا گیا تھا وہ آپریشن کے بعد پہنچا اور ڈی آئی خان سے بلایا گیا عامل بھی بعد میں پہنچا۔ آپریشن ہو چکا تھا، جراح (حکیم) نے دانتوں کے ارد گرد سیمنٹ کی طرح کا ایک خشک پاؤڈر لگایا، دو تین ہفتوں کے بعد دانت کچھ مضبوط ہو گئے، ابھرے ہوئے دو دانتوں کو بعد میں لیہ میں ڈینٹسٹ سے کٹوا کر دانتوں کا لیول برابر کر دیا، ابھی گردن پر کاٹی گئی جگہ سے تھوڑا تھوڑا پیپ رستا رہتا تھا، روزانہ زخم پر لگایا گیا کپڑا (سنی پلاسٹ) تبدیل کیا جاتا تھا۔ رمضان المبارک کی ستائیس کو درد شروع ہوا تھا، فصل کاشت ہو رہے تھے، جب میں بیت المرض سے باہر نکلا تو حیران ہو گیا، گندم کی فصل کے سٹے نکل رہے تھے۔ تعجب سے میں نے امی جان سے دریافت کیا، امی جی اتنی جلدی فصل تیار ہو گئی ہے۔ امی نے فرمایا، بیٹا آپ رمضان میں بیمار ہوئے تھے اور اب محرم کا مہینہ شروع ہو گیا ہے۔

والد کی سختی سے کام بن گیا:

- تھوڑا چلنے پھرنے کی قدرت حاصل ہوئی، ایک دن چلتے ہوئے گھر سے پچیس تیس قدم ہل چلاتے ہوئے والد صاحب کے پاس پہنچا، میں سمجھ رہا تھا والد صاحب شفقت فرمائیں گے مگر انہوں نے گرجتی آواز سے فرمایا، کب تک گھر میں روٹیاں توڑتے رہو گے، پڑھنے کے لیے نہیں جاؤ گے۔ مجھے اس کلام سے سخت صدمہ پہنچا کیونکہ ابھی میرے زخم سے پیپ رس رہا تھا، بند نہیں ہوا تھا۔ میری گردن پر زخم کا نشان ابھی تک باقی ہے۔ میں پڑھائی کے لیے والدین کی

اجازت کے بعد دوسرے دن روانہ ہو گیا۔ چونکہ تعلیمی سال کے چاہ ماہ گزر چکے تھے، اس لیے ملتان جانے کی بجائے مدرسہ نعمانیہ رضویہ لیہ میں حضرت استاذیم حامد علی رحمہ اللہ کے پاس جانے کا ارادہ کر لیا۔ سیدھا پیر باروؒ کی بارگاہ میں پہنچا، سواگ شریف سے رشتہ کی وجہ سے آپ مجھ سے نہایت شفقت فرماتے تھے۔ میں نے عرض کیا، آپ مجھے حضرت استاذیم حامد علی صاحبؒ کے مدرسہ میں داخلہ کے لیے سفارشی خط لکھ دیں۔ آپ نے غالباً محمد رمضان خوجہ یا محمد بخش قصرانی کو حکم دیا، انہوں نے داخلہ کے لیے استاذیم حامد علی صاحبؒ کے نام خط لکھ دیا۔ جب لیّہ پہنچا، استاذوں نے شفقت فرمائی مجھے داخلہ دے دیا۔ باقی سال لیّہ میں پڑھتا رہا اور میرے کزن مولانا محمد نواز ملتان پڑھتے رہے۔

لیّہ میں تعلیم کا آغاز اور خواب:

- لیّہ میں داخلہ تو مل گیا مگر کھانے پینے کی تنگی اور استاذوں کی صوفیت کی وجہ سے مدرسہ کا نظام صحیح نہیں تھا۔ پہلے دن دوپہر کو مجھے کھانے کے لیے ایک روٹی ملی اور ساتھ ہی چائے کی پیالی میں چھاچھ (لسی) ملی، جس سے میں نے روٹی کھائی۔ سالن وغیرہ نہیں تھا، سب طالب علموں کو ایک ایک روٹی اور نمکین لسی کی پیالی ملتی تھی۔ شام ہو گئی کسی نے آکر روٹی تو دی مگر سالن نہ دیا جبکہ دوسرے طلباء کو تھوڑا تھوڑا سالن بھی دیا گیا۔ مجھے نہایت افسوس ہوا۔ جب سونے کا وقت آیا طالب علم اپنی اپنی چارپائی پر سو گئے مگر مجھے کسی نے نہ پوچھا، میں مسجد کے ساتھ کچے کمرہ میں چٹائی پر بغیر تکیہ سو گیا مگر نیند نہ آئی، دکھوں اور دردوں کو یاد کر کے کرتے مجھے رونا آگیا۔ طویل علالت اور والد صاحب کے کلمات جن سے میں نے محسوس کیا تھا کہ والد صاحب مجھے بوجھ سمجھتے ہیں، حقیقت میں بوجھ ہی تھا کیونکہ اس طرح طویل بیماری میں والد صاحب کا کافی خرچہ ہوا اور پریشان بھی رہے تھے پھر مدرسہ میں استاذیم حامد علی کی بے اعتنائی اور طلبہ کا ایک اجنبی طالب علم کے

ساتھ عدم تعاون وغیرہا، یہ سب باتیں ذہن میں گھومتی رہیں اور روتا رہا اور خوب رویا، بہت دیر کے بعد فرش پر بچھی چٹائی پر نیند آگئی۔

خواب کا ذکر:

• نیند آتے ہی سیّدہ مائی جنت دادی صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ کی اس طرح زیارت ہوئی کہ آپ میرا ہاتھ پکڑ کر دربار سواگ شریف پر روضہ مبارک کے جنوب میں عاجزانہ حالت میں حضرت خواجہ غلام حسنؒ کا انتظار کر رہی ہیں تاکہ میرے لیے دعا کرائیں، ایسے لگ رہا تھا کہ آپ باہر سے آنے والے ہیں۔ اچانک ایک تانگہ (گھوڑا گاڑی) ظاہر ہوا، حضرت خواجہ غلام حسنؒ دوسرے لوگوں کے ساتھ اس میں تشریف فرما ہیں۔ دادی صاحبہ ہاتھ جوڑ کر عرض کرتی ہیں، حضور! میرے اس پوتے کے لیے دعا فرمادیں اور معاف کردیں۔ آپ نے تانگہ نہیں روکا، آپ کی سواری روضہ کا گیٹ آٹو میٹک کھلتے ہی اندر داخل ہوگئی مگر آپ نے ہاتھ سے اپنے پیچھے آنے والی گھوڑا گاڑی کی طرف اشارہ فرمایا پھر اچانک پیچھے غالباً تانگے میں حضرت خواجہ فقیر محمدؒ ابن خواجہ غلام حسنؒ اور خواجہ غلام حسینؒ آرہے تھے، دادی صاحبہ ان کو عرض کرتی ہیں، میرے پوتے کو معاف کردیں اور دعا فرمائیں۔ یہ تانگہ بھی روضہ شریف کے گیٹ کے اندر داخل ہوگیا اور غائب ہوگیا، انہوں نے اپنے پیچھے آنے والی گھوڑا گاڑی کی طرف اشارہ فرمایا، پیچھے ایک تانگہ ظاہر ہوا جس میں شاید حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ اور ان کے بچے سوار تھے یا دوسرے لوگ تھے مگر دادی صاحبہ ان سے درخواست کرتی نظر نہیں آئی۔ آنکھ کھل گئی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور حضرت خواجہ غلام حسنؒ اور آپ کی اولاد کی دعاؤں سے اس کے بعد میری پڑھائی شروع ہوگئی اور استاذ صاحب بھی شفقت فرمانے لگے۔ ایک دن استاذوں نے مجھے فرمایا، میرے ساتھ گھر چلو، جب دروازہ پر پہنچا، آپ نے کپڑوں کا جوڑا بھی عطا فرمایا اگرچہ یہ

عمل ان کی طبیعت کے خلاف تھا۔

میری دادی وصال کے بعد بھی میرے ساتھ:

• الحاصل میری دادی صاحبہؒ جو وصال فرما چکی تھیں، انہیں میری یاد باقی رہی تھی اور شاید اس طویل مصیبت کا باعث حافظ صاحب کی ناراضگی تھی کیونکہ میں نے غرور اور تکبر کرتے ہوئے اسے جاہل کہہ دیا تھا۔ جب میں بیمار تھا میں کہتا تھا، اس حافظ صاحب کو بلاؤ میں اس سے معافی مانگنا چاہتا ہوں مگر ایسا نہ ہو سکا، معلوم نہیں وہ حافظ صاحب کہاں کے رہنے والے تھے۔ شاہ صاحب نے بھی ان کا کوئی پتہ نہ دیا لیکن ان مصائب میں میرے ساتھ وفات شدہ دادی صاحبہؒ کی شفقت تھی جس طرح اپنی زندگی میں میرے لیے ملنے والے صالحین سے دعا کراتی تھیں اسی طرح وفات کے بعد بھی میرے لیے دعائیں کراتی رہیں۔

جزاھا اللہ تعالیٰ عنی خیرا۔

خواجہ غلام محمدؒ کی شاگردی اور خدمت:

• ۱۹۶۱ء کے آخر میں سوہاگ شریف پر تعلیم کا سلسلہ باقی نہ رہا۔ حضرت خواجہ غلام محمدؒ نے استاذ یم محمد موسیٰؒ صاحب کو رخصت کر دیا تھا۔ طلباء کے لیے ایک استاذ کا انتظام تو کیا مگر اس استاذ سے طلباء مطمئن نہیں تھے، سب چلے گئے۔ میں اکیلا دربار شریف میں رہنے لگا۔ دوسرا استاذ بھی چلا گیا۔ خود حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ تم مجھ سے سبق پڑھ لیا کرو۔ آپ نے مجھے اردو کی تفسیر قادری شروع کرادی اور ایک فارسی کا کوئی رسالہ تھا۔ میں صبح نماز ادا کرنے کے بعد حضرت صاحب کی بیٹھک (تسبیح خانہ) میں بچھائے گئے قالین کو برش سے صاف کیا کرتا تھا، آپ حسبِ عادت نماز باجماعت کے بعد مراقبہ فرماتے پھر اشراق کے نفل پڑھ کر حضرت خواجہ غلام حسنؒ کے مزار کے سامنے آتے، فاتحہ پڑھ کر تسبیح خانہ آجاتے۔ گھڑی، عینک اور کپڑے حسب میچنگ تبدیل کرتے تھے،

آپ نہایت خوش پوش اور خوش لباس تھے، پھر ناشتہ کے لیے گھر مستورات میں تشریف لے جاتے۔ ناشتہ کے بعد گرمیوں میں تسبیح خانے کے اندر اور سردیوں میں باہر آپ کے لیے قالین بچھایا جاتا اور لوگوں کے لیے چٹائیاں بچھائی جاتیں، ناشتے میں زائرین کو چائے اور پاپے پیش کیے جاتے اور لوگ اپنی اپنی حاجات پیش کرتے، دعا کراتے اور تعویذ وغیرہ حاصل کرتے، واپس جانے والے رخصت طلب کرتے۔ یہ سلسلہ دوپہر تک جاری رہتا پھر آپ ظہر سے پہلے قیلولہ فرماتے۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے، تلاوت کے بعد لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا۔ عصر کی نماز کے بعد گھر تشریف لے جاتے، مغرب کی نماز کے بعد مجلس لگتی اور آپ لوگوں کے ساتھ محوِ گفتگو رہتے اور ریڈیو کے ذریعے خبریں سنتے۔ عشاء کی نماز دیر سے پڑھتے۔ عشاء کے بعد سردیوں میں رات کو تسبیح خانے میں آرام فرماتے اور گرمیوں میں باہر ہوا میں آپ کی چارپائی رکھی جاتی۔ صبح تہجد کے ٹائم عموماً غسلِ جنابت فرماتے اور تہجد کے نوافل پڑھ کر تسبیح خانے میں تشریف رکھتے۔ آپ کی ازواج اور اولاد آجاتی، ان کے ساتھ صبح کی جماعت تک مجلس فرماتے۔ ان معمولات میں ایک عرصہ تک نابالغی کی عمر میں میری ذمہ داری یہ ہوتی کہ فجر کی نماز کے بعد تسبیح خانہ کا قالین برش یا اپنے رومال سے صاف کرنا اور سردیوں میں صبح کے لیے غسل کا پانی گرم کرنا اور دن کو نواگری اور سر پر دسمہ لگانا۔ چونکہ آپ کی چار بیویاں تھیں، ان میں سے جس کی باری ہوتی ان کو گھر جا کر اطلاع دینا کہ آج آپ نے حضرت صاحب کے پاس رہنا ہے، میری ڈیوٹی ہوتی۔ میرے ساتھ آپ کا بہت زیادہ پیار تھا مگر باقاعدہ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے میں پریشان رہتا تھا۔

مرشد آباد چلے جانے کا ذکر:

• حضرت صاحب اپنے درویش اللہ بخش لب اور ہونٹ بریدہ پر ناراض ہو گئے

تھے، آپ نے اسے فرمایا، یہاں سے چلا جا۔ اس نے مجھے کہا کہ میں جنجوں شریف المعروف مرشد آباد پیر عبدالغفورؒ کے پاس جارہا ہوں، وہاں بہت اچھی پڑھائی ہوتی ہے، آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ میں بھی تیار ہو گیا۔ بغیر اجازت ہم کروڑ لعل عیسن سے ریل کے ذریعے دریاخال پہنچے، وہاں سے بس کے ذریعہ دلیوالا پہنچے، وہاں سے پیدل چلتے ہوئے عشاء کے وقت مرشد آباد پہنچے۔ اللہ بخش درویش نے حضرت عبدالغفور صاحب کو میرے متعلق فرمایا، یہ حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ کے (ملویر) ماموں زاد بھائی کا بیٹا ہے، وہاں پڑھائی نہیں تھی، یہاں پڑھنے کے لیے آیا ہے۔ حضرت خواجہ غلام حسنؒ سے رشتہ داری کی وجہ سے حضرت عبدالغفور صاحبؒ نے میرے لیے خاص کھانا اور رہائش کا انتظام کیا۔ مرشد آباد دربار پر مولانا غلام محمد ڈی آئی خان صدرا والے درسِ نظامی پڑھاتے تھے۔ میں نے صرفِ گھوٹوی اور ایساغوجی وغیرہ پڑھنا شروع کر دی۔ رمضان المبارک میں تعطیلات کی وجہ سے واپس گھر آگیا۔ دوسرے سال اپنے ساتھ مولانا محمد نواز کو بھی مرشد آباد لے آیا۔

خواجہ غلام محمدؒ کے وصال کا ذکر:

• ۱۹۶۲ء کے شوال میں ہم مرشد آباد آگئے۔ پیر محمد حسن موجودہ سجادہ نشین زید مجدہ غالباً ان کی عمر دس گیارہ سال ہو گی، وہ بھی مرشد آباد پڑھنے کے لیے آگئے مگر ذی الحج میں حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ کی طبیعت خراب ہو گئی، آپ بیمار ہو گئے، چلتے چلتے گر جاتے تھے۔ کافی علاج کرائے گئے مگر طبیعت نہ سنبھلی۔ جون کی گرمی میں حکیموں نے مشورہ دیا، انہیں بلوچستان ضلع لورالائی اپنے آستانہ پر لے جائیں، ہو سکتا ہے ٹھنڈک کی وجہ سے طبیعت سنبھل جائے۔ اسی دوران آپ کی ازواج نے صاحبزادہ محمد حسن صاحب کو مرشد آباد سے واپس لانے کے لیے ایک آدمی بھیجا۔ صاحبزادہ محمد حسن صاحب بھی لورالائی پہنچ گئے

مگر خواجہ غلام محمدؒ کا مرض دن بہ دن بڑھتا گیا۔ حسبِ روایت جب اہلِ خانہ نے خطرہ محسوس کیا، وہاں سے ٹرک کرایہ پر لیا، اس میں حضرت صاحب کی چارپائی رکھی اور اہلِ خانہ چارپائی کے ارد گرد سوار ہوگئے۔ یہ ٹرک مورخہ ۲۹ جون ۱۹۶۲ء مطابق ۳ محرم ۱۳۸۲ھ بروز اتوار صبح سورج طلوع ہوتے ہی دربار عالیہ سواگ شریف پہنچ گیا۔ حسبِ روایت اسی وقت خواجہ غلام محمد صاحبؒ دارالفناء سے دارالبقاء منتقل ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس وقت دور دراز علاقوں میں اطلاع کا ذریعہ برقی تار ہوتا تھا جو کہ ڈاک کے ذریعہ پہنچتا تھا۔

خواب میں وصال کی خبر:

• مرشد آباد میں وصال اور تدفین سے ایک رات پہلے میں نے خواب دیکھا کہ حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ کا انتقال ہوگیا ہے اور اطلاع کے لیے تار بھیج دیا گیا ہے، ڈاکیہ ڈاک کا تھیلا کھولتا ہے، اس میں اطلاع کے لیے تار کا خط نکالتا ہے۔ خواب میں ہی دیکھ رہا ہوں حضرت عبدالغفور صاحبؒ موٹر جیپ کے ذریعے ہم دونوں مولانا نواز اور مجھے ساتھ لے کر روانہ ہوتے ہیں۔ جب ہم دربار شریف پر پہنچتے ہیں، آپ کی نمازِ جنازہ پڑھ کر آپ کی تدفین کر دی گئی ہوتی ہے، آپ کو جب لحد میں اتارا جارہا تھا اور جس کیفیت میں آپ کا جسد رکھا جارہا تھا، سب مجھے خواب میں دکھایا گیا۔ اس خواب کے خوف سے آنکھ کھل گئی۔ صبح آٹھ بجے کے قریب ڈاک کے کمرہ میں صاحبزادہ عبدالحمیدؒ ابن حضرت عبدالغفورؒ جو کہ ڈاک کے نگران تھے، موجود تھے۔ میں نے پورا خواب انہیں تفصیل سے بیان کیا۔ صاحبزادہ عبدالحمید صاحبؒ نے میرے ساتھ مزاح شروع کردیا، کہنے لگے، اس کو دیکھو، ولی اللہ پیدا ہوگیا ہے۔ اسی دوران ڈاکیا کمرے میں داخل ہوا، سیل شدہ تھیلا کھولا تو اندر سے حضرت غلام محمد صاحبؒ کی وفات کی خبر کا تار نکلا۔ حضرت عبدالغفور صاحبؒ کو اطلاع دی گئی، آپ نہایت رنجیدہ ہوگئے اور کہنے لگے، ظہر

کے بعد سوہاگ شریف چلیں گے۔ ظہر کے بعد ہم دونوں بھائیوں کو ساتھ لے کر حضرت عبدالغفورؒ خانقاہ عالیہ سواگ شریف کے لیے روانہ ہوگئے، آپ کا ڈرائیور بہادر جیپ تیز چلاتا رہا مگر پھر بھی ہم عصر کی نماز کے بعد سوہاگ شریف پہنچے۔ حضرت خواجہ غلام محمدؒ کو حضرت خواجہ غلام حسنؒ کے قدموں میں دفن کر دیا گیا تھا۔ جس طرح میں نے خواب دیکھا تھا بعینہ اسی طرح ہوا۔

خواجہ غلام محمدؒ کے سوئم پر سجادگی کا مسئلہ:

• سوئم کے دن باہم خلفاء میں مشورہ ہوا کہ صاحبزادہ محمد حسن صاحب زید مجدہ کی بیعت کر کے انہیں سجادہ نشین نامزد کر دیا جائے یا جب تک صاحبزادہ صاحب بالغ نہ ہوں ان کی بیعت نہ کی جائے، طریقت میں نابالغ کی بیعت جائز نہیں ہوتی، کسی خلیفہ کو جانشین نامزد کر دیا جائے۔ اکثریت کی رائے یہ تھی کہ خود صاحبزادہ محمد حسن صاحب کی بیعت کر لی جائے اور ان کے ساتھ تعاون کے لیے پیر اکرم شاہ صاحب داڑہ شم لورالائی والے جو کہ خواجہ غلام محمد صاحبؒ کے پھوپھی کے بیٹے تھے، ان کو مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کا اعلان کر دیا گیا مگر چند خلفاء نے صاحبزادہ محمد حسن صاحب کی بیعت نہ کی، ان میں سے حضرت عبدالغفور صاحب دریا شریف والوں کے متعلق سنا تھا کہ وہ گولڑہ شریف بابو جی کے مرید ہو گئے تھے مگر خانقاہ حسنیہ سراجیہ سواگ شریف سے تعلقات بھی قائم رکھے۔

دوبارہ سواگ شریف آمد:

• چونکہ خواجہ غلام محمدؒ کا وصال اہل خانہ پر بہت بڑا صدمہ تھا، والدین کی طرف سے مجھے اور مولانا نواز کے لیے پیغام آیا کہ آپ یہاں سواگ شریف تعلیم حاصل کریں۔ چنانچہ ہم نے مرشد آباد چھوڑ دیا اور سواگ شریف رہنے لگے۔ ہماری تدریس کے لیے استاذیم غلام قمرالدین صاحب بھکروی کا انتظام کیا گیا تھا

مگران کے لیے چھوٹی چھوٹی کتابیں پڑھانا بھی مشکل تھا، میں قال اقول پڑھتا تھا، وہ فرماتے تھے، خود تقریر کرلو، آپ اس کی تقریر نہیں کر سکتے تھے۔ صاحبزادہ محمد حسن صاحب زید مجدہ پیر ہو جانے کی وجہ سے ہم سے دور ہو گئے، ان کے ساتھ ہماری بات چیت بھی مشکل ہو گئی تھی۔ دیگر صاحبزادگان ابھی بہت کم عمر بچے تھے، ہمارے لیے سوہاگ شریف رہنا مشکل ہو گیا تھا۔

ملتان میں تعلیم شروع کرنے کا ذکر:

• چنانچہ اسی سال ہم ملتان سورج میاں مدرسہ مخزن العلوم چلے گئے اور حضرت صاحب کے اہل خانہ اور ہمارے خاندان کے لوگ خصوصاً والدین اور ہمشیرگان ناراض ہو گئیں کہ انہوں نے سوہاگ شریف کیوں چھوڑا لیکن آج جب میں ماضی پر نظر دوڑاتا ہوں تو ہمیں اپنا فیصلہ صحیح لگتا ہے اور یہ حضرت خواجہ غلام حسنؒ کا روحانی تصرف تھا کہ ہم ملتان جیسے عظیم شہر میں جا پہنچے اور تعلیم کو جاری رکھا۔ ہمارے ساتھ پڑھنے والے بعض طلباء پیری مریدی کی قید کی وجہ سے سواگ شریف نہ چھوڑ سکے، ان میں سے کوئی بھی تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ رمضان درکھان کی طرح، وہ خانقاہ کا درویش ہو گیا یا گھر چلا گیا، ساری زندگی اپنا کام کرتا رہا، اسے آزادی کی زندگی بھی نصیب نہ ہوئی۔ خانقاہوں کے طلباء کو چاہیے کہ وہ طریقت کا طالب علم اور سالک بننے کی کوشش کرے یا پھر شریعت کا طالب علم ہونے کی کوشش کرے اور جس مدرسہ یا خانقاہ میں طریقت یا شریعت کی درسگاہ نہ ہو، وہاں رہنے میں زندگی کا ضیاع ہے، اس سے بہتر ہے کہ اپنے گھر رہ کر اپنے والدین اور بزرگوں کی خدمت کرے۔

مولانا عبدالکریم کا ذکر:

• حضرت خواجہ غلام حسنؒ کے دونوں شہزادگان حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ اور خواجہ غلام حسینؒ کی دینی تعلیم کے لیے شیخ الحدیث انوار العلوم حضرت مولانا

عبدالکریم صاحب بلوچ ڈی جی خان کو مقرر کیا گیا تھا، وہ حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ بھی تھے۔ مجھے ان کی زیارت اس وقت نصیب ہوئی تھی جب آپ عرس شریف پر تشریف لائے تھے اور آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔ دو آدمیوں نے آپ کو پکڑا ہوا تھا۔ میں اس وقت حضرت عبدالغفورؒ مرشد آباد والوں کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ نے دیکھتے ہی پڑھا ''تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ'' فرمانے لگے کاش اس شیر کو آپ نے جوانی میں دیکھا ہوتا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا میں نے حضرت عبدالغفورؒ کو عرس پر دیکھا آپ کو دو آدمیوں نے پکڑا ہوا تھا، مجھے آپ کی بات یاد آگئی اور میں نے پڑھا ''تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ''۔ مولانا عبدالکریم بلوچ خانقاہ شریف میں صاحبزادگان کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد قبلہ سیّد احمد سعید شاہ صاحب کاظمی صاحب کے مدرسہ انوار العلوم ملتان میں شیخ الحدیث رہے۔ انہوں نے فارسی میں ملفوظاتِ حسنیہ تحریر فرمائی تھی۔ مولانا عبدالکریمؒ کے بعد استاذیم الشیخ محمد موسیٰؒ تدریس فرماتے رہے۔ ہمارے داخلہ کے وقت خانقاہ شریف پر درس نظامی اور حفظ اور ناظرہ کے ایک سو سے زائد طلباء پڑھتے تھے مگر استاذیم محمد موسیٰؒ کے چلے جانے کے بعد تعلیم کا نظام صحیح نہ رہا۔

خواجہ غلام محمدؒ کی والدہ اور نانی کا ذکر:

● حضرت خواجہ غلام محمد صاحب رحمہ اللہ کی والدہ مخدومہ مائی بنائی زوجہ خواجہ فقیر محمدؒ اور ان کی امی مخدومہ مائی آمنہؒ خواجہ غلام محمد صاحب رحمہ اللہ کی نانی اور خواجہ فقیر محمدؒ کی ساس کا مزار مبارک ایک چھوٹے سے کمرہ میں آستانہ عالیہ سواگ شریف کے جنوب میں خاکی شاہ کے قبرستان میں موجود ہے۔ آج کل کمرہ اور مزارات کی نہایت خستہ حالت ہے۔ اس کمرہ کے اندر چمگادڑوں نے ڈیرے لگائے ہوئے ہیں حالانکہ اس کمرہ میں موجودہ صاحبزادگان کی سگی دادی

اور ان کے والد خواجہ غلام محمدؒ کی والدہ اور سگی نانی آسودہ خاک ہیں۔ مگر موجودہ شہزادوں کی اس طرف توجہ نہیں ہے، انہیں توجہ کرنی چاہیے۔ نہایت افسوس ہے کہ سوائے میرے خاندان کے چند لوگوں کے وہاں فاتحہ پڑھنے کے لیے بھی کوئی نہیں جاتا، مجھے بھی ایک عرصہ ہوگیا نہیں جاسکا۔ معلوم نہیں اب کیا صورت حال ہے۔

• الحمدللہ! حاجی محمد موسیٰ رحمہ اللہ کی بیٹی میرے والد کی پھوپھی مخدومہ مائی بنائی کے رشتہ کے بعد ہمارے خاندان کا دوسرا گھر آستانہ عالیہ سواگ شریف بن گیا تھا۔ شادی اور غمی میں شرکت روایت بن گئی جو کہ آج تک قائم ہے۔

میرے والد کی دستار بندی خواجہ غلام حسنؒ نے کی:

• اسی قرابت کی وجہ سے جب میرے والد سیدی غلام محمد صاحب رحمہ اللہ کی شادی ہوئی تھی، ان کے سر پر حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے دستار باندھی اور دعا فرمائی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

شادی کی رات کرامت کا ذکر:

• میرے والد صاحبؒ بیان فرماتے تھے، شادی کی رات حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ ہمارے مہمان تھے۔ جب لوگ سو گئے، دو آدمی چوری کے ارادے سے کہ آج کافی مال ملے گا، ہمارے مکان میں نقب لگانے لگے۔ اچانک انہیں ایک آدمی نے دھر لیا۔ وہ بھاگ گئے۔ دوبارہ اور سہ بارہ کوشش کی۔ اسی طرح ایک آدمی انہیں بھگا دیتا۔ جب صبح ہوئی حضرت خواجہ غلام حسنؒ نے حاجی محمد موسیٰؒ اور ان کے خاندان کو سارا واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا، میں نے آج رات چوروں کو آپ کے مکان سے بھگا دیا۔ بعد میں ان دونوں چوروں نے اس کا اعتراف کیا اور حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر توبہ کرلی۔

• یہ آپ کی کرامت تھی۔ چوروں نے آپؒ کا مثالی جسم دیکھا تھا کیونکہ حضرت

صاحب تو اپنے کمرہ میں بستر پر آرام فرما تھے۔ لیکن آپ نے روحانی تصرف سے مثالی جسم کے ساتھ چوروں سے حاجی محمد موسیٰؒ کے اموال کی حفاظت فرمائی۔

حاجی موسیٰؒ کے جنازے کا ذکر:

• حاجی محمد موسیٰ صاحبؒ میرے جدّ اعلیٰ اور جناب محمد فاضل میرے جدّ حقیقی کا جنازہ خود حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا اور آستانہ عالیہ سواگ شریف موجودہ گنبدِ بیضاء کے جنوب دیوار کے ساتھ انہیں دفن کیا گیا اور ہماری سگی دادی بھی جس نے حضرت خواجہ غلام محمدؒ اور حضرت خواجہ غلام حسینؒ کی تربیت کی تھی، ان کا جنازہ حضرت خواجہ غلام محمدؒ نے پڑھایا تھا اور ان کی تدفین بھی حاجی محمد موسیٰؒ کے ساتھ ہوئی اور میرے حقیقی دادا محمد فاضلؒ کی آخری آرامگاہ بھی اپنے والد حاجی محمد موسیٰ صاحبؒ کے ساتھ ہے۔

اپنی تاریخِ پیدائش کا ذکر:

• والدہ صاحبہؒ کے بیان کے مطابق میری تاریخ پیدائش تقریباً ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۶۹ ہجری مطابق یکم جولائی ۱۹۵۰ عیسوی بنتی ہے۔ رفیق الغافلین میں درج تاریخ اور اس تاریخ میں ایک سال کا فرق اس لیے ہے کہ یقینی طور پر تاریخِ پیدائش کا علم نہیں ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

تعلیم کے لیے سواگ شریف روانگی:

• لہٰذا ۹ یا ۱۰ سال کی عمر ۱۹۵۹ء/ ۱۹۶۰ء میں حضرت خواجہ غلام محمدؒ مجھے اور میرے چچا زاد بھائی مولانا محمد نواز کو خانقاہ عالیہ سواگ شریف لے آئے۔ دراصل قصہ یہ ہوا کہ میرے والد صاحب نہایت دین دار آدمی تھے۔ آپ نے مجھے اور میرے کزن مولانا محمد نواز کو بھکر شمالی عید گاہ دیوبندیوں کے مدرسہ میں داخل کرایا۔ آپ واپس آ گئے، ہمیں کریما اور نام حق شروع کرا دیا گیا اور ایک آدمی کو ہمارے ساتھ لگا دیا جو ہر وقت دیوبندی عقیدہ کی ترغیب اور تعلیم دیتا تھا۔

ایک دن کہنے لگا جب سرورِ دو عالم ﷺ خود فرماتے ''لا ادری ما یفعل بی و لا بکم'' (القرآن) پھر یہ مشرک بریلوی کیوں کہتے ہیں حضور علیہ السلام غیب جانتے تھے۔ ہم دونوں نہایت پریشان تھے، روتے روتے کتابوں کے اوراق گیلے ہو جاتے تھے۔ ہفتہ بعد مولانا محمد نواز کے والد لینے آئے ہم سارا قصہ سنایا اور عید گاہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ ہمارے والدین سے فرمایا، آپ یہ دو بچے ہمیں دے دیں، ہم ان کو دین پڑھائیں گے۔ بحمدہ تعالیٰ ان کی کرم نوازی ہمیں علم دین حاصل کرنے کا راستہ دکھایا۔ ان کے اس احسان کا شکریہ تاحیات ادا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے خاندان میں صدیوں سے کوئی آدمی عالم نہیں ہو سکا تھا لیکن قبلہ خواجہ غلام محمد صاحبؒ کی کرم نوازی سے اللہ تعالیٰ نے مجھے علم حاصل کرنے کی توفیق فرمائی۔

گاؤں میں مدرسہ:

• آج ہمارے گاؤں حافظ آباد میں ہمارے خاندان اور علاقہ کے ہر خاندان میں متعدد علماء اور حفاظ پیدا ہو چکے ہیں۔ ہم نے دو مدرسے قائم کیے، ایک مدرسہ کراچی میں ہے اور دوسرا مدرسہ اپنے شہر حافظ آباد میں ہے۔ دونوں مدرسوں میں اپنے علاقہ کے بچے اور خاندان کے بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور بیسیوں کی تعداد میں علماء اور حفاظ فارغ ہو کر دین کا کام کر رہے ہیں۔

خواجہ غلام محمدؒ کی استاذوں کو سفارش:

• مجھے اچھی طرح یاد ہے خانقاہ شریف پڑھنے کے لیے ہم مولانا نواز کے دادا غلام رسول اور مولانا محمد نواز کی دادی کے ساتھ پہنچے تھے۔ حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ نے استاذیم شیخ محمد موسیٰ صاحب کو نمازیوں کے سامنے تنبیہ ان الفاظ کے ساتھ فرمائی ''مولوی صاحب! یہ لڑکے میرے ملویروں کے بیٹے ہیں، ان کو پڑھانا ہے۔'' استاذوں نے عرض کیا، جی ان شاء اللہ۔ میں کہتا ہوں آج کوئی پیر

ایسے الفاظ ہم جیسے دیہاتی شکل وصورت کے بچوں کے لیے نہیں کہے گا، یہ ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

قیومِ زماں حضرت خواجہ غلام حسنؒ اور نہی عن المنکر کا ایک واقعہ:

• ہمارے علاقہ ڈھپی مکوڑی ضلع لیّہ کا بہت بڑا جاگیردار غلام رسول سیہڑ المعروف غلاموں خان حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہو گیا تھا اور اس نے حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ کو موضع ڈھپی مکوڑی کے قریب غالباً پچیس ایکڑ زمین ہدیہ کی تھی۔ حضرت صاحب اپنے آبائی گاؤں گرہ سوہاگ سے اسی زمین پر منتقل ہو گئے تھے۔ آپ نے اسی جگہ خانقاہ، مسجد اور رہائشی کمرے بنوا لیے تھے۔ یہ آستانہ عالیہ روحانی تعلیم و تربیت کا مرکز بنا دیا تھا۔ ابھی حضرت کی تھل کی آبائی موروثی زمین نہر نہ ہونے کی وجہ سے آباد نہیں ہوئی تھی۔

• میرے سسر شیخ عبدالرحیم صاحب جو کہ وفات پا چکے ہیں اور ان کے بھائی شیخ ممتاز احمد صاحب جو کہ زندہ ہیں اور میری اہلیہ کی پھوپھی مسمات ہاتو مائی ابھی زندہ ہیں۔ سب کا یہ بیان میں نے اور لوگوں نے اپنے کانوں سے سنا کہ غلاموں خان نے اپنے خاندان کے کسی نوجوان کی شادی میں اپنی جاگیردارانہ طبیعت کے مطابق رقص اور سرود کے لیے باہر سے ناچنے اور گانے والی لڑکیاں اور فنکارہ خواتین بلوائیں۔ شادی کی راتوں میں ساری ساری رات ان کے رقص اور سرود سے حاضرین محظوظ ہوتے رہے۔ خود حضرت خواجہ غلام حسنؒ بھی مدعوین میں سے تھے لیکن آپ تشریف نہ لے گئے، آخر ایک دن شادی کی تقریبات ختم ہو گئیں۔

ایک دن غلاموں خان حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ آپ ہماری دعوت پر شادی میں شریک نہیں ہوئے، آپ نے اچھا نہیں کیا۔

حضرت صاحبؒ نے فرمایا، خان صاحب! تم لوگوں نے شریعت کی خلاف ورزی کی، رقص و سرود کے لیے غیر محرم لڑکیوں کو نچوا کر سارے لوگوں کو گنہگار کیا۔ جس کا سارا وبال آپ پر ہو گا۔ آپؒ نے خان کو عتاب فرماتے ہوئے فرما دیا، تم دوسرے مسلمانوں کی لڑکیوں کو نچواتے رہے جو کہ وہ بھی مسلمانوں کی بیٹیاں تھیں، آپ اپنی بیٹیوں اور خان زادیوں کو لوگوں کے سامنے نچواتے تو تمہیں احساس ہوتا کہ دوسروں کی لڑکیاں نچوانا کیسا ہوتا ہے۔ جب اپنی بیٹیوں کے لیے تمہاری غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتی تو دوسروں کی بیٹیوں کے لیے تمہاری غیرت کہاں چلی گئی تھی؟ اس نصیحت سے غلاموں خان بھڑک اٹھا اور کہنے لگا، میں نے تمہارے اوپر احسان کیا تھا اور ایک مربع زمین مفت دے دی تھی مگر تم ہمارے احسان مند ہو کر ہماری بیٹیوں کا نام لیتے ہو۔ میں تم سے اس کا بدلہ لے کر مزہ چکھا دوں گا۔ ناراض ہو کر گھر چلا گیا۔

- ایک دن حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر مرشد کی زیارت کے ارادے سے خانقاہ موسیٰ زئی شریف کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر گھر سے ایک خادم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ راستہ کے میدانی علاقہ کی جھاڑیوں اور سرکنڈوں کے جھنڈوں میں غلاموں خان اور اس کے ساتھ تین چار نوکر چھپ کر آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپؒ کو گھوڑے سے اتار لیا اور آپ کو دھکے دیے اور بدکلامی کی۔ اس اضطراب اور پریشانی کے عالم میں حضرت صاحب کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے: ''اَوتُرا ہو ویں'' میں نے تو تجھے شریعت پر عمل کرنے کی نصیحت کی تھی۔ خان نے بدتمیزی کے بعد آپ کو چھوڑ دیا اور واپسی گھر پہنچا تو اس کے چار بیٹے اچانک فوت ہو گئے اور وہ نرینہ اولاد سے اَوتُرا ہو گیا۔ سرائیکی زبان میں اوترا اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی نرینہ اولاد نہ ہو چنانچہ وہ شخص نرینہ اولاد سے بے اولاد ہو کر فوت ہوا۔

اسی لیے کہا گیا:

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود ـــــ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

• اس واقعہ سے حضرت صاحبؒ کا شریعت کی پابندی کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہونا واضح ہوتا ہے ورنہ غلاموں خان جو بادشاہوں کی طرح سیاہ اور سفید کا مالک تھا، اس نے حضرت صاحبؒ کو عظیم قطعہ زمین بھی ہدیہ کیا تھا مگر حضرت صاحبؒ نے اس کی پروانہ کی اور مصلحت یا مداہنت کو نظر انداز کرتے ہوئے اُسے شریعت پر عمل کرنے کی سختی سے نصیحت فرمائی۔

برفیلے پانی میں بھی گھٹنے ننگے نہ کیے:

• یہ تو مشہور ہے حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ سخت سردیوں میں بھی جب گہرے ٹھنڈے پانی سے گزرتے تھے چادر مبارک اپنے گھٹنوں سے اوپر نہیں فرماتے تھے کیونکہ گھٹنے بھی ستر ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا، کپڑے اوپر فرما لیا کریں، گیلے ہو جانے کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: گھٹنے اور ان سے اوپر جسم ننگا کرنا حرام ہے اور گناہ ہے۔ کپڑے تو خشک ہو جائیں گے مگر گناہوں کو اٹھانا مشکل ہوگا۔ در حقیقت ولی اللہ کی نشانی یہ ہے کہ وہ بال برابر بھی شریعت کی خلاف ورزی نہ کرے۔ اسی لیے آپؒ نے کبھی بھی خلافِ سنت کام نہیں کیا تھا۔

صاحبِ مزار کی تعظیم:

• قبلہ والد صاحب رحمہ اللہ بیان فرماتے تھے حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ کی عادت مبارکہ تھی جب کچہ (نشیبی علاقہ) کی خانقاہ سے تھل اپنی آبائی زمینوں کے لیے یا اسٹیشن پر جانے کے لیے کروڑ لعل عیسن کے شہر سے گزرتے تو صاحب مزار حضرت لعل حسین رحمہ اللہ کی مزار مبارک سے تقریباً ایک کلو میٹر پہلے گھوڑے سے اتر جاتے اور مزار پر فاتحہ پڑھ لینے کے بعد ایک

کلو میٹر تک پیدل چلتے رہتے اور پھر سوار ہوتے تھے۔

• عموماً جب آپؒ تشبیبی خانقاہ سے روانہ ہوتے تو آپؒ کے بعض مریدین اور خلفاء بھی ساتھ ہوتے۔ ایک مرتبہ آپ کے خلیفہ حضرت عبدالغفور صاحبؒ کیمل پور شریف والے بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے رفقاء کو بتایا کہ میں نے دیکھا حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ سواری سے اس لیے اترے کہ آپ کے استقبال کے لیے صاحبِ مزار تشریف لے آئے اور پھر الوداع کے لیے ایک کلو میٹر آپؒ کے ساتھ چلتے رہے۔ حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کلو میٹر مزار سے پہلے اور ایک کلو میٹر بعد سواری چھوڑ دینا اور پیدل چلنے میں یہ راز تھا۔ چنانچہ اس راز کے افشاء پر صاحب مزار حضرت لعل حسینؒ نے خواجہ غلام حسنؒ کو فرمایا، آپ کے ساتھ باطنی آنکھوں والے لوگ بھی ہوتے ہیں اس لیے آئندہ استقبال اور الوداع کے لیے آپ کے ساتھ چلنے سے معذرت کرتا ہوں۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد خواجہ غلام حسنؒ سواری سے نہیں اترتے تھے۔ مزار کے قریب اترتے اور فاتحہ پڑھ کر پھر سوار ہو جاتے تھے۔

بیماری سے شفاء:

• حضرت حافظ غلام حسین گھلو آف سڑہ گرہ ڈی آئی خان رحمہ اللہ میرے والد کے مخلص دوست اور پیر بھائی تھے۔ میں انہیں بچپن سے چچا غلام حسین کے نام سے ذکر کرتا رہا ہوں۔ انہوں نے حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ سے لطائفِ سبعہ سے لطائفِ اربعہ تک کے اسباق لیے تھے کہ حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔

پیر مار و سے درس نہ لیا:

• آپؒ بیان کرتے تھے کہ مجھے پیر بارو رحمہ اللہ نے فرمایا: باقی لطائف مجھ سے یا کسی دوسرے خلیفہ سے مکمل کر لو لیکن میں نے عرض کیا، مجھے حضرت خواجہ

غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کسی دوسرے سے اسباق لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ حافظ صاحب صاحبِ کشف بھی تھے۔ چچا غلام حسین گھلو اپنے گاؤں سے سواگ شریف جانے کے لیے دریائے سندھ کشتی کے ذریعہ پار کرتے تھے۔ سواگ شریف ان کے جانے کا راستہ ہمارے گاؤں حافظ آباد سے گزرتا تھا۔ میں طالب علمی کے زمانہ میں جب چھٹیوں میں گھر آتا اور چچا غلام حسینؒ صاحب کو میرے آنے کا علم ہو جاتا تو تقریباً بتیس کلومیٹر فاصلہ سے ہمارے پاس تشریف لے آتے۔ باہمی باتیں ہوتیں اور حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتوں اور عجائب کا ذکر ہوتا رہتا۔ حافظ صاحب کثرت سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے اور ذکر کے لیے نقشبندیہ سلسلہ کے اوراد کے لیے موٹے دانے والی تسبیح بھی گھماتے رہتے تھے۔ آپ ہمیشہ تہجد کے نوافل پڑھا کرتے اور فرماتے، مجھے تعجب ہوتا ہے کہ لوگ عالم ہو کر بھی تہجد کی نماز نہیں پڑھتے۔

زیر ناف غدودوں سے شفا:

• انہوں نے ایک دن بیان فرمایا کہ مجھے زیر ناف ایسے غدود نکل آئے اور خصتین میں ورم ہو گیا جن کی وجہ سے حکیموں نے کہا: ان غدودوں کی وجہ سے تم شادی کے قابل نہیں رہو گے، تمہاری قوتِ رجولیت ختم ہو جائے گی اور ان کا علاج مشکل ہے۔ فرمانے لگے، میں شدید پریشانی کی کیفیت میں حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے پاس حاضر ہوا۔ میں نے اپنی تکلیف اور حکیموں کی رائے کا ذکر کیا۔ حضرت صاحبؒ نے فرمایا، ملتان میں ایک حاذق حکیم ہمارا مرید رہتا ہے، ان کے پاس چلے جاؤ اور ان سے علاج کراؤ۔ ان شاءاللہ شفاء ہو گی۔ چچا غلام حسین گھلوؒ بیان فرماتے تھے، اس جواب سے مجھے نہایت صدمہ پہنچا۔ میں تو حضرت سے ہی دعا کرانے کے ارادے سے آیا تھا مگر انہوں نے دوسرے کا راستہ بتا دیا۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں مجلس سے بغیر

اجازت کھڑا ہو گیا اور گھر کے لیے روانہ ہو گیا اور جذبات میں میری زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے ''ہُواں تیڈا اور ونجاں حکیم دو'' یعنی آپ کا خادم ہو کر پھر حکیم کے پاس کیوں جاؤں۔ یہ الفاظ مسلسل کہتے ہوئے اور آنسو بہاتے ہوئے واپس روانہ ہو گیا۔ دو تین فرلانگ دور جا چکا تھا، آپؒ کا خادم دوڑتا ہوا آیا اور کہا: صوفی! حضرت صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ میں واپس پہنچا۔ حضرت صاحبؒ نے اپنے خادموں سے فرمایا، فلاں فلاں درخت کے پتے لے آؤ اور انہیں پیس کر حافظ غلام حسین کو کھلاؤ ان شاءاللہ شفاء ہو گی۔ چنانچہ وہاں موجود درختوں کے چند پتوں کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء عطا فرمائی۔ اولیاء کرام کرامتوں کو چھپانے کے لیے ظاہری اسباب کا سہارا لیتے ہیں اگرچہ شفاء آپؒ کی توجہ سے ہوئی تھی مگر درختوں کے پتے کھانے کا بہانہ بنایا۔

اولیاءاللہ قبروں میں زندہ ہوتے ہیں:

• اُسی چچا غلام حسینؒ نے مجھے خود بیان فرمایا کہ ہماری بستی سڑہ گرہ میں بلوچوں کی مسجد کا امام قاضی غلام نبی دیوبندی مجھے آستانہ عالیہ سواگ اپنے پیر و مرشد خواجہ غلام حسنؒ کی مزار کی زیارت کے لیے جانے سے ہر بار منع کرتا تھا اور مزارات کے لیے سفر کو اور زیارت کو ناجائز کہتا تھا۔ فرمانے لگے، ایک دن اس نے مجھے بہت پریشان کیا۔ کہنے لگا، مزارات میں کچھ نہیں ہوتا۔ میت مٹی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ آپ کا سواگ شریف جانا پیسے اور وقت کا ضیاع ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے، مت جایا کرو۔ فرمانے لگے، وہ قرآن اور احادیث کا حوالہ بھی دیتا تھا۔ اس دن مجھے بہت غصہ آیا۔ اس کی باتوں کا جواب تو میں نہیں دے سکتا تھا کیونکہ عالم نہیں تھا مگر میں گھر سے پیدل سوہاگ شریف کے لیے روانہ ہو گیا۔ دوسرے دن سیدھا مزار پر پہنچ کر میں نے نم آنسو سے جذبات میں عرض کیا☆ حضرت صاحب! ہم آپ کی بیعت ہوئے تھے اور ذکر سیکھا تھا۔ آپ کا

وصال ہو گیا۔ قاضی غلام نبی قرآن اور احادیث کے حوالہ سے کہتا ہے، مزارات میں آدمی نہیں ہوتا، صاحبِ مزار مرنے کے بعد مٹی اور خاک ہو جاتا ہے۔ حضرت جی! اگر آپ مزار میں زندہ ہیں تو مجھے زیارت کرائیں ورنہ میں آئندہ آپ کے مزار پر نہیں آؤں گا۔ حافظ غلام حسینؒ مرحوم فرماتے تھے، یہ الفاظ کہتے ہی حضرت صاحب اپنے مزار مبارک سے باہر تشریف لے آئے۔ زندگی والا وہی لباس بلو کلر کی دھوتی اور دستار مبارک کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ مجھے گلے سے لگایا اور فرمایا: غلام حسین! اللہ تعالیٰ کے سارے ولی زندہ ہوتے ہیں مگر انہیں ظاہر ہونے کا حکم نہیں ہوتا۔ مجھے اس لیے اجازت ملی تاکہ آپ کا عقیدہ قاضی غلام نبی کی باتوں سے خراب نہ ہو جائے۔ حافظ غلام حسین فرماتے تھے، میں نے قاضی غلام نبی کو سارا واقعہ سنایا۔ اس نے تو انکار کر دیا مگر میرا ایمان مضبوط ہو گیا اور میں نے مزارات پر جانے کو ترک نہ کیا اور کبھی قاضی کی باتوں میں نہ آیا۔

عجیب کشف:

• حافظ جی نے بیان فرمایا، میں اپنے محلہ کی مسجد میں قرآن مجید تلاوت کر رہا تھا اچانک پورا محلہ میرے لیے منکشف ہو گیا۔ برادری کے ایک آدمی کو کمرہ میں ایک خاتون کے ساتھ برائی میں مشغول دیکھا۔ میں غصہ سے اٹھا، ڈنڈا لے کر اس کمرہ پر پہنچا تو اندر سے کمرہ بند تھا۔ جب کھلوایا تو اسی طرح پایا جیسے دیکھا تھا۔ میں نے انہیں برا بھلا کہا اور نصیحت کی اور چھوڑ دیا۔

یہ حضرت صاحب کے ادنیٰ غلاموں اور مریدوں کا حال تھا، معلوم نہیں آپ کا کیا مقام ہو گا۔

اصحابِ مزارات کے ساتھ مکالمہ:

• حافظ جی اصحابِ مزارات سے باتیں بھی کرتے تھے۔ آپ سڑہ گرہ بستی سے

بالائی علاقہ میں ایک خاتون کی مزار پر جایا کرتے، وہ شہیدہ مشہور تھیں، ان کی زیارت کو جاتے اور باہم گفتگو کرتے اور واپسی پر سامعین کو بتایا کرتے۔

مراقبہ میں انوار کی بارش:

• حضرت حافظ غلام حسینؒ مجھے فرمایا کرتے، بھتیجا! آپ نے خواجہ غلام محمدؒ کا دور دیکھا ہے، کاش قیومِ زماں خواجہ غلام حسنؒ کے دور میں آپ ہوتے تو آپ حیران ہوتے۔ روزانہ زائرین حضرتؒ کے ساتھ نمازِ فجر کے بعد جب مراقبہ سے اٹھتے، حضرت صاحب کا معمول تھا روزانہ نمازِ فجر کے بعد اشراق کے وقت تک مراقبہ فرماتے اور زائرین میں سے سالکین بھی مراقبہ میں بیٹھتے۔ اس کی کیفیت یہ ہوتی چوکڑی بیٹھ کر یا گھٹنوں کو کھڑا رکھ کر سر نیچے کر کے آنکھیں بند کر دی جاتیں اور یہ تصور کیا جاتا کہ شیخ کے دل سے میرے دل پر انوار کی بارش ہو رہی ہے۔ بعض منتہی سالکین کا یہ تصور سرورِ دو عالم ﷺ تک ہوتا۔ اسی حالت میں نیند اور غنودگی طاری ہو جاتی اور حسب مراتب لوگوں کو مشائخ کی زیارتیں ہوتیں اور مشائخ روحانی توجہ فرماتے جس سے سالکین کے دلوں کو راحت پہنچتی۔ مراقبہ سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں نے جو کچھ مراقبہ میں دیکھا ہوتا وہ بیان کرتے۔ کوئی کہتا مجھے سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت ہوئی ہے، کوئی کہتا مجھے حضور غوث پاکؒ کی زیارت ہوئی ہے۔ حافظ جی بھی سالک تھے اور مراقبہ میں بیٹھا کرتے تھے۔ فرماتے تھے ایسا لگتا تھا جیسے انوار کی بارش ہو رہی ہے۔

حافظ غلام حسین گھلو اور احمد بخش گھلو دونوں میرے والد صاحب اور چچا کے پیر بھائی اور دوست تھے۔ حتیٰ کہ شادی اور غمی میں مشارکت بھی ہوتی تھی۔ سب اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

رمضان درویش کے مشاہدات:

• میں جب آٹھ نو سال کی عمر میں خانقاہ عالیہ سوہاگ شریف حضرت استاذیم شیخ محمد موسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ سے گلستان اور بوستان پڑھا کرتا تھا۔ خواجہ غلام محمدؒ کے دو بیلوں کے پانی چارہ کی ڈیوٹی بھی ہمارے ذمہ لگادی گئی تھی۔ مولوی محمد نواز صاحب اور میں دونوں صبح صبح کھیت سے گوارا کاٹ کرلے آتے اور ٹوکہ مشین پر اس کو چورا کرتے اور کاٹتے اور ان بیلوں کو چارہ ڈالتے، پانی پلاتے اور روٹی اور سالن کے لیے لنگر میں استعمال ہونے والے برتن صاف کرتے۔ ایک مرتبہ روٹی تقسیم کرنے والا لانگری ناراض ہوکر ڈانٹنے لگا کہ تم کام صحیح نہیں کرتے۔ میں نے عرض کیا، سارا کام تو ہم ہی کرتے ہیں اب آپ کے گھر کے برتن بھی ہم صاف کریں۔ ان الفاظ سے وہ بھڑک اٹھا، مجھے لاتوں اور مکوں سے خوب مارا مگر میں کیا کرتا صبر کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ شخص خود بیان کرتا تھا، میں پچاس عورتوں کے ساتھ زنا کرتا رہا آخر اللہ کی توفیق سے توبہ کرلی اور ارادہ کیا باقی زندگی سواگ شریف گزاروں گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے۔ میری یہ بھی ڈیوٹی ہوتی کہ اشراق سے پہلے خواجہ غلام محمدؒ کے تسبیح خانہ کی صفائی کرتا۔ حضرت صاحب اشراق سے فارغ ہوکر تسبیح خانہ آجاتے۔ ایاایام میں نورپور تھل کے قریب رہنے والا ایک درویش محمد رمضان بھی دربار شریف کا خادم تھا۔ نوجوان آدمی تھا۔ اس کی شادی بھی خواجہ غلام محمدؒ نے ایک خادمہ کے ساتھ کرائی تھی۔ درویش محمد رمضان نے حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی تھی اور ان کے زمانے سے دربار شریف پر خدمت کرتا آرہا تھا۔ وہ کہتا تھا، ہم درویش اور حضرت عبداللہ المعروف پیر بارو رحمہ اللہ اکٹھے کام کیا کرتے تھے۔ جب خانقاہ عالیہ سوہاگ شریف میں زائرین کے لیے حجرے بنائے گئے۔ ہم سارے درویشی کام کرتے تھے۔ پیر بارو رحمہ اللہ ہمارے ساتھ

گارے کی طغاریاں اٹھایا کرتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے ہم سب روحانیت میں برابر ہیں، صرف پیر بارو ہم سے عمر میں بڑے ہیں۔ وہ بیان کرتے تھے ایک دن حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ اپنے درویشوں میں کھڑے گفتگو فرمارہے تھے، اسی دوران پیر چھتر گاؤں سے ایک سیّد صاحب تشریف لائے۔ سلام دعا کے بعد شاہ صاحب فرمانے لگے، حضرت صاحب! آپ میرے اوپر بھی ایسا کرم فرمائیں جیسے آپ نے درویش محمد عبداللہ المعروف پیر بارو پر کیا ہے۔ حضرت صاحب نے جواب دیا، شاہ صاحب! سب کچھ تو آپ کا دیا ہوا ہے، ہم تو سادات کے خادم ہیں۔ جناب محمد رمضان بیان کرتے تھے، اس دن ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت پیر بارو کا مقام اور مرتبہ بہت بلند ہے۔

سلبِ شہوت کا واقعہ:

• اُسی محمد رمضان نے بیان کیا، میرے ایک بھائی کے اپنے شہر میں پڑوسی کی بیوی کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ میں اسے منع کرتا تھا مگر میرا بھائی باز نہیں آتا تھا۔ میں نے حضرت صاحب کے لانگری (طعام تقسیم کرنے والے) محمد جلال صاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا، میرے بھائی کے پڑوسی کی اہلیہ کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں اور باز نہیں آتا، اگر پڑوسیوں کو علم ہو گیا تو بہت بڑا جھگڑا ہو جائے گا۔ آپ دعا فرمائیں۔ محمد جلال لانگری صاحب نے کہا، کسی طرح بھائی کو یہاں خانقاہ پر میرے پاس لے آؤ۔ میں ایک دفعہ اسی بھائی کو خانقاہ شریف لے آیا۔ جب ہم محمد جلال لانگری صاحب رحمہ اللہ کے کمرے میں داخل ہوئے، سردیوں کی وجہ سے اندر چولہا جل رہا تھا اور آگ کے دھویں سے کمرہ بھرا ہوا تھا، کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ میں نے عرض کیا، حضرت! یہ میرا بھائی ہے جس کا میں نے آپ سے ذکر کیا تھا۔ آپؒ اُٹھے اور میرے بھائی کو گلے سے لگا کر تھوڑی دیر دبائے رکھا پھر چھوڑ دیا۔ محمد رمضان بیان کرتا تھا کہ مجھے بھائی نے بتایا کہ محمد

جلال لانگری صاحبؒ نے گلے لگا کر میری قوۃ رجولیت سلب کرلی ہے۔اب مجھے پڑوسی کی بیوی پر قدرت نہیں ہوتی، میں نے ناجائز تعلقات ختم کردیے ہیں جبکہ مجھے اپنی بیوی کے لیے کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ روایت ہے یہی محمد جلال لانگری اپنے گھر گئے جو کہ پیلاں کے قریب تھا، وہیں فوت ہوگئے اور وہیں دفن کردیے گئے۔ کئی مہینے گزر گئے، حضرت صاحب نے حکم فرمایا کہ جلال لانگری کو نکال کر خانقاہ شریف لایا جائے چنانچہ جب انہیں غالباً چھ ماہ بعد نکالا گیا تو ان کا جسم محفوظ تھا،ایسا لگتا تھا کہ محمد جلال کو آج دفن کیا گیا تھا۔

یہ تو حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ کے خادم محمد جلال لانگری صاحبؒ کا حال اور کمال تھا، جس کو صوفیاء کی زبان میں سلبِ احوال اور سلبِ امراض کہتے ہیں۔خود خواجہ غلام حسنؒ معلوم نہیں کتنے باکمال ہوں گے۔

گائے کا عجیب واقعہ:

• درویش محمد رمضان ہمیں بیان کرتے تھے،ایک دفعہ دریائے سندھ میں سخت سیلاب آیا۔ حضرت صاحبؒ کچے کی خانقاہ ڈھپی مکوڑی میں مقیم تھے۔ دریائے سندھ کی طغیانی کی وجہ سے دریا عبور کرنا موت کو دعوت دینا ہوتا تھا، تیز بہاؤ کے ساتھ دریائے سندھ کی گرجتی چمکتی لہروں کے ساتھ چوڑائی میلوں میں پھیلی ہوئی تھی، تیز بہاؤ کی وجہ سے کشتی یا سنداری (ہوائی ٹوپ) کے ذریعے سے بھی دریا کو عبور نہیں کیا جاسکتا تھا اور اتفاق سے حضرت صاحبؒ کا مال مویشی چَرانے والا درویش اور جانور دریا کے پار رہ گئے تھے۔ درویش آپ کی بھینسوں اور دوسرے جانوروں کا چرواہا تھا، اس کے کھانے کی فکر ہوئی۔ لوگوں نے عرض کیا، حضرت! اس چرواہے کو کھانا بھیجنا نہایت خطرناک ہے، آدمی نہیں جاسکتا۔ اس وقت آپ کے آستانہ پر صرف چھوٹے بچھڑے والی ایک گائے موجود تھی۔ باقی مویشی دریا کے پار تھے۔جب لوگوں نے چرواہے درویش کے کھانا پہنچانے

سے مایوسی کا اظہار کیا تو حضرت صاحب نے فرمایا: ایک برتن میں سالن اور کپڑے میں روٹی اکٹھے باندھ کر لے آؤ۔ آپؒ نے کھانے کا کپڑا اس حاضر گائے کے ایک سینگ کے ساتھ باندھ دیا اور گائے کے کان کو پکڑ کر فرمایا: جاؤ یہ کھانا دریا کے پار میرے درویش چرواہے کو پہنچا کے برتن واپس لے آنا۔ محمد رمضان حلفیہ بیان کرتے تھے، اس گائے کی رسی جب نکالی گئی، اس نے پانی میں جمپ لگایا اور کھانے والے سینگ کو اوپر اٹھا کر سناٹے مارتی ہوئی دریا میں تیرتی ہوئی غائب ہوگئی۔ جب شام ہوئی تو وہ گائے سینگ سے بندھے خالی برتن لے کر واپس آگئی۔ گائے سیدھی چرواہے درویش کے پاس جاتی وہ کھانا کھول کر کھالیتا اور خالی برتن اسی کپڑے میں باندھ کر اسی گائے کے سینگ کے ساتھ باندھ دیتا۔ گائے شام کو واپس آجاتی۔ محمد رمضان صاحب کہتے تھے، جب تک سیلاب ختم نہیں ہوا اس وقت تک یہی معمول رہا اور یہ حضرت صاحبؒ کی ظاہری کرامت تھی، اسی لیے فرمایا گیا:

"مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ"

(جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہوگیا، اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے)۔

توجہ سے حالت بدلنا:

• یہی محمد رمضان بیان کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت صاحب غالباً کروڑ لعل عیسن سے واپس گھر جارہے تھے، ہم لوگ آپ کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ اچانک راستہ میں دوسری طرف سے ایک سِکھ خوبصورت داڑھی اور شکل کے ساتھ آرہا تھا۔ جب حضرت صاحب کے قریب سے اس نے کراس کیا حضرت صاحب نے اسے ایک نظر دیکھا اور گھوڑے کو روک لیا اور دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھا لیے۔ آپ نے ابھی دعا ختم نہیں کی تھی، وہ سِکھ تھوڑی دور جاکر رک گیا، پھر واپس لوٹا اور حضرت صاحب سے عرض کیا، مولوی صاحب میں سِکھ

ہوں، آپ مجھے کلمہ پڑھائیں اور اسلام میں داخل فرمالیں۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اسے کلمہ پڑھایا اور مسلمانوں میں داخل فرمایا۔

حسو فقیر کا قصہ:

• میرے والد کے دوست جناب غلام حسن المعروف حسو فقیر صاحبؒ جب ہمارے گھر مہمان ہوتے تھے، میں ان کی خدمت کرتا تھا۔ وہ بالکل ان پڑھ تھے چنانچہ ایک مرتبہ ہمارے ہاں احتلام کی وجہ سے ان پر غسل فرض ہو گیا۔ رات کے ایک حصہ میں مجھے آہستہ سے جگایا اور اشاروں سے فرمایا کہ میرے ساتھ کنویں پر چلو۔ وہ بات نہیں کر رہے تھے کیونکہ ہمارے ان پڑھ لوگوں میں مشہور تھا کہ جنابت کا غسل واجب ہو جائے تو وہ آدمی نجس ہو جاتا ہے، وہ کسی کے ساتھ بات نہیں کر سکتا۔ سردیوں میں آبادی سے دور کنویں پر پہنچے۔ میں نے گادھی (وہ تختہ جو بیلوں کے پیچھے بندھا ہوتا ہے) اس کو چلایا۔ فقیر صاحب نے غسل کیا اور مجھے کہنے لگا، یہاں تو بکری کی مینگنیاں نہیں ملیں گی، سنا ہے جب تک سات مینگنیاں غسل کے بعد سر سے نہ گھمائی جائیں آدمی پاک نہیں ہوتا۔ میں نے کہا، نہیں، یہ ضروری نہیں ہوتا۔ یہ بیان کرنے کا مقصد یہ تھا، اتنے ان پڑھ اور جنگلی آدمی کو بھی حضرت صاحب نے سونا بنا دیا۔ وہ اپنا قصہ خود بیان کرتے تھے کہ موقع کہیری ڈی آئی خان دریائے سندھ کے کنارے میری جھونپڑی تھی اور میں بکریاں چراتا تھا۔ وہیں قریب کشتی کا پتن گھاٹ تھا۔ لوگ کشتیوں کے ذریعہ دریا کے آر پار آتے جاتے تھے۔ ایک دن میں نے دیکھا مختلف ٹولیوں میں لوگ دریا سندھ پار کر کے کہیں جا رہے ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا، آپ لوگ کہاں جا رہے ہو۔ انہوں نے کہا، پیر سواگ کے آستانہ پر بارہ ربیع الاول کے دن سرور دو عالم ﷺ کا عرس مبارک ہوتا ہے، ہم وہاں جا رہے ہیں۔ اگر آپ نے ہمارے ساتھ چلنا ہے تو چلو۔ میں نے بکریوں سے ایک بکری کا چھوٹا بچہ جس کا

وزن پانچ چھ کلو ہو گا، اسے کندھے پر اٹھایا اور قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ جب دربار شریف پر پہنچے لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں ملنے والے لوگوں سے پوچھتا تھا، حضرت صاحب کہاں ہیں۔ میں نے انہیں یہ بکرا دینا ہے۔ لوگوں نے کہا، حضرت صاحب کل منبر پر کھڑے ہو کر تقریر فرمائیں گے، انہیں دیکھ لینا۔ اس ہجوم میں ان سے ملاقات مشکل ہے۔ وہ کہتے تھے، میں نے اس بکرے کو ساتھ اٹھار کھا تھا۔ جہاں میں جاتا اس کو ساتھ لے جاتا۔ بارہ ربیع الاول کے دن حضرت خواجہ غلام حسنؒ تقریباً دس بائی دس چوڑے اور نو یا دس فٹ اونچے سیمنٹ اور اینٹوں سے بنائے گئے چبوترے پر کھڑے ہو کر تقریر فرما رہے تھے۔ مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ لوگوں نے کہا، یہ تقریر کرنے والے حضرت خواجہ غلام حسنؒ ہیں۔ میں نے بکرے کو ہاتھوں پر اٹھایا اور بلند آواز سے دورانِ تقریر عرض کیا، حضرت صاحب! یہ بکرا قبول فرمائیں۔ آپ نے توجہ نہ فرمائی اور تقریر جاری رکھی۔ میں نے دوبارہ پھر سہ بارہ عرض کیا۔ تیسری مرتبہ میری طرف حضرت صاحب متوجہ ہوئے اور فرمایا، لوگو! اس آدمی کو دیکھو، داڑھی منڈا کر کہتا ہے یہ بکرا قبول کر لو۔ حسو فقیر بیان کرتا تھا، ان الفاظ کے بعد میں بے ہوش ہو کر گر گیا اور تڑپنے لگا۔ لوگ کہتے ہیں، زبان سے اللہ ہو اللہ ہو جاری ہو گیا تھا۔ ہوش آنے پر میں واپس گھر پہنچا۔ چھ ماہ تک میرے حواس صحیح کام نہیں کرتے تھے۔ میں جنگل میں گھومتا رہتا تھا اور اللہ ہو اللہ ہو کا ذکر جاری رہتا تھا۔ دسمبر اور جنوری جیسے ٹھنڈے مہینوں میں بھی ذکر کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہو جاتا تھا۔ چھ ماہ کے بعد پھر دربار شریف پر حاضر ہوا۔ طبیعت میں کچھ ٹھہراؤ آیا۔ اس کے بعد نماز سیکھنا شروع کی۔ ٹوٹے پھوٹے الفاظ کے ساتھ تلاوت کے لیے صرف سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص سیکھی۔ لوگ حسو فقیر سے دعائیں کراتے تھے۔ حضرت صاحب کی ایک نظر نے حسو فقیر کو زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیا۔ ہم ان کی خدمت

اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ نہایت سادہ طبیعت کے ساتھ زندگی گزاری۔ آخری عمر میں سب چھوڑ چھاڑ کر دربار شریف پر آگئے تھے اور یہاں فوت ہوئے اور حضرت صاحب کے قدموں میں آخری آرام گاہ حاصل کر کے شرف کمال پا گئے۔

عثمان ملنگ کا قصہ:

• میرے چچا صالح محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے تھے حضرت خواجہ غلام حسنؒ صاحب ہمارے گاؤں سے شمال کی طرف ایک بستی میں حسب وعدہ تقریر کرنے جا رہے تھے۔ ایک بستی سے گزرے وہاں لوگ جمع تھے اور محمد عثمان نامی شخص عورتوں کا لباس پہن کر گانے کے ساتھ ساتھ ناچ بھی رہا تھا۔ حضرت صاحب کی اس پر نظر پڑ گئی۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا، دلہن تو دلہن ہے، کاش اس کا کوئی گھوٹ (دولہا) بھی ہوتا۔ اتنے الفاظ کہنے ہی تھے کہ وہ محمد عثمان بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آنے پر کپڑے بدلے اور حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچ گیا۔ حضرت صاحب نے اسے توبہ کرائی اور ذکر دیا۔ اس کے قلب پر ذکر جاری ہو گیا۔ میں (محمد رفیق حسنی) نے خود محمد عثمان کو دیکھا تھا۔ اسے عثمان ملنگ کہا جاتا تھا۔ اس کے ذکر کی کیفیت یہ تھی کہ نماز میں کھڑے لوگ اس کے دل کی دھڑکن کی آواز سنا کرتے تھے مگر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ حضرت خواجہ غلام حسنؒ کے وصال کے بعد خواجہ غلام محمد صاحبؒ کے زمانہ میں عثمان ملنگ سے کوئی ایسی غلطی ہو گئی، سب کچھ مسلوب ہو گیا۔ ذکر بند ہو گیا، دل کی دھڑکن بند ہو گئی۔ خواجہ غلام محمد صاحبؒ سے بار بار معافی مانگتا تھا، گھنٹوں گھنٹوں دھوپ میں دوزانو ہو کر بیٹھا رہتا تھا مگر اس سے چھینی گئی روحانی دولت واپس نہ آئی۔ ہم دربار شریف پر حضرت استاذیم شیخ محمد موسیٰ صاحب سے جب پڑھتے تھے، عثمان ملنگ نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتا بلکہ مسجد سے متصل

جنوب میں حضرت خواجہ غلام حسنؒ صاحب کی مزار کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا تھا۔ اس کا قبلہ حضرت صاحب کا مزار ہوتا تھا۔ مغرب کی طرف قبلہ کی جانب منہ نہیں کرتا تھا بلکہ جنوب میں موجود مزار کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ہمارے استاذ شیخ محمد موسیٰ صاحبؒ جب نماز پڑھا کر مسجد سے باہر نکلتے اور عثمان ملنگ کو مزار کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے دیکھتے، بلند آواز سے فرمایا کرتے، یہ کافر ہے، یہ کافر ہے۔ مگر وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا تھا اور حضرت غلام محمد صاحبؒ اسے دیکھتے ہوئے گزر جاتے تھے۔ معلوم نہیں اس کے بعد اس کے ساتھ کیا ہوا مگر حضرت غریب نواز خواجہ غلام حسنؒ کی نظر کا کمال یہ تھا ایک آدمی کو دیکھتے ہی اسے بدل دیا۔

پاگل آدمی کا قصہ:

• میرے سگے چچا صالح محمد صاحب رحمہ اللہ بیان کرتے تھے، حضرت صاحب کے پاس ایک ایسے آدمی کو لایا گیا جس کو پاگل کتے نے کاٹا تھا اور وہ پاگل ہو گیا تھا۔ اسے زنجیروں میں جکڑ کر حضرت خواجہ غلام حسنؒ صاحب کے سامنے لایا گیا۔ آپؒ نے فرمایا، اس کے زنجیر نکال کر اسے چھوڑ دو اور میری طرف آنے دو۔ جب اسے چھوڑا گیا، وہ سیدھا حضرت صاحب کو کاٹنے کے ارادے سے حضرت صاحب کی طرف لپکا مگر حضرت صاحب نے اسے گلے لگا کر تھوڑی دیر دبا کے رکھا، جب چھوڑا تو پاگل صحیح ہو چکا تھا۔ اس کو سلبِ امراض کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صالحین اولیاء کرام کو سلب امراض کی قدرت بھی عطا فرماتا ہے۔ جس سے وہ اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچاتے ہیں۔

اسلام کی دعوت اور اس کی تڑپ:

• میرے والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے تھے، حضرت خواجہ غلام حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر ایک غیر مسلم خاتون نے اسلام قبول کیا جبکہ

اس کی قوم کے لوگ غیر مسلم تھے۔ آپؒ اسے خانقاہ شریف لے آئے۔ حضرت صاحب تبلیغی دورہ پر جانے لگے تو آپؒ نے تبلیغی دورہ سے واپس آنے تک وہ خاتون پیر چھتر بستی کے ایک گیلانی سیّد کو اپنے گھر رکھنے کے لیے عرض کیا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں یہ آپ کے پاس میری امانت ہے۔ یہ خاتون ان کی قوم کو واپس نہیں کرنی کیونکہ اسلام کی وجہ سے یہ خاتون کافروں کی قوم کا فرد نہیں رہی بلکہ مسلمانوں کی قوم میں داخل ہوگئی ہے۔ مسلمان کا خاندان کافر نہیں ہوتے۔ آپ تبلیغی سفر پر چلے گئے۔ اس خاتون کے خاندان کے لوگ پیر چھتر کے گیلانی سیّد کے پاس حاضر ہوئے، منت اور سماجت کی۔ شاہ صاحب نے وہ خاتون انہیں واپس دے دی۔ جب حضرت صاحبؒ واپس تشریف لائے اور انہیں علم ہوا تو انہیں سخت صدمہ پہنچا اور سخت پریشان ہوئے اور شاہ صاحب سے کہا، حضرت! ہم جان خطرے میں ڈال کر غیر مسلموں کو مسلمان بنا رہے ہیں اور آپ نے ایک مسلم خاتون کافروں کو واپس دے کر اسے دوبارہ کافر ہو جانے کا موقع فراہم کیا؟ جب پتہ کیا گیا تو واقعی وہ خاتون اسلام چھوڑ چکی تھی۔ حضرت صاحب نے شاہ صاحب کو عرض کیا: اب آپ کے خلاف علماء کے فتوے کے مطابق عمل ہوگا، شاید آپ پر تعذیر لگے گی۔ شاہ صاحب نے عرض کیا، مجھے اس سے انکار نہیں۔ حضرت صاحبؒ نے اپنے مرید خاص حضرت پیر بارو رحمہ اللہ کو حکم دیا کہ آپ علماء کو دعوت دیں اور اپنے پاس بلائیں اور ان کی رہائش اور کھانے پینے کا بندوبست آپ کے ذمہ ہے تاکہ علماء سے معلوم ہو شاہ صاحب پر تعذیر لگتی ہے یا نہ؟ چنانچہ پورے ملک سے بڑے بڑے علماء اور مفتیان کرام کو بلایا گیا، جن کے قیام اور طعام کا حضرت پیر باروؒ نے انتظام کیا۔ علماء نے غالباً تین دن بحث اور تمحیص کے بعد بالاتفاق فتویٰ جاری کیا کہ پیر چھتر بستی میں جتنے لوگ رہتے ہیں سب کو دس دس جوتے مارے جائیں اور توبہ کرائی جائے۔ سیّد، سیّد کو تعذیر

لگائے اور غیر سیّد، غیر سیّد کو تعذیر لگائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ تھی غیرتِ اسلامی اور اسلام کی دعوت کے لیے تڑپ کا ایک واقعہ۔

حضرت صاحبؒ کا شریعت کی وجہ سے سادات کا مواخذہ کرنا اور پھر سادات کرام کا تعذیر قبول کرنا نہایت کمال اور تعجب انگیز ہے۔ آج اگر ایسا واقعہ پیش آجائے تو کوئی پیر اور عالم ایسا نظر نہیں آتا جسے اسلام کے لیے اتنی تڑپ ہو۔ اللہ تعالیٰ شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پیر باروؒ کو بیعت کا حکم:

• میرا گمان ہے کہ حضرت عبداللہ پیر باروؒ نے تمام لطائف پر ذکر کے تمام اسباق حضرت خواجہ غلام حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے مکمل کر لیے تھے۔ خلافت کی رسم ادا کرنے سے پہلے حضرت خواجہ غلام حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہو گیا تھا۔ ان کے لیے خلافت اور بیعت کرنے کی اجازت کی رسم دستار و جبہ حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ نے ادا کی تھی۔ خلافت کے حصول کے باوجود پیر بارو رحمہ اللہ نے بیعت کرنا شروع نہیں فرمائی۔ جب میں سوہاگ شریف پڑھتا تھا ایک دن حضرت پیر بارو رحمہ اللہ اپنے احباب کے ساتھ نہایت غمگین تشریف لائے۔ میں نے سنا آپ سخت پریشان ہیں کیونکہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ غلام حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے غصہ سے انہیں لات سے ٹھوکر ماری اور غائب ہو گئے۔ پیر باروؒ کی آنکھ کھل گئی۔ اس وقت سے آپ نہایت پریشان ہو گئے۔ صبح ہوتے ہی خانقاہ شریف روانہ ہو گئے۔ حضرت خواجہ غلام حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی اہلیہ مخدومہ مائی جنت، جس کو میں بڑی دادی کہتا تھا، زندہ تھیں۔ حضرت پیر بارو رحمہ اللہ نے آپ کو پیغام بھیجا کہ حضرت خواجہ غلام حسنؒ صاحب میرے اوپر ناراض ہیں۔ خواب میں دیکھا کہ انہوں نے مجھے غصہ سے لات سے ٹھوکر ماری، مجھے کیا کرنا چاہیے۔ حضرت مائی جنت

حضرت خواجہ غلام حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی زوجہ محترمہ نے فرمایا، اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ آپ بیعت شروع کردیں، ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ آپ بیعت نہیں کر رہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت پیر بارو رحمہ اللہ نے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کردیا اور بیعت کے لیے لوگوں کی لائنیں لگ گئیں۔ ایک دو سال میں مریدین کی تعداد آستانہ عالیہ مرشد آباد حضرت خواجہ گل حسنؒ کے سجادہ نشین حضرت عبدالغفورؒ اور دیگر خلفاء کے مریدوں کی تعداد سے بڑھ گئی۔ حضرت خواجہ غلام حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے روحانی تصرف سے آپ مرجع خلائق بن گئے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

خواجہ آباد شریف پر میرے ابتلاء اور امتحان کا سال:

• مجھے قبلہ سیدی حضرت خواجہ غلام حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کی موجودہ اولاد کے ذریعے دو مرتبہ فائدہ پہنچا:

ا۔ جب میں خواجہ آباد شریف استاذیم غلام محمد صاحب سے مولانا محمد نواز کے ساتھ ہدایہ اور ملا حسن اور میر زاہد ملّا جلال وغیرہ کے اسباق پڑھتا تھا۔ اس سال میں سخت بیمار ہوگیا تھا۔ سجادہ نشین حضرت پیر کمال الدین شاہ صاحبؒ نے میانوالی حکیم عبدالرحیم کے پاس بھیجا۔ حکیم عبدالرحیم اپنے وقت کا جالینوس سمجھا جاتا تھا۔ اس نے علاج شروع کردیا۔

بیماری اور ساتھیوں کی زیادتی:

• سارا سال بیماری قائم رہی۔ کمزوری کی وجہ سے سیدھا کھڑے ہوکر چلنا مشکل ہوگیا تھا۔ اتفاق سے اس سال میرا کزن مولوی محمد نواز بھی مخالف ہوگیا حتیٰ کہ مجھے ایک دفعہ دھکے دیے اور تھپڑ مارے اور کھانا بھی الگ کھانے لگا اور بات چیت بند کردی حالانکہ تعلیم کی ابتداء سے اس وقت تک ہم ایک دوسرے کے ساتھ پیار محبت سے رہتے تھے، لوگ ہمیں سگے بھائی سمجھتے تھے۔ استاذیم غلام محمد

صاحب تونسویؒ بھی توجہ نہیں فرماتے تھے۔ سبق کے وقت میری طرف نہیں دیکھتے تھے، دوسری طرف منہ کرکے اسباق کی تقریر کرتے تھے۔ یہ سب مرحوم مولانا نذیر احمدؒ صاحب کی شرارت اور چغلخوری کی وجہ سے تھا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ خواجہ آباد شریف میرے لیے ابتلا اور مصائب کا سال ثابت ہوا۔ روزانہ عصر کی نماز کے بعد میں حضرت پیر کمال الدین صاحبؒ کے والد کے مزار پر قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہتا اور روتا رہتا تھا۔ قرآن مجید میں وارد حضرت سیّدہ مریم علیہا السلام کے کلماتِ طیبہ دہراتا رہتا تھا:

"یٰلَیۡتَنِیۡ مِتُّ قَبۡلَ ھٰذَا وَ کُنۡتُ نَسۡیًا مَّنۡسِیًّا۔" (مریم:۲۳)

حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا تھا:

"کاش میں اس سے پہلے فوت ہو جاتی اور میں نسیا منسیا ہوتی۔"

میں اپنا تصور کرکے اس آیت کو بار بار تلاوت کرتا رہتا اور دل میں کہتا، کاش میں ان حالات سے پہلے فوت ہو جاتا اور نسیا منسیا ہوتا اور آنسو بہتے رہتے حتیٰ کہ قرآن مجید کے اوراق بھیگ جاتے۔ میں خیال کرتا تھا شاید میں کافر ہو چکا ہوں کیونکہ نہایت برے برے خیالات کا توارد ہوتا تھا حتی کہ اس وقت خوف کی حالت یہ تھی کہ میں گلی میں گرے ہوئے تنکوں کو اٹھانا بھی حق العباد ہونے کی وجہ سے گناہ سمجھتا تھا۔ یہ کیفیت دوسرے سال اس وقت ختم ہوئی جب سلانوالی ضلع سرگودھا حضرت مولانا محمد اشرف سیالوی کے مدرسہ میں داخل ہوا۔ اتفاق سے مجھے لائبریری کے کمرہ میں چارپائی دی گئی۔ وہاں سیدنا عبدالقادر گیلانی کی تصنیف فتح الغیب کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ الحمد للہ علی ذالک۔ درحقیقت اس سال استاذیم مولانا غلام محمد صاحب تونسویؒ خفیہ طریقے سے بلا اجازت استاذیم حامد علی صاحبؒ کے مدرسہ نعمانیہ رضویہ لیّہ کو چھوڑ کر خواجہ آباد پہنچ گئے تھے اور ہم دونوں چچازاد بھائی بھی بلا اجازت اور خفیہ مدرسہ نعمانیہ چھوڑ کر

خواجہ آباد پہنچ گئے تھے۔ اس پر استاذیم حضرت حامد علی صاحبؒ اور سواگ شریف کے صاحبزادگان حضرت صاحبزادہ احمد حسن صاحب اور حضرت صاحبزادہ نور حسن صاحب اور حضرت صاحبزادہ فیض حسن صاحب زید مجدہم جو کہ لیّہ میں ہمارے ساتھ پڑھتے تھے، یہ بھی ناراض ہوگئے تھے۔ یہ لوگ چاہتے تھے ہم نعمانیہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کریں مگر نعمانیہ میں کوئی صحیح مدرس نہیں تھا۔ قبل ازیں مجھ پر بڑے صاحبزادہ محمد حسن صاحب بھی ناراض تھے۔ وہ چاہتے تھے ہم سواگ شریف نہ چھوڑیں۔ خواجہ آباد مجھے وہم ہوگیا تھا کہ شاید ان حضرات کی ناراضگی کی وجہ سے میں بیمار ہوگیا ہوں۔ سارا سال حکیم عبدالرحیم کا علاج کرتا رہا۔ مرض کی طوالت کی وجہ سے زندگی سے مایوسی پیدا ہوگئی تھی۔

حکیم عبدالرحیم کے ساتھ تنازع:

• غالباً تعلیمی سال کے آخر میں تعطیلات سے ایک ماہ پہلے حکیم عبدالرحیم دیوبندی کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدہ پر بحث ہوگئی۔ حکیم لاجواب ہوا تو مجھے کہنے لگا، تیری زندگی کے صرف سات دن باقی ہیں، تمہیں انتڑیوں کی ٹی بی تھی، سال بھر علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا، انتڑیاں سڑ گئیں ہیں اور پھٹنے والی ہیں مگر تو میرے ساتھ مناظرے شروع کر دیتا ہے۔ غصے سے اس نے ہاتھ میں نسخہ لکھنے کے لیے پکڑا کاغذ پھینک دیا اور مجھے کہا اٹھ جاؤ۔ میں نے کہا، حکیم صاحب! نسخہ تو لکھ دو۔ دوبارہ کاغذ اٹھایا اور دوائی لکھی۔ میں میانوالی سے خواجہ آباد شریف پہنچا۔ حکیم کی بات سے پریشانی اور مرض مزید بڑھ گیا کیونکہ سنا تھا حکیم عبدالرحیم جو کہتا ہے اسی طرح ہوتا ہے، نہایت حاذق حکیم ہے۔ میں نے سامان باندھا، اجازت لی اور استاذیم غلام محمد صاحبؒ سے اور حضرت کمال الدین شاہؒ سے مل کر گھر کے لیے روانہ ہوگیا۔ مجھے

ظن غالب ہو گیا تھا کہ اگلے سال تک میں زندہ نہیں رہوں گا، خواجہ آباد سے بہل پہنچا، بہل سے ہمارے گاؤں حافظ آباد کا فاصلہ تقریباً بیس کلو میٹر ہے ہمیشہ سر پر دس پندرہ کلو وزن کا بکس رکھ کر پیدل آنا جانا ہوتا تھا اور تھکاوٹ کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی مگر اب کمزوری کی وجہ سے گھر تک پیدل چل کر جانے کی ہمت نہیں تھی۔

گدھے پر سواری کا اتفاق:

• اتفاق سے ہماری بستی کے قریب رہنے والے غلام حسین ماچھیؒ اپنا سودا سلف لینے آئے ہوئے تھے، وہ اپنے ساتھ سامان اٹھانے کے لیے گدھا لائے تھے۔ وہ میرے والد کے دوست تھے۔ میں نے انہیں عرض کیا، چچا! میں بیمار ہوں، چل نہیں سکتا، مجھے آپ گدھے پر سوار کر کے گھر لے جا سکتے ہیں؟ انہوں نے مہربانی فرمائی۔ گدھے پر سواری کا موقع دے کر سنت پر عمل کرنے کی توفیق کا ذریعہ بنے۔ جب میں گھر پہنچا، میری والدہ اور بہنوں نے مجھے نہایت کمزور ہڈیوں کا ڈھانچہ دیکھا تو زار و قطار رونے لگیں۔ میں نے سوچا، اگلے سال شاید زندہ نہ رہوں، استاذیم حامد علی صاحبؒ اور سوہاگ شریف کے صاحبزادگان ناراض ہیں، ان سے معافی مانگ لوں اور راضی کر لوں تو بہتر ہے۔ میں پیدل گھر سے سامٹیہ اسٹیشن پہنچا، راستہ میں جب تھک جاتا تھا، بیٹھ جاتا تھا، خمیدہ پشت چل چل کر سامٹیہ اسٹیشن پہنچا۔ ریل کے ذریعے لیّہ استاذیم حضرت حامد علی صاحبؒ کے مدرسہ میں پہنچا۔ مدرسہ میں میرے دوست اور استاذ بھائی صوفی محمد رمضان باروی کورنگی والے موجود تھے۔ ان سے ملا اور انہیں عرض کیا، میں استاذوں سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ وہ میرے ساتھ تھے، جب میں نے استاذوں سے معاف کر دینے کا عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا، میں نے معاف کر دیا ہے، میں راضی ہوں۔ پھر میں نے صوفی محمد رمضان باروی صاحب سے عرض کیا، آپ

میرے ساتھ سوہاگ شریف چلیں، میں صاحبزادگان سے معافی طلب کروں گا۔ صوفی صاحب میرے ساتھ تھے، ہم کروڑ لعل عیسن پہنچے، وہاں سے عشاء کے وقت سوہاگ شریف پہنچے۔ تین چھوٹے صاحبزادے پیر احمد حسن صاحب، پیر فیض حسن صاحب اور پیر نور حسن صاحب زید مجدہم مسجد کے ساتھ متصل شمالی جانب اسی کمرہ میں تشریف فرما تھے جس میں بابا عبدالغفور صاحبؒ دریا شریف والے ٹھہرا کرتے تھے۔ صوفی محمد رمضان صاحب میرے سفارشی تھے۔ تینوں حضرات نے فرمایا، ہم معاف کرتے ہیں اور راضی ہیں۔ میں نے عرض کیا، بڑے حضرت پیر محمد حسن صاحب سے میری ملاقات کرادیں تاکہ میں ان سے معافی مانگوں۔ وہ اس دن اپنی رہائش گاہ شمالی بنگلہ کے مشرق میں تشریف فرما تھے۔ غالباً پیر احمد حسن صاحب ان کے پاس گئے اور میرا سارا قصہ بیان کیا اور سفارش کی کہ آپ معاف فرمادیں۔ آپ نے فرمایا، میں راضی ہوں مگر صبح ملاقات کروں گا۔ اس رات میں مسجد میں فرش پر بچھی چٹائی پر سوگیا، خواب میں پیر محمد حسن صاحب زید مجدہم بچپن کی اس عمر میں نظر آئے جب میں ان کے ساتھ خانقاہ شریف میں پڑھتا اور کھیلا کرتا تھا اور عموماً ہم ایک پلیٹ میں کھانا کھایا کرتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں کانچ کے گلاس میں شربت تھا، مجھے فرماتے ہیں، رفیق یہ پی لو۔ میں نے جب گلاس سے گھونٹ بھرا تو نہایت کڑوا شربت تھا۔ میں نے فوراً اسے منہ سے زمین پر پھینکا اور تھوک دیا۔ اس کڑوے پانی کے ساتھ میرے جبڑے سے اکثر دانت بھی زمین پر گر گئے۔ گھبراہٹ سے آنکھ کھل گئی، اسی وقت میرے ذہن میں اس خواب کی تعبیر آگئی کہ الحمد للہ! میرے جسم میں دانتوں کی طرح گڑی وہ بیماریاں جن کا حکیم عبدالرحیم سال بھر علاج کرتا رہا تھا اور پھر مجھے موت کی نوید سنائی تھی، وہ بیماریاں سوہاگ شریف کے صاحبزادگان اور حضرت استاذیم حامد علی صاحبؒ کے معاف کرنے سے

میرے جسم سے خارج ہو گئیں۔ چنانچہ صبح اٹھا تو ایسا لگا کہ میں بیمار ہی نہیں تھا۔ اشراق کے وقت حضرت صاحبزادہ محمد حسن زید مجدہ باہر تشریف لائے، جب روضہ شریف کے سامنے آئے، میں نے ان سے ہاتھ ملایا۔ انہوں نے فرمایا، میں ناراض نہیں ہوں۔ الحمد للہ! میں خانقاہ شریف سے گھر واپس آگیا۔ جب گھر سے استاذوں اور صاحبزادوں کو راضی کرنے کے لیے نکلا تھا میرے لیے چلنا دشوار تھا، تھوڑا فاصلہ چلنے کے بعد بیٹھ کر سستا لیتا اور جب گھر واپس آیا تو بحمدہ تعالیٰ چلنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ حکیم عبدالرحیم ایک عرصہ ہوا فوت ہو چکے ہیں لیکن میں الحمد للہ! آج ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء میں زندہ ہوں۔

میری عادت مصلحت کو نظر انداز کرنے کی رہی ہے:

• میری شروع سے عادت رہی ہے کہ خلافِ شرع قول ہو یا عمل ہو، مصلحت نظر انداز کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز نہیں آتا اگرچہ وہ کتنا بڑا آدمی ہو۔ اس وجہ سے بعض مرتبہ ناگوار صورتیں پیش آتی رہیں، مناسب وقت پر کبھی ذکر کروں گا۔ ان صورتوں میں سے ایک صورت حکیم عبدالرحیم کے ساتھ مباحثہ ہے۔ یہ وہی مباحثہ ہے جس میں عبدالرحیم نے مجھے کہا، تیری زندگی صرف سات دن ہے۔ حکیم عبدالرحیم صاحب نے میری نبض پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگے، تم بریلوی لوگ سرورِ دو عالم ﷺ کو حاضر و ناظر مانتے ہو پھر بلند آواز سے کہتے ہو ''اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ''۔ خاموشی کی مصلحت کو نظر انداز کرتے ہوئے میں نے کہا، جب ہمارے اور تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے، اس کو آپ بھی مانتے ہیں پھر عمرہ اور حج میں بلند آواز سے ''لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ'' اور اذان میں ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' بلند آواز سے کیوں پکارتے ہیں؟ حکیم صاحب نے مثال بھی دی تھی کہ جب دو آدمیوں کے درمیان قرب ہو تو دوسرے کو بلند آواز سے نہیں پکارا جاتا بلکہ بلند آواز سے

پکارنا بے ادبی ہوتی ہے۔ مجھے کہنے لگا، اگر میں تجھے بلند آواز سے پکاروں اور کہوں اے مولوی رفیق! تو کتنا برا لگے گا، لہٰذا آپ لوگ جب نبی اکرم ﷺ کو اپنے قریب اور حاضر و ناظر سمجھتے ہو، انہیں بلند آواز سے پکارنے میں بے ادبی ہوتی ہے۔ میں نے اس مثال کے جواب میں کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (سورہ ق:۱۶)

ترجمہ: "ہم انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

"اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ" (سورہ بقرہ:۱۸۶)

ترجمہ: "جب میرے بندے میرے متعلق سوال کریں پس بے شک میں قریب ہوں۔"

جب اللہ تعالیٰ انسان سے گردن میں موجود شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے تو اسے بھی بلند آواز سے پکارنے میں بے ادبی ہونی چاہیے، اللہ کو بلند آواز سے نہ پکارا جائے۔ حکیم صاحب نے کہا، چلو کیا یہ جناب رسول اللہ ﷺ سے یا صحابہ کرامؓ اور تابعین میں سے کسی سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے یارسول اللہ کہا ہو؟ میں نے جواب دیا، خود سرورِ دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام اور تابعین سب نماز ادا کرنے والے مومن روزانہ نماز میں پندرہ مرتبہ یارسول اللہ کہتے ہیں۔ تعجب سے اس نے کہا، کیسے؟ میں نے کہا، التحیات میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" موجود ہے، یہ "يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ" یارسول اللہ کے معنی میں ہے، یہاں ندا کا لفظ مقدر ہے اور یہ کلمہ یارسول اللہ کہنے کے ہم معنی ہے۔ میں نے کہا، تم بھی پڑھتے ہو اور ہر نمازی پر اس کا پڑھنا واجب ہے، قصداً اس کے ترک سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے اور التحیات کی خود سرورِ دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو اس طرح تعلیم فرمائی جس طرح قرآن کی تعلیم دی، لہٰذا یارسول

اللہ کہنا ثابت ہو گیا۔ پھر کہنے لگا، التحیات میں تو آہستہ کہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا، آہستہ ندا کے کلمات کو بلند آواز سے ندا کرنے سے کس چیز نے منع کیا ہے؟ اس پر حکیم صاحب غصہ میں آگئے اور کہنے لگے، مولوی! تمہاری حیات صرف سات دن باقی ہے مگر مناظرے بہت کرتے ہو۔

مصلحت نظر انداز کرنے کا میری زندگی کا پہلا واقعہ:

• ہمارے گاؤں حافظ آباد سے ایک کلو میٹر دور بستی محمد علی میں پرائمری اسکول تھا، ہم تین چار کزنوں کو والدین نے اس میں داخل کرا دیا۔ میں پہلی یا دوسری کلاس میں پڑھتا تھا، غالباً میری عمر اس وقت سات آٹھ سال ہو گی، ہمارے اسکول میں مقامی ٹیچر عموماً شیعہ ہوتے تھے کیونکہ بستی محمد علی میں سوائے ایک یا دو گھر کے سب شیعہ لوگ رہتے تھے۔ ان میں ہمارے استاذ محب حسین شاہ شیعہ مسلک کے تھے، میرے والد صاحب کے دوست حاجی درکھان مرحوم کسی دنیاوی کام کے لیے محب حسین شاہ کے پاس آئے، اس وقت میں محب حسین شاہ کی کرسی کے قریب نیچے بیٹھا ہوا تھا اور حاجی درکھان رحمہ اللہ کرسی کی دائیں جانب متصل زمین پر بیٹھ گئے اور شاہ صاحب سے باتیں کرنے لگے۔ باتوں باتوں میں حاجی صاحب نے محب شاہ کو خوش کرنے کے لیے غالباً شیخین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دے دی چونکہ میں قریب بیٹھا تھا، میں نے سن لیا، گھر آکر قبلہ والد صاحب کو بتا دیا، بس بتانے کی دیر تھی، والد صاحب غصے کی حالت میں اٹھے، قبلہ والد صاحب کو جب غصہ آتا تھا آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں اور ناک سے سانس لینے کی وجہ سے خوں خوں کی آواز جاری ہو جاتی تھی، ہم گھر والے خوفزدہ ہو جاتے تھے۔ دو فرلانگ دور حاجی درکھان کا گھر تھا، آپ وہاں پہنچے، اسے غضبناک ہو کر بولے، میرا بیٹا کہتا ہے تم نے آج محب شاہ کے سامنے صحابہ کرام کو سب شتم کیا ہے اور گالی دی ہے۔ حاجی مرحوم اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے

لگا مگر آخر میں اس نے اقرار کر لیا۔ والد صاحب نے فرمایا، اب مفتی شیخ محمد موسیٰ صاحب رحمہ اللہ کے پاس ددھیوالی چلتے ہیں، ان سے مسئلہ پوچھتے ہیں۔ اس نے کہا، ٹھیک ہے۔ قبلہ والد صاحب حاجی درکھان کو استاذیم محمد موسیٰؒ کے پاس لے گئے۔ آپ نے اسے توبہ کرائی اور فتویٰ دیا کہ ان کا دوبارہ نکاح پڑھا جائے اور اسے عبد کی سزا سے ایک عدد کم انتالیس (۳۹) جوتے مارے جائیں تاکہ آئندہ کوئی شخص صحابہ کرامؓ کو گالیاں نہ دے۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا اگرچہ حاجی درکھان کے رشتہ دار ناراض ہوئے مگر والد صاحب نے پروانہ کی اور اسلامی غیرت کی وجہ سے مداہنت نہ فرمائی، دوستی کا لحاظ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبرِ انور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آپ نے شریعت پر دشنام طرازی کرنے پر بیسیوں لوگوں کو فتاویٰ منگوا کر تعزیریں لگوائیں اور اسلام اور شریعت کا دفاع فرمایا۔

عظیم جلسہ کرانے کا بیان:

• قبلہ والد صاحب اپنے علاقہ کے معزز آدمی تھے اور کبھی اسلامی احکام کے خلاف کسی سے کمپرومائز اور صلح نہیں فرماتے تھے۔ صحیح، سچے، صاحبِ غیرت انسان اور نہایت بہادر آدمی تھے، عواقب کی پروا نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے اپنے لوگ تو حسد کرتے تھے مگر دوسرے لوگ آپ کی عزت کرتے تھے۔ ہر سال ایک یا دو مرتبہ اہل سنت و جماعت کا ایک عظیم جلسہ کراتے تھے اور اس میں مقررین کو فرماتے، ہمارے علاقہ میں جاگیردار شیعہ اور رافضیوں کی کثرت ہے، اس لیے آپ بغیر کسی رعایت اور مصلحت کے تقریر فرمایا کریں۔ ایک مرتبہ جنوبی بوگھے والا، جس میں شیعہ اور سنی مکس رہتے ہیں، قبلہ والد صاحب نے اپنے دوست احمد لوہار مرحوم سے فرمایا کہ آپ بوگھے والا میں اہلسنت کا جلسہ کرائیں، میں آپ کی مدد کروں گا۔ چنانچہ تاریخ طے ہوگئی، ایک سنی عالم کو دعوت

دے کر جلسہ کرانے کا اعلان کر دیا لیکن جب اہل تشیع نے سنا، انہوں نے احمد لوہار پر دباؤ ڈالا، جلسہ ملتوی ہو گیا۔ قبلہ والد صاحبؒ کو سخت افسوس ہوا، اس وقت تک دیو بندی بریلوی کے فرق کا قبلہ والد صاحبؒ اور عام لوگوں کو علم نہیں تھا۔ قبلہ والد صاحبؒ مولوی دوست محمد قریشی جو مسلک دیو بند سے تعلق رکھتے تھے اور کوٹ اڈّو مظفر گڑھ کے مضافات کے رہنے والے تھے، کے جلسہ میں شریک ہوئے اور ملاقات کے وقت قبلہ والد صاحب نے دوست محمد قریشی سے اپنے علاقہ کے حالات کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگا، ملک صاحب! آپ اپنے پاس تین دن کا جلسہ رکھیں، تین دن تک شیعوں کے خلاف تقریریں ہوں گی۔ آپ صرف جگہ اور خورد و نوش کا انتظام کریں، علماء کو میں دعوت دوں گا، ان کے اخراجات بھی میں برداشت کروں گا اور جلسہ کے لیے اشتہار چھپوا کر پورے بھکر اور ڈی آئی خان میں تقسیم کرواؤں گا۔ اس جلسہ میں بڑے بڑے علماء شریک ہوں گے اور اہلِ تشیع کے خلاف تقریر کریں گے۔ قبلہ والد صاحب نے وہیں تاریخ طے کرا دی، ہمارے گاؤں میں تین دن کا جلسہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، نہ کبھی اشتہار چھپے تھے، جلسہ کا اعلان ہو گیا، اشتہار چھپ گئے۔ ہمارے حافظ آباد سے متصل کھلیان، جسے سرائیکی میں "بھاجڑ" کہتے ہیں، کے کھلے میدان میں جلسہ گاہ بنائی گئی، سردیوں کا موسم تھا، اشتہارات کی وجہ سے ڈیرہ اسماعیل خان تک کے پٹھان بھی جلسہ میں شریک ہوئے۔ اس وقت میری عمر سات سال یا اس سے بھی کم ہو گی کیونکہ مجھے اس وقت تقریریں سننے کا شوق نہیں تھا اور نہ مجھے علماء کی تقریریں سمجھ آتی تھیں۔ قبلہ والد صاحب انہی دنوں ایک صبح مجھے دوست محمد قریشی صاحب کے پاس لے گئے اور انہیں میرے لیے دعا کے لیے کہا۔ قریشی صاحب نے مجھے کہا، سورہ فاتحہ سنائیں۔ میں نے سورہ فاتحہ سنا دی۔ اس پر قریشی صاحب نے مجھے آٹھ آنے کا سکہ انعام دیا اور دعا بھی کی۔ میں بہت

خوش ہوا تھا۔ جلسہ میں بڑے بڑے اور دور دور کے علماء شریک ہوئے۔ ملتان سے مولوی حنیف جالندھری کے والد خیر المدارس کے بانی اور مہتمم مولوی خیر محمد جالندھری بھی شریک ہوئے۔ سید نورالحسن شاہ بھی شریک ہوئے۔ سید نورالحسن شاہ صاحب کرسی پر نہیں بیٹھ سکتے تھے، ان کے بیٹھنے کے لیے ٹیبل رکھے گئے، اس نے ٹیبلوں پر چار زانو بیٹھ کر تقریر شروع کی۔ سامعین میں سنی اور شیعہ سب شریک تھے۔ جب سید نورالحسن شاہ نے تقریر میں کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں نکاح میں دیں، شیعہ لوگ ایک بیٹی کے شوہر حضرت علیؓ کو مانتے ہیں مگر جس کے نکاح میں اس نبی ﷺ کی دو بیٹیاں تھیں اس کو کیوں نہیں مانتے۔ اس پر ہمارے علاقہ کا جاگیردار شیعہ سید جعفر شاہ کھڑا ہو گیا اور سید نورالحسن شاہ صاحب کو مخاطب کر کے کہا، شاہ صاحب! آپ سیّد ہیں آپ کسی غیر سید اور اچّھی کو بیٹی دے دیں گے؟ مولانا نورالحسن شاہ خاموش ہو گئے۔ سامعین میں کچھ سنیوں نے کلہاڑیاں نکال لیں، قریب تھا کہ تصادم اور قتال ہو جاتا مگر سید نورالحسن شاہ نے کہا، خاموش خاموش، بیٹھ جاؤ۔ لوگ بیٹھ گئے، جعفر شاہ چلا گیا مگر سید نورالحسن شاہ نے اس سوال کا جواب نہ دیا حالانکہ اس کا جواب آسان تھا، وہ کہہ دیتے جی میں کسی بھی قریشی یا ہاشمی کو بیٹی دے سکتا ہوں اگرچہ عرف عام میں قریشی کو سید نہیں سمجھا جاتا ہو۔ تین دن کے بعد جلسہ ختم ہو گیا مگر سید نورالحسن شاہ کی جانب سے جواب نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کے تبصرے شروع ہو گئے۔ بعض سنی افراد کے دلوں میں عقیدہ اہل سنت کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ جلسہ سے فائدہ کے بجائے نقصان ہو گیا۔ قبلہ والد صاحبؒ نہایت پریشان ہو گئے۔

سید گانمن کے جلسہ کا ذکر:

• اسی دوران قبلہ والد صاحب کی ملاقات کوٹ اڈّو والے سید گانمن شاہ صاحب

کے ساتھ ہوئی۔ شاہ صاحب نے فرمایا، ملک صاحب! آپ کی پہلی غلطی تو یہ ہے کہ آپ نے بدعقیدہ علمائے دیوبند کو بلایا۔ قبلہ والد صاحب نے اس کا جواب دیا چونکہ یہ لوگ خواجہ غلام حسنؒ کے عرس میں شریک ہوتے ہیں اور تقریریں بھی کرتے رہتے ہیں، میں توان کو صحیح العقیدہ سمجھا تھا۔ سیّد گانمن شاہ نے فرمایا، ہم خواجہ غلام محمد صاحب موجودہ سجادہ نشین سواگ شریف سے بات کریں گے کہ انہیں عرس پر نہ آنے دیا جائے۔ شاہ صاحب نے فرمایا، ملک صاحب! اب اس کا حل یہ ہے کہ دوسرا جلسہ کرائیں، سیّد جعفر شاہ کے سوال کا جواب میں دوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد بہت بڑا جلسہ ہوا۔ سید گانمن شاہ صاحب نے دادا اللہ بخش مرحوم جو کہ کافی معمر تھے اور موجودہ سیّد جعفر شاہ اور دیگر سادات کے نسب جانتے تھے، مرحوم موجود امیر دادا کے دادا تھے، ان سے معلومات کرکے، علاقہ میں اہل تشیع کے چار لوگوں کے نسب اور آباءاجداد کے نام اس نسبی نسبت سے لکھ لیے جو نسبی نسبت حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت عمر اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھی۔ جلسہ گاہ میں تقریر شروع کرنے سے پہلے سیّد گانمن شاہ جن کا اصل نام غلام رسول شاہ تھا، نے ٹیبل پر چھری رکھ لی اور صدارت علاقہ کے ایک شیعہ سیّد ظفر علی شاہ ولد اللہ بخش شاہ کو دے دی اور اعلان کیا، میں اس سوال کا جواب دوں گا جو سید جعفر شاہ نے نورالحسن شاہ سے کیا تھا اگر جواب صحیح ہو تو شیعہ لوگ اپنے مسلک سے توبہ کرلیں اور جواب غلط ہو تو اس چھری سے میرا گلا کاٹ دیں۔ تیار کردہ جواب کے متعلق مجلس میں موجود دو سیدوں کا نسب ایسا بیان کیا جن کا مشترکہ دادا ایسی پشت میں تھا جس طرح حضرت عثمان غنیؓ اور رسول اکرم ﷺ کا مشترک دادا تھا کیونکہ حضرت عثمانؓ قریشی ہیں، ان کا دادا حضرت عبد مناف وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کا دادا تھا۔ حضرت عثمان بن عفان بن

ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ حضرت عثمانؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عبد مناف میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔اسی قسم کے وہاں موجود افراد میں سے دو سیّدوں کا نسب بیان کر کے لوگوں سے سوال کیا کہ ان دونوں میں سے ایک اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے کے ساتھ کر دے تو نکاح ہو جائے گا؟ شیعہ سنی سب نے جواب دیا، جی نکاح ہو جائے گا۔آپ نے پوچھا تو پھر یہی نسبت حضرت عثمانؓ اور حضرت رسول اکرم ﷺ کے درمیان ہے، کیا وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹیاں حضرت عثمانؓ کو دیں تو یہ نکاح ناجائز ہو جائے۔ لوگوں نے نعرے لگانا شروع کر دیے پھر شاہ صاحب نے اپنی بنائی ہوئی نعتیں پڑھیں، تین چار گھنٹے جلسہ جاری رہا۔ جلسہ کے اختتام پر سید ظفر علی شاہ سید گامن شاہ کے ساتھ ان کے کمرہ میں آگئے اور کہنے لگے، میں شیعہ مسلک سے توبہ کرتا ہوں مگر ایک دفعہ گھر جا کر آتا ہوں، جب گھر پہنچا، ان کے لوگوں نے اسے گھیر لیا اور اسے سنی ہونے سے منع کر دیا۔

عرس پر دیوبندیوں کو روکنے کا اعلان:

• اس جلسہ کے بعد سواگ شریف عرس کے موقعہ پر حضرت خواجہ غلام محمدؒ کی طرف سے اعلان ہو گیا، فلاں فلاں عالم دیوبندی ہیں، ہمارے مریدین ان کو جلسوں میں نہ بلائیں اور عرس پر آنے والے اللہ بخش کمتر اور اللہ وسایا نابینا دو واگہ جس کو دو آدمی پکڑتے تھے اور ہمیشہ عرس پر آجاتے تھے، انہیں منع کر دیا گیا۔ ہمارے علاقہ میں اس وقت دیوبند بریلوی کا فرق واضح ہو گیا۔

الحاصل! قبلہ والد صاحبؒ کا اپنے علاقہ میں مجدّدانہ کردار تھا۔ ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں مجددین کی حدیث کے تحت تحریر کیا ہے کہ مجدد کے لیے ضروری نہیں کہ وہ عالم ہو بلکہ غیر عالم مالدار جو دین کے لیے مال خرچ کرتا ہے یا کوشش کرتا ہے، وہ بھی مجدد ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مجدد کے لیے یہ ضروری

نہیں پورے ملک کا یا کسی صوبے کا یا کسی شہر کا مجدد ہو بلکہ چھوٹے چھوٹے شہروں میں وہ لوگ جو تجدیدِ دین کے جذبہ سے احیاء اسلام اور تحفظِ مسلک کا کام کرتے ہیں، وہ بھی مجدد ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو لگتا ہے قبلہ والد صاحبؒ اپنے علاقہ کے مجدد تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

قبلہ والد صاحب شریعت کے پابند تھے:

• قبلہ والد صاحب صرف یہ نہیں کہ لوگوں کے سلسلہ میں سختی فرماتے تھے بلکہ خود بھی شریعت کی پابندی فرماتے تھے۔ مثلاً ایک رشتہ دار کے ساتھ کھجور کے درخت کے سلسلے میں تنازع ہوا، اس رشتہ دار نے کہا، یہ درخت شریعت اور قانون دونوں میں ہمارا ہے۔ قبلہ والد صاحب جو درخت پر چڑھ کر کھجور اتار رہے تھے، اوپر سے یہ کہہ دیا، تیری شریعت اور قانون کی ایسی کی تیسی، یہ درخت ہمارا ہے۔ قبلہ والد صاحب کو فوراً خیال آیا کہ میں نے تو غصہ میں غلط لفظ بول دیا ہے، بغیر کسی مطالبے کے خود مولانا مفتی شیخ محمد موسیٰ صاحبؒ کے پاس گئے اور ان کو اپنے گھر لے آئے۔ انہوں نے فرمایا، ان الفاظ کی وجہ سے توبہ اور تجدیدِ نکاح کرنا ہوگا۔ چنانچہ بلاتامل اپنے دشمنوں کے سامنے توبہ کی اور استاذیم شیخ محمد موسیٰ نے آپ کا دوبارہ نکاح پڑھایا۔

خواجہ غلام حسنؒ نے تجدیدِ نکاح کیا:

• قبلہ والد صاحب کی طرح خواجہ غلام حسن رحمہ اللہ کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ ہوا تھا۔ قبلہ والد صاحب اور دیگر پیر بھائی بیان کرتے تھے، گرمیوں کے موسم میں نمازِ ظہر پڑھ کر خواجہ غلام حسنؒ اپنے گھر کے گیٹ سے داخل ہوئے تو آپ کی اہلیہ جنت بی بیؒ اور بعض عورتیں تندور پر روٹیاں لگا رہی تھیں۔ قبلہ حضرت صاحب نے پوچھا، تم لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ آپ کی اہلیہ نے جواب

دیا، ابھی نماز نہیں پڑھی، کیا ہم آپ کی چٹی (تاوان) بھی ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کی چٹی (تاوان) بھی ادا کریں؟ سرائیکی زبان میں چٹی ناجائز تاوان اور ظلم کو کہا جاتا ہے گویا حضرت صاحب کی اہلیہ نے نماز کو ناجائز تاوان کہہ دیا۔ حضرت صاحب وہیں سے واپس باہر آگئے اور وہاں موجود علماء شیخ کلیم اللہ صاحبؒ بھکر کے قاضی اور مولانا عبدالکریم صاحبؒ شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان جو اس وقت صاحبزادگان حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ اور خواجہ غلام حسین کے خانقاہ پر استاذ تھے، اور استاذیم شیخ محمد موسیٰ صاحبؒ کو بلایا اور اپنی زوجہ محترمہ کے الفاظ کے متعلق حکم پوچھا۔ علماء نے عرض کیا، آپ کی اہلیہ کے لیے توبہ اور تجدیدِ ایمان اور آپ کے لیے تجدیدِ نکاح لازم ہے۔ چنانچہ علماء نے آپ کی اہلیہ کو توبہ کرائی اور تجدیدِ نکاح کرایا۔ یہ تقویٰ خوفِ خدا کی وجہ سے ہوتا ہے، جنہیں آخرت کا خوف نہیں ہوتا وہ ایسے الفاظ کو معمولی سمجھ کر توبہ کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

- یہ صفت صاحبِ تقویٰ اولیاء کرام کی ہوتی ہے جنہیں آخرت کا خوف ہوتا ہے ورنہ بڑے بڑے مفتی حضرات اور مشائخ ایسی باتوں کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔

قبلہ والد صاحب کا شادی کے بعد قرآن پڑھنا:

- قبلہ والد صاحب بچپن میں ناظرہ قرآن مجید بھی نہ پڑھ سکے، شادی ہوگئی، ایک دن ان کی والدہ اور میری دادی جنت مائی خواجہ غلام حسن صاحبؒ کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا، حضور! یہ میرا بیٹا قرآن نہیں پڑھ سکا حالانکہ ان کے سگے بھائی اور چچازاد بھائی سب ناظرہ قرآن پڑھ چکے ہیں، یہ مسجد میں جانے سے کتراتا ہے۔ حضرت غریب نواز نے فرمایا، بیٹے! صبح وضو کر کے مسجد جاؤ، نماز پڑھو اور پھر اول و آخر درود شریف پڑھ کر سات مرتبہ یہ دعا پڑھ لیا کرو:

"اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ قَلْبِیْ بِعِلْمِكَ وَ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ بِنُوْرِ

مَعْرِفَتِكَ وَاسْتَعْمِلْ بَدَنِیْ بِطَاعَتِكَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ''

ان شاءاللہ آپ قرآن پڑھ جائیں گے۔ چنانچہ قبلہ والد صاحب نے حسبِ ارشاد عمل کیا، اس دعا کی وجہ سے قرآن مجید کی محبت اس طرح غالب ہوئی کہ آپ سارا دن مسجد میں قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے، چند مہینوں میں قرآن مجید پڑھ لیا۔ ان ایام میں چچا صالح محمد صاحب گھر کے کاموں کے لیے والد صاحب کو بلاتے مگر وہ مسجد سے باہر آنے سے انکار کر دیتے تھے۔ یہ خواجہ غلام حسنؒ کا کرم اور دعا تھی۔ میں نے قبلہ والد صاحب سے بارہا سورہ تبارک الذی سنی، جب آپ پڑھتے تھے، سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ مسجد میں عشاء کی نماز باجماعت کے بعد روزانہ سورہ تبارک الذی پڑھی جاتی تھی۔ عموماً قبلہ والد صاحب یا چچا غلام صدیق تلاوت کرتے تھے اور لوگ سنتے تھے۔ دونوں کی آواز پرکشش تھی اور اس جذبے سے پڑھتے تھے کہ سامعین کے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

ترکِ مصلحت کا عجیب واقعہ:

• دوسرا واقعہ: ابھی سواگ شریف میں کریما، نامِ حق وغیرہ کے اسباق شروع کیے تھے، ہماری برادری بھاندے والا کے ایک فرد، ہمارے رشتہ دار خدا بخش درزی نے بیٹ میتلا میں اپنے لوگوں میں گانوں اور سرود کی محفلیں سجانا شروع کر دیں غالباً سن ۱۹۶۰/۶۱ء کا دور تھا۔ خدا بخش درزی گانے والے میراثی، ہرمونیا، باجہ اور دیگر آلاتِ لہو منگواتا تھا، خواتین اور مردوں کی مخلوط مجلس میں ساری ساری رات داڑھی منڈے فنکاروں کے گانے ہوتے تھے۔ موصوف درزی صاحب خواجہ غلام محمد صاحبؒ پیر سواگ کے خاص مقربین میں سے تھا۔ میں جب سواگ شریف پڑھتا تھا حکیم غلام رسول آف کروڑ لعل عیسن اور خدا بخش درزی حضرت غلام محمد صاحبؒ کے ساتھ ان کے کمرہ میں کبھی کبھی ساری

رات باہم ہنسی مذاق میں گزار دیتے تھے۔ خدا بخش درزی جب ہماری برادری میں جاتا تھا، ہمارے لوگ اس کی عزت کرتے تھے کیونکہ وہ حضرت صاحب کا مقرب تھا مگر میرے والد صاحب اسے اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ جب اس نے گانے بجانے کی محافل شروع کیں، مجھے والد صاحب نے بتایا، میں نے استاذیم مفتی محمد موسیٰ صاحب سے درزی کے خلاف فتویٰ صادر کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے مجھے فرمایا، آپ فتویٰ کا ڈرافٹ بنالیں، میں اس پر دستخط کردوں گا۔ میں نے فقہ کی ''پکی روٹی کلاں'' نام کی سرائیکی کتاب کے حوالے سے جواب تیار کیا، اس کتاب میں سوال و جواب کی صورت میں مسائل کا ذکر ہے۔ یہ کتاب میرے مطالعہ میں تھی، اس میں ایک سوال تھا:

سوال: جے کوئی پچھے گانے بجانے اور ساز بجانے والے کا کیا حکم ہے؟

جواب: گانے بجانا حرام ہے اور جو شخص حرام کو حلال اور جائز سمجھے وہ کافر ہے، اس کی بیوی اس پر حرام ہے اور اس کا نکاح فاسد ہے، اسے توبہ کرنا اور تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہے۔ (بحوالہ پکی روٹی کلاں)

چونکہ خانقاہ شریف آنے والے فتاویٰ کے جوابات استاذ صاحب مجھ سے تحریر کرواتے تھے، میرا خط اچھا تھا، مجھے فرماتے، بچو رفیق ادھر آؤ فتاویٰ کے جوابات لکھنے ہیں۔ اس لیے مجھے استفتاء بنانے کا طریقہ معلوم تھا، میں نے غالباً اوپر الاستفتاء لکھا، نیچے صورتِ مسئولہ لکھی، موصوف درزی کا نام لکھا اور تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کا حکم، گانے بجانے کی محفل کرانے والے اور محفل میں شریک افراد اور خواتین پر لگا دیا اور پکی روٹی کی مذکورہ عبارت کا حوالہ لکھ دیا۔ قبلہ استاذیم محمد موسیٰ صاحب نے اس فتویٰ پر تصدیقی دستخط فرمادیے۔ میں نے گھر جا کر درزی صاحب کو فتویٰ دے دیا، وہ نہایت غیظ و غضب ہو کر کہنے لگا، اگر یہ فتویٰ صحیح ہے تو پھر حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ کا نکاح بھی فاسد ہے کیونکہ

حضرت صاحب ریڈیو پر خبریں سنا کرتے تھے اور کبھی کبھی ہرمونیا باجے پر اچھا کلام سنا کرتے تھے، گانے نہیں ہوتے تھے۔ مگر درزی صاحب یہ کہتے ہوئے کہ میں اس مولوی رفیق کو سبق چکھاؤں گا، فتویٰ لے کر سوہاگ شریف پہنچ گیا۔ فتویٰ حضرت صاحب کو دکھایا اور نہایت شور مچایا کہ رفیق نے کہا ہے حضرت صاحب کا نکاح ٹوٹ گیا ہے مگر حضرت صاحب نے فتویٰ لے کر رکھ دیا، مجھے کچھ نہیں فرمایا، اس کے بعد درزی صاحب کی محافل بند ہو گئیں۔

• اب سوچتا ہوں شاید مستقبل میں مفتی بننا تھا، آٹھ یا نو سال کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا اور اس کی تصدیق رئیس العلماء مفتی شیخ محمد موسیٰ صاحب سے کرائی۔

الحمد للہ علیٰ ذالك۔

سواگ شریف فتاوی نقل کرنے کا فائدہ:

• اگرچہ سوہاگ شریف میرے اسباق فارسی کی کتابیں تھیں مگر بعض فتاویٰ میں درج عربی عبارتیں مجھے یاد ہو گئی تھیں اور ان کا مجھے فائدہ بھی ہوا۔ مثلاً استاذیم مفتی محمد موسیٰ صاحبؒ نے حرمتِ مصاہرہ کا فتویٰ مجھ سے لکھوایا، اس میں درمختار کی عبارت کہ ”بِحُرْمَةِ الْمُصَاهِرَةِ لَا تَرْفَعُ النِّكَاحُ“ (کہ حرمتِ مصاہرہ سے نکاح کا رفع نہیں ہوتا) یعنی عورت تو حرام ہو جاتی ہے مگر نکاح باقی ہوتا ہے، جب تک شوہر کی جانب سے متارکت نہ ہو۔ یہ عبارت مجھے یاد ہو گئی تھی، جب نعمانیہ رضویہ لیّہ کی تین سالہ تدریس سے فارغ ہو کر ۱۹۷۵ء میں دارالعلوم امجدیہ کراچی میں میرا تقرر ہوا تو حضرت مفتی محمد وقارالدین صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ کو تدریس کے ساتھ فتاویٰ کا کام بھی کرنا ہوگا۔ تین سو روپے تدریس کی تنخواہ ہو گی اور ایک سو روپے افتاء نویسی کی تنخواہ ہو گی، میں نے اس کو قبول کر لیا کیونکہ لیّہ میں میری آخری سال تنخواہ دو سو پچاس روپے تھی، میں نے پچاس روپے اضافے کا سوال کیا تھا تو استاذیم مولانا حامد علی صاحبؒ نے انکار فرمادیا تھا۔

حضرت مفتی وقارالدین صاحب نے غالباً بطور ٹیسٹ فرمایا، یہ فتاویٰ آئے ہوئے ہیں، آیئے آپ ایک فتویٰ لکھ کر دکھائیں۔ میں خوفزدہ ہو گیا کیونکہ اس سے پہلے مجھے فتاوی لکھنے کا تجربہ نہیں تھا، اتفاق سے وہ ٹیسٹ فتوی حرمتِ مصاہرہ کا تھا، میں نے فوراً جواب لکھا اور بطور حوالہ در مختار کی مذکورہ بالا عبارت بھی لکھ دی اور بغیر دیکھے شامی کا صفحہ نمبر بھی لکھ دیا۔ حضرت مفتی وقارالدین صاحب نے جواب دیکھا تو بہت خوش ہوئے پھر پانچ سال ۱۹۸۰ء تک دارالعلوم امجدیہ میں ہزاروں فتاویٰ لکھے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ ان کا ریکارڈ دارالعلوم امجدیہ میں موجود ہے۔ خدا بخش درزی اور اپنی برادری کے خلاف پہلا فتویٰ اس لیے دیا تھا کیونکہ قبلہ والد صاحب کی غیرتِ دینی کا اثر تھا کہ میں بھی مداہنت نہیں کر سکتا تھا اور برادری کے حوالے سے مصلحت کا لحاظ نہیں کرتا تھا۔

منکیرہ کے واقعہ میں حرمت مصاہرہ کا ذکر:

• میں ۱۹۷۱ء میں دارالعلوم نعمانیہ رضویہ میں تدریس کرتا تھا، منکیرہ ضلع بھکر میں ایک واقعہ پیش آیا اور پیر عبدالغفور صاحبؒ آف مرشد آباد اور پیر باروؒ کے مریدین کے دو گروپ ہو گئے۔ حرمتِ مصاہرہ کا مسئلہ تھا، ایک شخص پر زنا کی تہمت لگی اور چار گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی نے فلانہ کے ساتھ زنا کیا ہے، لہٰذا مزنیہ کی بیٹی کے ساتھ زانی کا نکاح نہیں ہو سکتا یا شاید مسئلہ اس طرح تھا مزنیہ کا زانی کے بیٹے کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ زانی کے اصول و فروع مزنیہ پر حرام ہوتے ہیں اور مزنیہ کے اصول و فروع زانی پر حرام ہوتے ہیں مگر اس واقعہ میں چار گواہوں کی گواہی کے اوقات اور مواضع مختلف تھے، مثلاً ایک گواہ نے کہا، میں نے فلاں جگہ فلاں تاریخ فلاں وقت زانی کو زنا کرتے دیکھا، دوسرے نے کہا، میں نے دوسری جگہ اور دوسری تاریخ کو زنا کرتے دیکھا۔ الغرض چاروں گواہوں کی شہادت مختلف تھی۔ پیر باروؒ کے گروپ کے علماء

مولانا محمد نواز صاحبؒ جال والے اور شیخ الحدیث مولانا محمد شریف صاحب اور استاذیم مولانا حامد علی صاحب اور دیگر باروی علماء کی جماعت نے فتویٰ دیا کہ حرمتِ مصاہرہ ثابت نہیں ہوتی لہٰذا مقررہ نکاح جائز ہے۔ان کی ایک دلیل یہ تھی کہ مختلف اوقات اور مواضع کی شہادت کی وجہ سے زناثابت نہیں ہوتا، زنا کے ثبوت کے لیے چار عینی گواہ دخول الفرج فی الفرج ایک وقت اور ایک جگہ اور ایک تاریخ کو دیکھیں، تب زناثابت ہوتا ہے جبکہ متنازع مسئلہ میں یہ نہیں ہے لہٰذا مذکورہ شہادتوں سے زناثابت نہیں ہوتا اور اس پر متفرع حرمتِ مصاہرہ بھی ثابت نہیں ہوتی۔ان کی دوسری دلیل یہ تھی کہ زنا حقوق اللہ سے ہے اور حقوق اللہ میں تقادم زمانی یعنی گواہوں کی ایک زمانہ تک خاموشی اور ناظرین کا دعویٰ نہ کرنا فسق ہے اور گواہوں کی گواہی کو ساقط کر دیتا ہے۔اس واقعے کو چار ماہ ہو چکے ہیں اس لیے گواہی معتبر نہیں۔ دوسری طرف پیر عبدالغفور مرشد آبادیؒ کی جماعت کے علماء حضرت مولانا قاضی فخر الدین گانگوی رحمہ اللہ اور دیگر علماء کا فتوی یہ تھا کہ متنازع مسئلہ میں حرمتِ مصاہرہ ثابت ہے اگرچہ زناثابت نہیں، مذکورہ نکاح باطل ہے۔ان علماء کا موقف یہ تھا کہ زنااس حیثیت سے کہ زانی اور مزنیہ پر حد قائم کی جائے،اس کے لیے عینی رؤیت،اتحاد مکان،اتحاد زمان وغیرہا شروط ہیں مگر زنااس حیثیت سے کہ اس پر حرمتِ مصاہرہ مرتب ہواس کے لیے چار گواہ شرط نہیں بلکہ دو گواہ کافی ہیں اور حرمت مصاہرہ میں زنا کی رؤیت کے لیے اتحاد مکان اور اتحاد زمان شرط نہیں ہے۔ حرمتِ مصاہرہ کی حرمت عام حقوق کی طرح ہے جن میں نصابِ شہادت صرف دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوتی ہیں جس طرح دوسرے حقوق میں اتحاد مکان اور زمان شرط نہیں اسی طرح حرمتِ مصاہرہ کے لیے اتحاد مکان اور زمان کی شرط نہیں ہے۔ دوسری دلیل کا جواب یہ تھا کہ تقادم زمانی جس کا حقوق اللہ میں اعتبار ہوتا ہے،

اس کی مدت چھ ماہ تک ہوتی ہے اور ابھی چھ ماہ نہیں ہوئے اور گواہوں کا فسق ثابت نہیں ہوگا لہٰذا دوسری دلیل باطل ہے نیز زنا اس لحاظ سے کہ اس پر حرمتِ مصاہرہ مترتب ہو، حقوق العباد سے ہے اس میں تقادمِ زمانی سے فسق نہیں ہوتا اور گواہوں کی گواہی رد نہیں ہوتی چونکہ اس مسئلہ میں دو پیروں کے گروپ باہم مخالف تھے اس لیے طے ہوا کہ منکیرہ جہاں فریقین رہتے ہیں، وہاں مناظرہ کرایا جائے، تاریخ طے ہوگئی۔ اتفاق سے میں اس وقت استاذیم حامد علی رحمہ اللہ کے پاس مدرس تھا۔ دونوں افتاء میں نے پڑھ لیے تھے۔ قاضی فخر الدین گانگوی کے دلائل قوی تھے کیونکہ حرمتِ مصاہرہ شہوت کے ساتھ لمس سے بھی ثابت ہو جاتی ہے اور حرمتِ مصاہرہ حقوق العباد کے اقسام سے ہے، اس کے لیے چار گواہ اور ان کے لیے دخول الفرج فی الفرج کی رویت اور اتحاد مکان اور زمان شرط نہیں ہے۔ یہ شرائط زنا پر حد لگانے کے لیے ہیں۔ مقررہ تاریخ سے ایک رات پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد شریف صاحبؒ ملتان سے لیّہ مدرسہ نعمانیہ میں تشریف لائے۔ گرمیوں کا موسم تھا، مدرسہ کے صحن میں آپ کی چارپائی رکھی تھی، کتابوں سے بھرا بکس ساتھ لائے تھے۔ ہم لوگ آپ کے ارد گرد بیٹھے تھے۔ میں نے آپ سے تفسیر اتقان کے دو چار سبق انوار العلوم ملتان میں پڑھے تھے، اس لیے وہ میرے استاذ تھے اور مجھے جانتے تھے۔ بلند آواز سے فرمانے لگے، کل فیصلہ ہو جائے گا مولانا گانگوی اور ان کے علماء کو شکستِ فاش تسلیم کرنا ہوگی۔ میں صبر نہ کر سکا، دورانِ گفتگو میں نے عرض کیا، حضرت میں نے دونوں فتوے اور ان کے دلائل دیکھے ہیں، حضرت مولانا فخر الدین گانگوی کا فتوی اور دلائل صحیح لگتے ہیں۔ اتنا کہنا تھا کہ میری شامت آگئی۔ فرمانے لگے، تم میرے شاگرد ہو کہ دوسرے لوگوں کا ساتھ دے رہے ہو، بہت کچھ فرمایا مگر میں خاموش رہا۔ صبح ہوتے ہی شیخ الحدیث صاحب اور استاذیم حامد علی صاحبؒ

منکیرہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں اجتماع ہوا مگر کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہو سکا۔ غالباً عملی طور پر پیر عبدالغفور صاحب کے لوگوں کو غلبہ رہا اور نکاح نہ ہو سکا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الحاصل! مصلحت کا تقاضا تھا کہ میں اپنے استاذوں کے سامنے کم از کم خاموش رہتا مگر خاموش نہ رہ سکا، ادب کے ساتھ حق بات کہہ دی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

حق گوئی کا دوسرا واقعہ:

• ہمارے علاقہ موضع بھڑ ضلع بھکر میں ایک صاحب کے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے، وہ بدکاری کرتے ہوئے پکڑا گیا، اہلِ محلہ نے اس پڑوسی کی مدد کے لیے جرگہ کیا، جرگہ کے فیصلے میں جو امور طے ہوئے، ان میں ایک امر یہ تھا کہ زانی تین طلاق کی قسم اٹھائے کہ ''اگر آئندہ میں بدکاری کے لیے پڑوسی کے گھر گیا تو میری بیوی کو تین طلاق ہوں گی۔'' زانی شادی شدہ تھا، اس نے شرطیہ الفاظ کے ساتھ قسم اٹھالی۔ لوگوں نے یقین کر لیا کہ اگر اس نے قسم توڑی اس کی بیوی کو تین طلاقیں ہو جائیں گی مگر چند دنوں کے بعد بھکر استاذیم شیخ الحدیث مولانا محمد شریف صاحب کے پاس پہنچا، اس نے سارا واقعہ ذکر کیا اور حیلہ پوچھا تاکہ وہ دوبارہ پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کر سکے۔ شاید شیخ الحدیث صاحب نے مولوی محمد نواز صاحب جال والے سے مشورہ کر کے فرمایا، خود مولانا محمد نواز نے فرمایا، حیلہ تو ہو سکتا ہے مگر زنا کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ جب سائل نے اصرار کیا تو آپ نے یا مولانا محمد نواز نے فرمایا، تم اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دے دو، نکاح ختم ہو جائے گا، دوبارہ پڑوسی کے گھر میں بدکاری کے لیے جائیں گے تو مشروط تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی کیونکہ تمہاری بیوی نکاح سے خارج ہو چکی ہو گی اور مشروط طلاق منکوحہ بیوی پر واقع ہوتی ہے، پڑوسی کے گھر جانے سے تعلیق ختم ہو جائے گی پھر دوبارہ دو گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کے ساتھ جدید

نکاح کرلینا۔ چنانچہ زانی نے اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دے دی اور اس کے ایک یا دو دن کے بعد پڑوسی کے گھر میں بدکاری کے لیے داخل ہو گیا۔ شاید پڑوسی کہیں ملازم تھا، اکثر گھر میں نہیں ہوتا تھا، اس لیے زانی پڑوسی کے گھر جا کر زنا کا ارتکاب کرتا تھا۔ لوگوں نے زانی کو اس کے پڑوسی کے گھر دوبارہ داخل ہوتے دیکھ لیا اور اسے پکڑ لیا۔ زانی نے کہا، میں نے حیلہ کیا ہوا ہے، میری بیوی کو طلاق نہیں ہوتی، طلاقِ بائن کے بعد میں نے قسم توڑی اور اپنی بیوی کے ساتھ جدید نکاح کر لیا ہے۔ اس نے لوگوں سے کہا، میرے ساتھ بھکر چلو چنانچہ بھکر شیخ الحدیث صاحب نے مولانا محمد نواز جال والے کی مدد سے مدلل فتوی جاری کیا کہ زانی کی بیوی پر مشروط تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں لیکن اسی علاقہ کے مولانا عبدالکریمؒ بہل والے نے فتویٰ دیا کہ طلاق بائن کی عدت میں وجود شرط سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں لہٰذا زانی کی بیوی پر طلاقیں واقع ہو گئیں اور زانی پر اپنی بیوی حرام ہو گئی، بغیر حلالہ شرعی جدید نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ تنازع جلسہ اور جلوسوں اور مار پیٹ تک پہنچ گیا۔ چونکہ شیخ الحدیثؒ بااثر آدمی تھے، انہوں نے مولانا عبدالرشیدؒ جھنگ والے اور دیگر علماء سے محمد نواز جال والے کے فتوی پر دستخط کرالیے، خواجہ فقیر محمدؒ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور مولانا عبدالکریم صاحب نے بھی چند غیر مشہور علماء سے تصدیق کرائی مگر شیخ الحدیث صاحب نے خواجہ فقیر محمد صاحب دربار پیر باروؒ اور دیگر بڑے بڑے لوگوں کو بلا کر موضع بھڑ رشید شاہ جلسہ رکھ کر اپنے فتوی کا اعلان کرا دیا۔ مولانا عبدالکریم نے مولانا محمد نواز جال والے کا فتویٰ جس پر شیخ الحدیث صاحب اور مولانا عبدالرشید صاحب اور دیگر علماء کے تصدیقی دستخط تھے، مجھے کراچی گلزارِ حبیب میں بھجوا دیا۔ میں نے بیس پچیس فل پیج کا فتوی لکھا اور ثابت کیا کہ طلاقِ بائن کی عدت تک بیوی طلاق کا محل رہتی ہے لہٰذا عدت میں وجودِ شرط سے موصوف زانی کی بیوی پر تین طلاقیں

واقع ہو چکی ہیں۔ میں نے اپنے فتوے کی کاپی اور مولانا محمد نواز جال والے کے فتوے کی کاپی کراچی اور لاہور کے بڑے بڑے حنفی مدارس اہلسنت اور مدارس دیوبند کو بھجوائے، سب نے میرے فتویٰ کی تائید فرمائی اور مولوی محمد نواز کے فتویٰ کو غلط قرار دیا۔ میں نے فتاویٰ مولانا عبدالکریم صاحب کو بھجوادیے۔ جب میرے فتوے کو مخالف حضرات نے پڑھا، مولوی نواز جال والے تو خاموش رہے مگر مولانا عبدالرشید جھنگ والوں نے میرے فتویٰ کا رد لکھا۔ میں نے پھر جواب الجواب دیا۔ موصوف کے فتوی سے مجھے حیرت ہوئی کہ آپ فقہ کی کتابوں کے نام در مختار اور رد المحتار کے فرق سے بھی لاعلم لگتے تھے۔ بڑے بڑے مشہور اکثر علماء در حقیقت فقہ کے مسائل سے بے خبر ہوتے ہیں۔ میرے فتویٰ کی ایک نقل مفتی محمد ابراہیم صاحب وان بھجراں والے کو پہنچی، انہوں نے مجھے ملاقات کے وقت بتایا، مفتی صاحب! آپ کا فتویٰ پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے۔ انہوں نے فرمایا، ہمارے بڑے علماء فقہ کے مسائل سے ناواقف ہونے کے باوجود مفتی بنے ہوئے ہیں۔ الحمدللہ! حق واضح ہو گیا مگر آج تک عمل مولوی محمد نواز جال والے اور شیخ الحدیث صاحب کے فتویٰ پر ہو رہا ہے اور اس گروپ کے سارے لوگ گنہگار ہو رہے ہیں۔

لطیفہ: مخالف مفتی سے ملاقات:

• فتویٰ کے تنازع کے کئی ماہ بعد مجھے ڈیرہ اسماعیل خان اپنے پیر بھائی صاحبزادہ ابوالحسن صاحب اور سراج الحسن صاحب کے نورانی دارالعلوم ڈی آئی خان میں جانا ہوا، جب میں گیٹ پر پہنچا، معلوم ہوا مولوی محمد نواز جال والے مدرسہ میں آئے ہوئے ہیں، صاحبزادہ سراج الحسن صاحب ڈر گئے اور کہنے لگے، مولوی محمد نواز صاحب بہت لڑاکا آدمی ہے، اگر اس کو آپ کی آمد کا پتہ چل گیا تو ہو سکتا ہے ہاتھا پائی ہو جائے۔ مجھے فرمایا، آپ کو خفیہ راستے سے ہم مدرسے کے دوسرے

کمرے میں لے جاتے ہیں تاکہ مولوی محمد نواز کو آپ کا علم نہ ہو سکے۔ خوفزدہ ہو کر میں دوسرے کمرے میں پہنچا لیکن مولوی محمد نواز کو میری آمد اور کمرہ کا کسی طرح علم ہو گیا۔ مولوی محمد نواز فوراً میرے کمرے میں آگیا اور کہا، کیا آپ مفتی رفیق ہیں۔ اسے یقین نہ آئے کیونکہ میں سیاہ داڑھی کے ساتھ اسمارٹ جسم کی وجہ سے نو عمر طالب علم لگتا تھا، اس نے صاحبزادہ سراج الحسن اور دیگر سے پوچھا، کراچی والے مفتی رفیق جنہوں نے میرے فتویٰ کا رد لکھا، یہی ہیں۔ انہوں نے کہا، جی یہی ہیں۔ پھر مجھے کہنے لگا، میرے فتویٰ کا رد آپ نے لکھا ہے؟ میں نے کہا، جی ہاں میں نے لکھا ہے۔ اس نے میرے ہاتھ پکڑ لیے اور چومنا شروع کر دیے، اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے، کہنے لگے "ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ"۔ پھر ہم نے اکٹھے چائے پی، پھر وہ رخصت لے کر چلا گیا اور میں اپنی مصروفیات میں مصروف ہو گیا۔ بحمدہ تعالیٰ وہ فتویٰ میں نے کانٹ چھانٹ کر کے اپنی کتاب رفیق الفقہاء میں چھاپ دیا ہے، مگر اس میں طویل سوال و جواب اور مولانا عبدالرشید صاحب جھنگوی کی غلط باتوں پر تنقید ترک کر دی ہے۔

ایک صاحبزادہ صاحب کی مشروط طلاق کا ذکر:

• ضلع لیّہ میں ایک خانقاہ کے پیر صاحب کے شادی شدہ صاحبزادہ صاحب کسی دوسری لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے مگر والدین منع کرتے تھے۔ اپنی قوم کی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ صاحبزادہ صاحب نے کہہ دیا، اگر موصوفہ لڑکی سے میں نے شادی نہ کی تو موجودہ بیوی کو تین طلاق۔ کہرام مچ گیا۔ سنا گیا کہ صوفی عبدالواحد نے انوار العلوم سے حضرت مفتی غلام مصطفےٰ رضوی صاحب اور دیگر مفتیان سے فتاویٰ طلب کیے۔ انہوں نے جواب دیا، اگر صاحبزادہ صاحب نے موصوفہ لڑکی سے شادی نہ کی تو اس کی

موجودہ بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اور تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ صوفی عبدالواحد صاحب چوک اعظم والوں نے مجھے فون کیا، میں نے عرض کیا، اسی قسم کا مسئلہ میرے بھائی محمد حنیف کے ساتھ پیش آیا تھا اور میں اس کا جواب لکھ چکا ہوں، وہ ارسال کر رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا، اس قسم کے الفاظ جن میں معین وقت کا ذکر نہیں ہوتا، تعلیقِ طلاق سے طلاق اس وقت واقع ہوتی ہے جب امکانِ برّ نہ رہے یعنی قسم سے بری ہونے کا امکان نہ رہے اور امکان اس وقت ختم ہو گا جب صاحبزادہ صاحب فوت ہوں گے یا موصوفہ لڑکی فوت ہو گی کیونکہ اس وقت نکاح کا امکان ختم ہو جائے گا اور اس وقت شوہر کی مشروط طلاق واقع ہو گی اور اس وقت طلاق کے احکام جاری ہوں گے۔ لہٰذا بے شک دوسری شادی نہ ہو، صاحبزادہ صاحب کی موجودہ بیوی کو فوراً طلاق نہیں ہو گی۔

عشر اور زکوٰۃ کے مسئلہ میں پیروں کی اصطلاح:

• ۲۳/۷/۱۹۷۲ء میں جامعہ نعمانیہ میں پڑھاتا تھا، عشر و زکوٰۃ کے مسائل پڑھانے کے دوران میں نے زیرِ تعلیم طلباء سے کہا کہ آج کا المیہ یہ ہے کہ نام نہاد پیران کرام اور سجادہ نشینان عشر اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتے حالانکہ عشر ہر اس فصل پر واجب ہوتا ہے جو زمین کی پیداوار ہو اور مالک اس فصل کو کاشت کرتا ہو یا حفاظت کرتا ہو خواہ گھاس ہو یا غیر گھاس، گندم، جو، باجرہ، جوار، گوارہ، گنہ (کماد)، باغات وغیرہ۔ جن فصلوں کو لوگ کاشت کرتے ہیں، وہ فصل خود پیدا نہیں ہوتے ان کا عشر مالک پر فرض ہوتا ہے۔ آج کل کے سجادہ نشین حضرات ہزاروں ایکڑ زمین کے مالک ہوتے ہیں، ان زمنوں میں ایک سال میں دو دو تین تین فصلیں اگاتے ہیں، کروڑوں کے باغات کے پھل مالٹے اور آم وغیرہ سالہا سال سے فروخت کر رہے ہیں اور کھا رہے ہیں مگر جن خانقاہوں پر میں پڑھاتا رہا یا میرا آنا جانا رہا، میرے علم کے مطابق وہ پیر اور سجادہ نشینان عشر ادا نہیں کرتے اور

ان کے گھروں کی زوجات اور بنات اور اخوات کے لاکھوں کروڑوں کے زیورات ہوتے ہیں مگر کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے زکوٰۃ دی ہو بلکہ موجودہ سجادہ نشینان اپنے مریدوں کے عشر اور زکوٰۃ خود کھا جاتے ہیں اور عشر و زکوٰۃ کے مال سے اپنے گھر اور بنگلے اور اپنے آباء واجداد کے مزارات بناتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ پیری مریدی کا لحاظ کرتے ہوئے خانقاہوں کے اعراس اور جلسوں میں حاضر ہونے والے علماء بھی اس موضوع پر گفتگو نہیں کرتے۔ علماء سوء صرف لفافوں کے طلبگار ہوتے ہیں اور بس۔

• چونکہ ضلع لیّہ اور مظفر گڑھ اور بھکر وغیرہ میں خانقاہوں کی کثرت ہے۔ تدریسی کلاسوں میں اکثر طلباء ان خانقاہوں کے سجادہ نشینوں کے مریدین اور متعلقین ہوتے تھے، جب دورانِ کلاس مجھ سے طلباء نے اپنے پیروں پر تنقید سنی تو ان کے چہرے متغیر ہوگئے۔ انہوں نے اپنے پیروں کو جاکر میری باتیں سنائیں۔ بعض سجادہ نشینوں نے جواب دیا کہ ہم پر عشر واجب ہی نہیں ہوتا کیونکہ ہمارے فصل خانقاہ پر آنے والے مہمانوں پر خرچ ہو جاتے ہیں لہٰذا خود عشر ادا ہو جاتا ہے۔ جب مجھے بعض سجادہ نشینوں کا جواب ملا، میں نے عرض کیا اس طرح زکوٰۃ اور عشر ادا نہیں ہوتے کیونکہ عشر میں زکوٰۃ کی طرح مستحق اور فقیر کو مالک بنادینا شرط ہے۔ یعنی دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ جس کو عشر دیا جارہا ہے وہ فقیر غیر سید، غیر کافر اور اصول وفروع سے نہ ہو۔ دوم یہ کہ مستحق کو عشر کا مالک بنادیا جائے۔ چاہے وہ مستحق عشر کی فصل کو فروخت کرکے اپنی حاجت پوری کرے چاہے وہ عشر کی فصل خود استعمال کرے۔ اگر تملیک اور مستحق موجود نہیں تو عشر ادا نہیں ہوتا۔ خانقاہوں اور مزارات پر کھانوں میں دونوں شرطیں نہیں ہوتیں، نہ زائرین مستحق ہوتے ہیں اور نہ ان کو طعام کا مالک بنایا جاتا ہے بلکہ اباحت ہوتی ہے، یہ کہ جتنا کھاؤ کھالو باقی رکھ دو۔ عشر کے لیے ضروری ہے کہ

فصل اٹھاتے ہی عشر کی دسویں یا بیسویں بوری الگ کر دی جائے اور ان بوریوں کا مستحقین کو مالک بنا دیا جائے ورنہ عشر ادا نہیں ہوگا۔ خانقاہوں اور درباروں پر فصل اور پھل خود مالک اور ان کے اصول اور فروع بھی کھا رہے ہوتے ہیں اور غنی، فقیر، سید، غیر سید، مسلم اور غیر مسلم کا فرق بھی نہیں کیا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر خانقاہوں کے سجادہ نشینان شریعت سے واقف نہیں ہوتے یا آخرت کے خوف سے خالی ہوتے ہیں۔

استاذوں کی طرف غلط نسبت:

• جب طلباء نے بعض سجادہ نشین حضرات کو میری باتیں سنائیں، ان میں سے بعض نے کہا، ہم نے مفتی رفیق کے استاذ محترم حضرت مولانا عطا محمد بندیالویؒ سے یہی مسئلہ پوچھا تھا، انہوں نے فرمایا تھا، خانقاہوں کے متولیان اور مالکان پر عشر واجب نہیں ہوتا کیونکہ ان کی فصلیں زائرین پر خرچ ہو جاتی ہیں۔ مجھے جب اس بات کا علم ہوا، بندیال شریف جا کر میں نے استاذوں سے عرض کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ سجادہ نشینوں پر عشر واجب نہیں ہوتا، یہ بات آپ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، وہ لوگ بکواس کرتے ہیں، میں نے کبھی ایسا نہیں کہا۔

• سنا ہے میرے درس سے بعض سجادہ نشینوں نے باقاعدہ عشر دینا شروع کر دیا مگر اکثر خانقاہوں کے سجادہ نشینان عشر بلکہ زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتے، الٹا مجھے گستاخ کہتے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ یہ پیر صاحبان لوگوں کو بیعت بھی کرتے رہتے ہیں، اپنے اموال کی زکوٰۃ اور فصلوں کا عشر ادا نہیں کرتے، الٹا مریدین کی زکوٰۃ اور عشر خود کھا جاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ جب نام نہاد پیروں کے آستانوں سے بے دینی پھیلے گی تو کہاں دین ہوگا۔ اور یہی حال جاہل نعت خوان اور نام نہاد علماء اور مفتیان کرام کا ہے۔

• علماء و عاملین کو چاہیے کہ بزرگانِ دین کے اعراس مبارکہ پر اپنی تقریروں میں زکوٰۃ، عشر، حج کے وجوب اور صدقات واجبہ کے مصارف کے حوالے سے تقریر کریں کیونکہ اکثر سجادہ نشین حضرات دینی مسائل سے واقف نہیں ہوتے۔ چونکہ بعض سجادہ نشینان نے اپنے آباء و اجداد کو صرف نماز پڑھتے اور روزے رکھتے دیکھا ہوتا ہے، اس لیے وہ نماز اور روزے کا اہتمام تو کرتے ہیں مگر صدقات واجبہ ادا نہیں کرتے۔

تدریس کے آغاز کا عجیب واقعہ:

• حضرت عبداللہ المعروف پیر بارو اور سواگ شریف کے دیگر خلفاء ہماری برادری کا بے حد احترام کرتے تھے کیونکہ ہماری برادری سواگ شریف کے لیے ننھیال بنتی تھی۔ چنانچہ ان واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ مجھے طالب علمی اور اس کے بعد بھی پیر بارو کے پاس حاضر ہونے کا بار بار موقع ملا۔ میں دو یا تین سال لیّہ میں مدرسہ نعمانیہ میں تعلیم حاصل کرتا رہا اور تقریباً درس نظامی سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ نعمانیہ میں بحیثیت مدرس میرا تقرر ہو گیا۔ ۱۹۷۱ء کے رمضان المبارک میں بندیال شریف سے علوم کی تکمیل کر کے رمضان المبارک میں ہم فیصل آباد دارالعلوم قادریہ رضویہ میں مفتی سید محمد افضل حسین صاحبؒ سے علمِ توقیت اور تصریح پڑھنے چلے گئے۔ ہم طالب علم تھے، میرے علاوہ مولانا عطا محمد متین پکہ گھنجیرہ، مولانا عبدالرشید کشمیری، مولانا محمد اقبال آف بالا، مولانا محمد نواز میرے کزن، مولانا دلنواز صاحب ہم سبق تھے۔ ہم نے دارالعلوم قادریہ رضویہ بولے دی جھگی فیصل آباد اسباق شروع کر دیے۔ اسی رمضان المبارک میں مسجد ہجویری میں استاذیم مولانا غلام علی اوکاڑوی رحمہ اللہ دورہ تفسیر پڑھا رہے تھے، وہاں بھی داخلہ لے لیا اور ترجمہ اور تفسیر کے اسباق شروع کر دیے۔ ابھی رمضان المبارک ختم نہیں ہوا تھا، لیّہ سے استاذیم حضرت

صوفی حامد علی صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے آدمی آیا، اس نے پیغام دیا کہ استاذوں کا حکم ہے اگلے سال آپ لیّہ میں پڑھائیں گے۔ میں نے ہاں کر دی۔ ہم عید پر گھر چلے گئے۔ مولانا محمد نواز صاحب کا نوجوان بھائی غلام حسین رحمہ اللہ اسی رمضان میں فوت ہو گیا تھا، وہ مجھ سے پہلے گھر پہنچے ہوئے تھے۔ ہم نے اپنے والدین اور عزیز و اقارب کو بتایا کہ ہم نے علومِ دین کی تکمیل کر لی ہے۔ لوگ ہمارے والد صاحب کو مبارکباد دینے آتے تھے اور کہتے تھے، ملک صاحب، آپ کا بیٹا علوم مکمل کر کے واپس آ گیا ہے مبارک ہو۔ اب آپ نے جو ہل چلانے کے لیے نوکر (بیلی) رکھا ہوا ہے، اس کی ضرورت نہیں رہے گی، آپ کا بیٹا آپ کے ساتھ ہل چلائے گا اور آپ بیٹے سے کہیں مسجد میں ہمارے بچوں کو قرآن بھی پڑھائیں، ہم روزانہ وظیفہ (ایک ایک روٹی) ہر گھر سے دیا کریں گے۔ کیونکہ ہمارے علاقے میں مولویوں کے لیے تنخواہ کا یہی رواج چل رہا تھا۔ میرے والد اور والدہ خوش ہوتے تھے اور لوگوں کو ہاں ہاں میں جواب دیتے کیونکہ میرے کزن مولانا محمد نواز صاحب جو کہ اپنے بھائی کی وفات پر مجھ سے پہلے آئے ہوئے تھے، وہ سارا دن اپنے والد کے ساتھ ہل چلاتے تھے، بیلوں کا ایک جوڑا چلانا اس کے ذمے تھا۔ میں والدین اور لوگوں کی باتیں سنتا رہتا تھا، انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ علومِ دینیہ کا مدرس ہونا بھی مولوی کا کام ہوتا ہے۔ ہماری برادری بلکہ علاقہ میں کوئی ایسی مثال موجود نہیں تھی۔ مجھے حسبِ وعدہ ۱۵ شوال دارالعلوم نعمانیہ لیّہ تدریس کے لیے پہنچنا تھا۔ میں نے اپنے تقرر کا کسی کو نہیں بتایا تھا۔ قبلہ والد صاحب سے پیر بارو رحمہ اللہ کی زیارت کے لیے اجازت لے کر دربار بارویہ سے ہوتا ہوا، ۱۵ شوال سے پہلے استاذیم حضرت حامد علی صاحب رحمہ اللہ کے پاس لیّہ پہنچ گیا اور تدریس شروع کر دی۔ اس وقت ملا حسن اور ہدایہ وغیرہ کے تقریباً سات آٹھ اسباق شروع کرا دیے۔ پڑھنے والے طلباء میں مولانا عمر

حیات چوبارہ اور مولانا غلام اکبر سرائے مہاجر اور مولانا محمد حیات قریشی منکیرہ وغیرہ طالب علم شریک تھے۔ جب پندرہ بیس دن تک گھر واپس نہ ہوا تو قبلہ والد مجھے تلاش کرنے کے لیے پیر باروؒ کے پاس حاضر ہوئے۔ وہاں سے انہیں معلوم ہوا میں لیّہ میں پھا رہا ہوں۔ قبلہ والد صاحبؒ لیّہ میں مدرسہ نعمانیہ کے گیٹ سے اندر داخل ہوئے، میں دھوپ میں گیٹ کے ساتھ پڑھا رہا تھا۔ جب میں نے والد صاحب کو دیکھا، سبق بند کر دیا اور والد صاحب کے قدموں پر ہاتھ رکھا اور سلام کیا۔ جب کلاس میں موجود طلباء نے مجھے ادب کرتے دیکھا، انہوں نے بھی میری طرح ادب سے سلام کیا۔ قبلہ والد صاحب حیران ہو گئے، اس وقت انہیں علم ہوا کہ علم سے فراغت کے بعد انسان مدرس بھی ہو سکتا ہے۔ لیّہ میں تین سال تک ڈیڑھ سو روپے، دوسرے اور تیسرے سال اڑھائی سو روپے تنخواہ پر دن رات پڑھایا کرتا تھا۔

پیر باروؒ سے بیعت اور آپ کے احترام کی حکایت:

• استاذیم صوفی حامد علی صاحب رحمہ اللہ تقریباً ہر ہفتے پیر باروؒ کی زیارت کے لیے جاتے تھے، عموماً میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا تھا۔ آپ کے کہنے سے پیر باروؒ کی بیعت بھی کر لی تھی۔ کبھی کبھی میں اکیلا بھی پیر باروؒ چلا جاتا تھا۔ خواجہ غلام حسن صاحبؒ کے ساتھ رشتہ داری کی وجہ سے پیر باروؒ میرا بہت خیال فرماتے تھے۔ عموماً درویش محمد نواز دامانی کو فرماتے، مولوی رفیق کے لیے مرغی ذبح کرو۔ شاید وہ درویش مجھے حقیر اور کمتر سمجھنے کی وجہ سے اندر سے کڑھتا تھا، چونکہ حضرت پیر بارو رحمہ اللہ اونچا سنتے تھے، ان سے بلند آواز سے کہتا تھا، ٹھیک ہے جی ذبح کرتا ہوں مگر ہلکی آواز میں کہتا تھا بڑے مرغی کھانے والے آ گئے۔ یعنی مجھے کمتر سمجھنے کی وجہ سے یہ الفاظ کہتا تھا کہ مرغی تو بڑے لوگوں کے لیے ہوتی ہے، وہ ٹالنے کی غرض سے اِدھر اُدھر چلا جاتا تھا، حضرت پیر باروؒ پھر بلا کر پوچھتے،

ان کوہاں کر دیتا تھا مگر عمل نہیں کرتا تھا۔ متعدد مرتبہ سختی سے کہنے پر مرغی ذبح کرتا تھا۔ ایک دفعہ صبح کا ناشتہ لایا گیا۔ حضرت پیر باروؒ کے لیے انڈا اور پراٹھہ وغیرہ لایا گیا اور باقی لوگوں کے لیے پاپے لائے گئے۔ میں حضرت صاحب کے سامنے بیٹھا تھا، میرے سامنے پاپے رکھے گئے اور میں کسی معاملہ میں آپ کے ساتھ بلند آواز سے باتیں کر رہا تھا کیونکہ آپ اونچا سنتے تھے۔

پیر باروؒ نے اپنا ناشتہ مجھے دے دیا:

• حضرت صاحب نے اپنا ناشتہ انڈے وغیرہ مجھے دے دیے۔ جب محمد نواز لانگری نے دیکھا، غصے سے کہنے لگا، مولوی صاحب ناشتہ بھی کر رہے ہیں اور باتیں بھی کر رہے ہیں حالانکہ کھانا کھاتے وقت باتیں کرنا جائز نہیں ہے۔ اب مصلحت کا تقاضا تو یہ تھا کہ میں خاموش رہتا، حضرت موجود تھے، میں نے محمد نواز لانگری کو جواب دیا، کھانا کھاتے وقت مسلمانوں کا باہم باتیں کرنا تو سنت ہے کیونکہ جب یہودی کھانا کھاتے ہیں وہ بات نہیں کرتے اس لیے حدیث میں حکم ہے یہودیوں کی مخالفت کرو اور کھانا کھاتے وقت باتیں کیا کرو۔ (شامی) میں نے عرض کیا، البتہ وضو کے وقت باتیں کرنا مکروہ ہے۔ محمد نواز بڑبڑ کرتے ہوئے چلا گیا مگر میں نے حضرت صاحب کے سامنے وہاں موجود بیسیوں لوگوں کو مسئلہ بتا دیا۔ الحمدللہ علی ذالک۔ اگر دیکھا جائے مصلحت کا تقاضا تھا کہ میں خاموش رہتا مگر میں نے مصلحت کو نظرانداز کیا اور شریعت پر خاموشی نہ کی۔ ہمیں ادب اور حکمت کے ساتھ حق بات کرنی چاہیے لیکن فساد کا اندیشہ ہو تو خاموشی بہتر ہے۔

ایک طالب علم کے دفاع میں استاذیم غلام علی اوکاڑویؒ سے مذاکرہ:

• جب ہم فیصل آباد تفسیر پڑھنے کے لیے جامع مسجد ہجویری جایا کرتے، حضرت مولانا غلام علی اکاڑویؒ تفسیر پڑھاتے تھے۔ جب انہوں نے ایاک نعبد وایاک نستعین کا درس دیا، آپ نے دیگر علماء کی طرح استعانۃ بالغیر پر تقریر فرمائی کہ

ایاک نعبد وایاک نستعین میں حصر اور تخصیص ہے مگر اسباب کو اسباب سمجھ کر اسباب سے استعانت اور انبیاء اور اولیاء سے استعانت در حقیقت اللہ تعالیٰ سے استعانت ہے۔ یہ استعانت تخصیص کے خلاف نہیں ہے۔ تقریباً ایک سو کے قریب طلباء کی کلاس ہوتی تھی۔ ایک طالب علم جو چکوال کے مولانا سید زبیر صاحب کے مدرسہ سے آیا ہوا تھا، بولا، حضور یہ بتائیں ایاک نعبد وایاک نستعین میں سلب العموم ہے یا عموم السلب ہے۔ اس پر حضرت مولانا غلام علی اوکاڑویؒ نے طالب علم سے پوچھا، یہاں سلب اور نفی کہاں ہے یہاں تو تخصیص ہے۔ طالب علم خاموش ہو گیا استاذیم مولانا غلام علی صاحبؒ نے اس طالب علم کی نہایت تضحیک اور تذلیل فرمائی جس سے اس طالب علم کی یقیناً دل شکنی ہوئی ہو گی۔ اس پر انہوں نے طلباء کو ایک حکایت سنائی کہ دو آدمی کسی مصیبت زدہ آدمی کے بیٹے کی وفات پر تشریف لے گئے۔ ایصالِ ثواب کی دعا کے بعد ان میں سے ایک آدمی جو پڑھے لکھے تھے، نے تعزیت کرتے ہوئے کہا، اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور آپ کو بیٹے کا نعم البدل عطا فرمائے۔ دوسرا آدمی جو کہ ان پڑھ تھا، اس نے نعم البدل کے الفاظ یاد کر لیے۔ دل میں کہنے لگا، آئے روز تعزیت کے لیے جانا ہوتا ہے، یہ اچھا لفظ ہے، میں بھی یہی الفاظ استعمال کروں گا۔ چنانچہ کسی آدمی کا باپ فوت ہو گیا، ان پڑھ آدمی تعزیت کے لیے ان کے گھر گیا، اظہارِ افسوس کے بعد کہا، اللہ آپ کو باپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ ان الفاظ پر اگلے آدمی نے جوتا اٹھا کر اسے مارنا شروع کر دیا اور کہنے لگا، بدبخت تو میری ماں کو دوسرا شوہر دینے کی دعا کر رہا ہے۔ استاذ صاحب فرمانے لگے، طلباء لوگ الفاظ رٹ لیتے ہیں مگر تعزیت والے کی طرح انہیں کسی مفہوم کا علم نہیں ہوتا۔ یہاں نفی اور سلب ہی نہیں ہے تو سلب العموم یا عموم السلب پوچھنے کی کیا ضرورت ہے مگر طالب علم نے سوال کر دیا۔ اس حکایت سے پوری مسجد قہقہہ سے گونج اٹھی

اور وہ طالب نہایت شرمندہ ہو گیا۔ طالب علم کی حوصلہ افزائی کے لیے میں نے عرض کیا، حضور آپ فرمارہے ہیں آیتِ کریمہ میں حصر اور تخصیص ہے، آپ فرمائیں تخصیص کے معنی کیا ہے؟ انہوں نے مجھے فرمایا، تم بتادو۔ میں نے کہا، تخصیص کا معنی ”ثبوت شیء لشیء و نفیہ عن غیرہ“ یعنی ایک چیز کا دوسری چیز کے لیے ثبوت ہو اور اس چیز کی اس کے غیر سے نفی ہو۔ جس طرح یہاں عبادت اور استعانت کا اللہ تعالیٰ کے لیے ثبوت ہے اور اللہ کے غیر سے ان دونوں کی نفی ہے۔ میں نے عرض کیا، اگر تخصیص اور حصر کا یہ معنی صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو آیت کریمہ میں نفی اور سلب بھی ہے، اب آپ فرمائیں یہ عموم النفی ہے یا نفی العموم ہے؟ جب میں نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا، مجھے لگ رہا تھا مجھے ڈانٹ پڑے گی مگر خاموشی چھا گئی۔ اس کا جواب دیے بغیر آپ نے آگے تقریر شروع فرمادی حالانکہ یہاں عموم النفی اور عموم السلب ہے اور یہ جملہ سالبہ کلیہ کے معنی میں ہے۔ اس دن کے بعد ہم بندیالیوں نے حضرت کے درس میں شرکت کرنے کا ارادہ ترک کردیا، ہم سمجھے حضرت تسلی نہیں کراسکتے۔ مگر دستار بندی کے وقت میں نے جلسہ میں شرکت کی اجازت مانگی، انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی۔ شریک ہونے پر انہوں نے سب سے پہلے مجھے بلایا اور دستار اور جبہ سے نوازا اور سند بھی عطا فرمائی شاید یہ طالب علم کی حوصلہ افزائی کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے استاذوں کو ہمارے لیے شفیق بنادیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خطیبِ پاکستان کے ساتھ مذاکرہ:

- ضلع لیّہ میں تدریس کے دوران رمضان المبارک کی تعطیلات میں اپنے کزن مولانا محمد نواز صاحب اور اپنے دوست محمد بخش حسنی کے پاس کراچی آجاتا تھا۔ مولانا محمد نواز دارالعلوم غوثیہ طارق روڈ مدرس تھے۔ حضرت مولانا محمد شفیع

اوکاڑویؒ نے انہیں ایک سو روپے تنخواہ پر درسِ نظامی کا استاد رکھا تھا۔ غالباً ۱۹۷۴ء کے رمضان میں میرے کزن کہنے لگے، غوثیہ سے شیخ الحدیث مولانا محمد رمضان صاحبؒ چلے گئے ہیں، ان کی سیٹ خالی ہے اگر مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کو انٹرویو دیں، ہو سکتا ہے غوثیہ میں آپ کو رکھ لیا جائے، بہت اچھی جگہ ہے۔ ہم دونوں حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑویؒ کے گھر مسجد مولانا روم کے عقب میں حاضر ہوئے۔ مولانا محمد نواز صاحب نے میرا تعارف کرایا اور مدرسہ میں خالی سیٹ دے دینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑویؒ نہایت ذہین آدمی تھے اور علماء کرام کا احترام کرتے تھے۔ انہوں نے بظاہر مجھ سے انٹرویو تو نہ لیا مگر غیر محسوس طریقے سے مجھے فرمایا، مولانا اس سوال کا کیا جواب ہے کہ قادیانی یہ اعتراض کرتے ہیں قرآن کی آیت ''اَللّٰهُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌۢ عَلِیۡمٌ'' (سورۃ حج، آیت ۷۵) (اللہ تعالیٰ چُنتا ہے فرشتوں اور لوگوں سے رسول، بے شک اللہ تعالیٰ سمیع اور علیم ہے)۔ فرمانے لگے، لفظ اللہ فاعل ہے اور یصطفی مضارع ہے۔ قادیانی کہتے ہیں 'یصطفی'' مضارع سے زمانہ استقبال مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں سے رسول چُنتا رہے گا لہٰذا مرزا غلام احمد قادیانی کو اللہ تعالیٰ نے رسول چن لیا۔

اس وقت میری حالت یہ تھی کہ میں نے صرف تفسیر بیضاوی کے پہلے اڑھائی پاروں سے جو درس نظامی میں پڑھائے جاتے ہیں، ایک پارا استاذیم عطا محمد صاحبؒ سے پڑھا تھا، اس تفسیر کی مذکور مقدار کے علاوہ تفسیروں کا مطالعہ نہیں تھا۔ میں نے علامہ اوکاڑویؒ کو عرض کیا، میں نے اگرچہ اس آیت کے تحت تفسیریں نہیں دیکھیں مگر عرض یہ ہے کہ جو آپ نے فرمایا لفظ اللہ فاعل ہے، یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ شرح جامی وغیرہا میں تصریح ہے کہ فاعل فعل پر مقدم

نہیں ہو سکتا، آپ کا لفظ اللہ کو مبتداء فرمانا صحیح نہیں۔ اس پر حضرت کے چہرہ سے ندامت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے عرض کیا، لفظ اللہ مبتدا ہے اور یصطفی میں ہو ضمیر مستتر فاعل ہے اور یصطفی مضارع کا صیغہ ہے، اس میں دو زمانے حال اور استقبال مراد لیے جاتے ہیں، ان دو زمانوں میں مضارع مشترک ہوتا ہے یا حال حقیقت ہے اور استقبال مجاز ہے۔ اگر حقیقت اور مجاز کی بات تسلیم کی جائے تو یہاں حقیقت مراد ہو گی، مجاز بغیر دلیل کے مراد نہیں ہوتا اور اگر اشتراک تسلیم کیا جائے تو حال کے مراد ہونے پر دلائل موجود ہیں۔ قرآن مجید میں خاتم النبیین کا لفظ اور احادیث میں لا نبی بعدی کے الفاظ اس امر کی دلیل ہیں کہ یہاں حال مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور لوگوں سے رسولوں کو چن لیا ہے۔ مرزائیوں کا استقبال کا زمانہ مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ حضرت اوکاڑوی صاحبؒ میرے اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور اپنے ٹرسٹ کے سیکرٹری سیٹھی صاحب کو فون کیا کہ میں افریقہ جا رہا ہوں، میرے پاس ایک اچھے مولوی رفیق صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، اگلے سال یہ ہمارے مدرس ہونگے۔

عہد توڑ دیا:

• میں ہر سال تعطیلات میں اپنے کزن کے پاس تفریح کے لیے کراچی آجایا کرتا تھا کیونکہ تدریس لیّہ میں کر رہا تھا۔ ۱۹۷۴ء رمضان میں مولانا اللہ بخش صاحب وان بھچراں والے فوت ہو گئے اور ان کی نمازِ جنازہ میں جانے کے لیے مولانا غلام نبی صاحب اور مولانا طفیلؒ اور ان کے دیگر تلامذہ ٹرینوں اور جہازوں کے ذریعے وان بھچراں پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس حادثہ کو دیکھ کر میں نے سوچا کل مجھے والدین کے وصال کے لیے جانا پڑے یا میری وفات کراچی میں ہو جائے تو کیا ہو گا۔ حضرت اوکاڑوی صاحب سے کیا گیا وعدہ وفا نہ کیا۔ چنانچہ میں واپس لیّہ چلا گیا اور وہیں تدریس شروع کر دی۔ پھر اگلے سال ۱۹۷۵ء میں

رمضان المبارک کے بعد دارالعلوم امجدیہ میں تدریس شروع کردی، لیّہ کو الوداع کہہ دیا، جس کا ساری زندگی افسوس رہے گا۔

احد ہوکر احمد سڈاونڑتوں صدقے۔ جلسہ میں تنازع کا ذکر:

• ۲۰۱۲ء میں ہمارے غوری پیر بھائیوں اور خواجہ غلام فریدؒ کے مریدوں نے گلشن اقبال النساء کلب میں مشترکہ جلسہ رکھا۔ جلسہ کی صدارت کے لیے پیر احمد حسن صاحب دام ظلہ کا نام لکھا گیا۔ تقریر کے لیے مجھے اور مولانا غلام قطب الدین صاحب فریدی کو دعوت دی گئی تھی۔ مجھے کہا گیا اپنے ساتھ اپنے مدرسہ کے اساتذہ اور طلباء لے آنا تاکہ حاضرین کی کثرت سے رونق بڑھ جائے۔ چنانچہ مقررہ تاریخ کو جلسہ شروع ہوا۔ قاری مختار صاحب اناؤنسر تھے۔ پیر احمد حسن صاحب کرسئ صدارت پر موجود تھے۔ تلاوت اور نعت کے بعد میں نے تقریر کرلی۔ ابھی مولانا غلام قطب الدین صاحب نہیں آئے تھے۔ ان کے نعت خوان نے سرائیکی زبان میں ایک نعت پڑھی، اس میں اس نے یہ شعر پڑھا: "احد ہو کر احمد سڈاونڑ تون صدقے –تیڈا میم دا برقعہ پاونڑ توں صدقے"۔ یعنی سرورِ دوعالم ﷺ کے متعلق کہا جارہا ہے، درحقیقت آپ احد تھے لیکن احد کہلانے کو ترک کرکے اپنے آپ کو بلندی سے نچلی سطح پر لاکر احمد کہلایا، اس ایثار اور انکساری پر میں آپ پر قربان ہوجاؤں اور آپ نے میم کا برقعہ یعنی احد ہو کر محمد ہونے کا برقعہ پہن لیا اور نقاب میں اپنے آپ کو چھپادیا، ہم نے سمجھا یہ محمد ہے حالانکہ آپ تو احد تھے، آپ کے نقاب کرنے پر صدقے اور قربان جاؤں۔

یہ شعر معلوم نہیں کس شاعر کا تھا مگر لوگوں نے خواجہ غلام فریدؒ اور حضرت یار محمد صاحب گھڑی والے اور سلطان العارفین سلطان باہو کے اشعار میں اپنے اشعار داخل کردیئے اور اپنے اشعار کی نسبت ان اولیاء کرام کی طرف کرنے میں لگتا ہے یہ شعر بھی الحاقی ہے ورنہ عالم کبھی ایسا شعر نہیں کہہ سکتا۔ بہرصورت یہ

شعر شرعاً صحیح نہیں تھا اور سامعین کو یہ پیغام جارہا تھا کہ سرورِ دوعالم ﷺ اللہ تعالیٰ ہی ہیں کیونکہ احد کا لفظ صحابہ کرام نے اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کیا حضور علیہ السلام کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا۔ چنانچہ جنگوں میں ''احد احد'' مسلمانوں کا شعار تھا اور عوام احد سے یہی سمجھتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور سورۃ اخلاص میں بھی احد کا لفظ ''قل ہو اللہ احد'' میں اللہ تعالیٰ کے لیے ملفوظ ہے۔ جب نعت خوان نے نعت ختم کی، میں نے پیر احمد حسن صاحب سے عرض کیا، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس شعر کی وضاحت کردوں، انہوں نے فرمایا ٹھیک ہے۔ میں نے مائیک پر عرض کیا، لوگو! یہ شعر صحیح نہیں، احمد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، وہ لم یلد ولم یولد ہے اور اس کے لیے کوئی کفو رشتہ داری نہیں اور احمد ﷺ یلد اور یولد ہیں اور ان کے لیے کفو بھی ہے۔ احد معبود ہے اور احمد عابد ہے، احد خالق ہے اور احمد مخلوق ہے۔ احمد کو احد کہنا صحیح نہیں بلکہ موہم کفر ہے۔ میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا، وحدت الوجود کے نظریے کے لحاظ سے بھی یہ شعر صحیح نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں خاموش ہوکر بیٹھ گیا۔ اس دوران مولانا قطب الدین آگئے۔ خطبہ سے فارغ ہوتے ہی کہنے لگے جب میں گھر سے چلا تھا میرے اوپر کفر کے ننانوے فتوے لگ چکے تھے مگر فقیر اس وقت فقیر بنتا ہے جب اس پر کفر کے ایک سو فتوے لگادیے جائیں چنانچہ مولوی صاحب نے میرے اوپر کفر کا فتویٰ لگادیا، سو مکمل ہوگئے اب میں صحیح فقیر ہوگیا۔ مولانا اس شعر کا جواب تو نہ دے سکے نہ اس کی کوئی تاویل پیش کی مگر دس پندرہ منٹ مفتیوں اور فتویٰ پر تنقیص اور تضحیک میں لگادیے جو کہ میری طرف اشارہ ہوتا تھا۔ میں نے پیر احمد حسن صاحب سے عرض کیا، حضرت اس مولوی کو فرمائیں اپنے موضوع پر گفتگو کرے مگر وہ مجھے فرمائیں خاموش رہیں۔ آخر تنگ آکر میں نے قطب الدین کی باتوں کا جواب دینا شروع کردیا،

میں نے اسے کہا اگر احمد ہی خدا ہے تو خدا کو گنبد خضراء میں دفن کیوں کیا گیا، پھر سجدے کعبے کی طرف کرتے ہو، جب مدینہ میں خود خدا موجود ہے مدینے کی طرف سجدے کیوں نہیں کرتے۔ اگر العیاذ باللہ احمد ہی خدا ہے پھر تو وہی معبود بھی ہے کیا یہ شرک نہیں ہے۔ اس سے لازم آئے گا خدا شادی شدہ آکل شارب قضا و حاجت وغیرہ صفات کا حامل ہے۔ مولانا قطب الدین نے مولانا رومی کی طرف منسوب ایک شعر پڑھا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں "چوں تو ذات پیر را کردی قبول۔۔ ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول" ترجمہ: جب تو نے پیر کی ذات کو قبول کر لیا پھر اس کی ذات میں خدا اور رسول بھی آجاتا ہے۔ اس شعر کا مفہوم مولانا نے پیر اور خدا اور رسول کو ایک ذات سمجھا حالانکہ اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ جب تو نے اپنے پیر کی اطاعت کرلی اور اس کو قبول کر لیا اس کے درس سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور سرکار دو عالم ﷺ کی رسالت کو بھی تسلیم کر لیا۔ جس طرح ہم کہتے ہیں جس شخص نے محمد رسول اللہ کہہ دیا اور اس کی تصدیق کر دی گویا اس نے لا الہ الا اللہ بھی کہہ دیا اور اس کی تصدیق بھی کر دی۔ چونکہ مولانا مریدین کے لیے خدا بننے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اس لیے انہوں نے مولانا رومی کا یہ شعر اپنے استدلال میں پیش کیا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ مولوی قطب الدین کہنے لگا، مولانا رومی تو پیر کو بھی خدا کہہ رہے ہیں تو کیا حضور علیہ السلام کو خدا کہنا صحیح نہیں ہے۔ میں نے کہا، مولانا رومی کی طرف منسوب اس شعر کی نسبت غلط کی گئی ہے، یہ آپ کا شعر نہیں ہو سکتا یا پھر اس کا مفہوم وہ ہے جو علماء بیان کرتے ہیں۔ اگر بالفرض آپ کا شعر ہو بھی تو اس کی تاویل ہو سکتی ہے، خدا کا مفہوم وہ نہیں جس کا مصداق اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔ مگر مولوی صاحب کے پاس مائیک تھا، وہ جواب دینے کی بجائے میری تذلیل اور تنقیص پر ہی گفتگو کرتا رہا۔ اس پر میں اسٹیج سے اٹھا اور اپنے مدرسہ کے طلباء اور مدرسین کو کہا، چلو ہم نہیں

بیٹھ سکتے۔ ہم ہال سے نکلے تو اسٹیج سے دوسرے علماء اور جلسہ گاہ سے عوام بھی اٹھ گئے، جلسہ درہم برہم ہوگیا۔ مگر اسٹیج سے اعلان شروع ہوگیا پیر احمد حسن صاحب کا حکم ہے میرے مرید بیٹھے رہیں، معلوم نہیں ان کے کتنے مرید موجود رہے مگر جلسہ کی رونق ختم ہوگئی۔

خواجہ محمد عثمان پٹھان کا وحدۃ الوجود میں قول:

• پیر طریقت حضرت محمد عثمان مجددی نقشبندی خواجہ غلام حسن رحمہ اللہ کے شیخ طریقت فوائد عثمانیہ میں لکھتے ہیں کہ جاہل صوفیوں نے وحدۃ الوجود کو وحدۃ الموجود سمجھ لیا، مخلوق کو خالق کا اور ممکن کو واجب کا عین کہتے ہیں۔ اس وجہ سے فساد پھیلا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا اور مکتوبات شریف میں فرمایا، وحدۃ الوجود کا نظریہ بالفرض حق بھی ہو، اس نظریہ سے عوام کے غلط فہمی میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہے۔ وہ اس نظریے سے ممکن اور واجب کے اتحاد کو حق سمجھنے لگتے ہیں جو کہ صراحۃً باطل ہے جس طرح بعض مولوی بیان کرتے رہتے ہیں۔

ان موضوع پر ان شاء اللہ کتاب بنام ''عقیدۃ الرفیق لاہل التوفیق'' شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ الحاصل جس چیز کو شرعاً غلط سمجھا اُسے برملا کہہ دیا مگر حکمت عملی کے ساتھ تاکہ فساد لازم نہ آئے۔ لہٰذا علماء کی یہی شان ہونی چاہیے۔

یا سیّدی پر جھگڑا:

• ہمارے دوست جناب عبد اللطیف تنیو نے ذکر کیا کہ مدینہ منورہ میں چالیس پینتالیس سال رہنے والے ایک بزرگ مولانا محمد یوسف صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں، ان کی زیارت کرنی چاہیے۔ مولانا یوسف کی کچھ کرامتیں بھی ذکر کیں اور فرمایا وہ ایک عاشقِ رسول مجذوب ہیں۔ چنانچہ میں اپنے بیٹے عمیر اور عبد اللطیف کے ساتھ گلشن اقبال جس مکان میں وہ ٹھہرے ہوئے تھے، پہنچے۔

آپ چھ سات آدمیوں کے سامنے بلند آواز سے تقریر فرمارہے تھے۔ اولیاء کرام کی شان بہت اچھے انداز کے ساتھ علامہ اقبال کے اشعار کی روشنی میں بیان کر رہے تھے۔ ہر جملے پر لوگ کہتے تھے نور والا، خود بھی کہتے تھے، کہو نور والا۔ اسی دوران سرورِ دوعالم ﷺ کے متعلق کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ دوعالم ﷺ کو یاسیدی فرمایا ہے جیسا کہ سورہ یٰسٓ میں لفظ یٰسٓ ہے۔ اس جملے سے مجھے ایسا لگا آپ سے ادائیگی میں غلطی ہوگئی ہے کیونکہ اس جملے کا ایک صحیح مطلب بھی ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ تم حضور ﷺ کو یاسیدی کہو اور اس میں کوئی شک نہیں رسول اکرم ﷺ ہمارے سید ہیں۔ اس لیے پیر کرم شاہ صاحب بھیروی ؒ نے اس کا ترجمہ اے سید العرب والعجم کیا ہے لیکن بظاہر مولانا کے قول کا یہ مفہوم سمجھا جارہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سید ہیں حالانکہ یہ مفہوم بالکل غلط ہے۔ تقریر کے بعد ہم نے ہاتھ ملایا اور عرض کیا ہم دعا کے لیے حاضر ہوئے ہیں لیکن آپ کی تقریر سنی، تقریر میں آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے سرورِ دوعالم ﷺ کو یاسیدی فرمایا ہے، اس کا ظاہری مفہوم یہ بنتا ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے سید ہیں اللہ تعالیٰ ان کا غلام ہے، ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ مولانا صاحب بگڑ گئے، غصہ سے لال پیلے ہونے لگے، زور زور سے بولنے لگے اور کہنے لگے غلط عقیدے والے لوگ آجاتے ہیں، جب سرورِ دوعالم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تھے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو فرمایا تھا ''یا قبلتی یا سیدی''۔ اس وضاحت سے مجھے معلوم ہوا کہ مولانا کی مراد غلط مفہوم تھا، انہوں نے جو کہا تھا قصداً کہا تھا۔ ہم خاموش ہوگئے اور واپس آنے لگے۔ جناب عبداللطیف تنیو ان سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگے، محمد یوسف نے اسے تھپڑ مار دیے اور کہا کہ آئندہ ایسے مولوی کو ساتھ نہ لایا کرو۔ مجھے عبداللطیف تنیو کی تذلیل پر بہت افسوس ہوا کہ عبداللطیف

صاحب سفید ریش ہونے کے ساتھ ساتھ باوقار حکومتی افسر ہیں مگر بابا نے غصے میں انہیں تھپڑ مار دیا۔ واپس مدرسہ میں آئے تو صادق آباد کے مولانا منیر صاحب اور حاجی عبدالرؤف صاحب سے معلوم ہوا مولانا صادق آباد کے رہنے والے ہیں اور ان پر علاقہ کے علماء نے کفر کے فتوے بھی لگائے ہوئے ہیں اور ان کی ایسی باتوں کا ذکر آیا جو کہ خلافِ شریعت تھیں۔ بہر صورت ہمیں تو دو اجر مل گئے ایک ان کی زیارت کرنے کا، دوم ان کو صحیح بات سمجھانے کا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے۔

ہمارے مقررین کی یہی حالت ہے، زیادہ تر ان پڑھ ہوتے ہیں، ان کی تقاریر میں نہیں جانا چاہیے، وہ لوگوں کو غلط پیغام دیتے ہیں اگر انہیں مجلس میں روکا جائے تو فساد کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ہمارے استاذ مولانا عطا محمد بندیالوی عام مقررین کی تقاریر میں نہیں جاتے تھے۔

پیر بارو ؒ سے دوبارہ بیعت کا ذکر:

• جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں، میرے والدین اور برادری کے اکثر لوگ حضرت خواجہ غلام حسن ؒ کے مرید تھے اور ان کی تعلیم اور تربیت میں حضرت خواجہ غلام حسن ؒ کا اہم کردار تھا، ان کی صحبت نے ہماری قوم کو زمین سے ثریا تک پہنچا دیا تھا۔ میری ولادت ۱۹۵۰ء سے گیارہ سال پہلے ۱۹۳۹ء میں حضرت خواجہ غلام حسن ؒ کا وصال ہو گیا تھا۔ میں آپ کی زیارت نہ کر سکا۔ آپ کے جانشین حضرت خواجہ غلام محمد ؒ سے چالیس پچاس طلبہ کے جھرمٹ میں اس وقت بیعت کر لی تھی جب میری عمر آٹھ نو سال ہو گی۔ خانقاہ سواگ شریف پر پڑھتے تھے۔ ایک دن سب لڑکوں کو درباری درویشوں کی جانب سے کہا گیا کہ حضرت صاحب کی بیعت کر لو۔ ہم سب اکٹھے ایک حلقے میں بیٹھ گئے اور حضرت خواجہ غلام محمد ؒ نے بیعت کے مروج کلمہ شہادت اور ایمان مجمل اور مفصل دور بیٹھے پڑھا کر بیعت میں

داخل کرلیا اور دعا فرمادی۔ اس کے بعد ۱۹۷۲ء یا ۱۹۷۳ء میں استاذیم حضرت مولانا حامد علی صاحبؒ سے میں نے عرض کیا کہ میں پیر باروؒ کی بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ کیونکہ حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ فوت ہوگئے ہیں، ابھی تجدیدِ بیعت نہیں کرسکا اور سلسلہ نقشبندیہ میں تجدیدِ بیعت لازمی ہوتی ہے۔ آپ مجھے حضرت پیر باروؒ کے پاس لے گئے اور عرض کیا، مولوی رفیق آپ کی بیعت ہونا چاہتا ہے۔ آپ نے استاذیم مولانا حامد علیؒ کو فرمایا، آپ خود ان کو بیعت کرلیں مگر استاذیم حامد علیؒ نے عرض کیا، نہیں آپ بیعت فرمائیں۔ چنانچہ میں نے پیر باروؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، آپ نے مروج کلمات پڑھائے اور بیعت فرمالیا مگر مجھے کوئی وظیفہ نہیں بتایا کیونکہ عموماً علماء کو حضرت پیر باروؒ صرف پڑھانے کا حکم فرماتے تھے۔

پیر باروؒ نے فرمایا علماء کا قال بھی حال ہوتا ہے:

- چنانچہ جب میرے ساتھ استاذیم مولانا عطا محمد بندیالویؒ دربار بارویہ پر تشریف لے گئے تھے، آپ نے پیر باروؒ کو عرض کیا، میری زندگی قال میں گزر گئی ہے اب کچھ حال کے لیے دعا فرمائیں تو پیر باروؒ نے فرمایا، آپ جیسے علماء کا قال بھی حال ہے۔ مجھے اپنی بیعت کا ایک ہی فائدہ محسوس ہوتا ہے کہ میں نقشبندی سلسلہ میں داخل ہوگیا۔ ''المرء مع من احب'' کی روشنی میں آخرت میں ان شاءاللہ تعالیٰ سادات نقشبندیہ کے ساتھ ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حسنی ہونے کی وجہ تسمیہ:

- چونکہ علمی اور عملی تربیت کا آغاز پیر سوہاگ کی خانقاہ سے شروع ہوا تھا، اس لیے میں نے اپنے نام کے ساتھ حسنی (خواجہ غلام حسن والے) لکھنا شروع کردیا جو کہ اب میرے نام کا حصہ بن چکا ہے۔

عرس میں خواجہ غلام حسنؒ اور والدہ صاحبہؒ کی آمد:

• جب سے ہم کراچی منتقل ہوئے اس حسنی نسبت کی وجہ سے ہر سال حضرت خواجہ غلام حسنؒ کا عرس مناتے ہیں اگرچہ بہت چھوٹے پیمانے پر ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ اسی عنوان سے اتوار کے دن عرس کی تقریب منعقد کی گئی۔ حسب رواج پیر بھائیوں کو بھی دعوت دی گئی۔ اس مجلس میں صوفی محمد رمضان باروی صاحب زید مجدہ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے انداز میں شانِ اولیاء بیان کی۔ مجلس کے بعد صوفی محمد رمضان باروی صاحب، جو ابھی زندہ ہیں، فرمانے لگے، آج آپ پر خواجہ غلام حسنؒ کی خاص نظرِ کرم تھی۔ میں نے بیداری میں سر کی آنکھوں کے ساتھ دورانِ تقریر خواجہ حسنؒ کو اسی مجلس میں دیکھا۔ آپ کے ساتھ آپ کی والدہ بھی تھیں اور خواجہ غلام حسنؒ نے فرمایا، میں مفتی صاحب کی والدہ کو مدینہ منورہ لے جا رہا ہوں۔ الحمدللہ علی ذالک۔ صوفی صاحب نہایت نیک سیرت اور صادق اور امین آدمی ہیں، بچپن سے آپ کی صحبت حاصل رہی ہے۔ صوفی صاحب کی ان باتوں سے مجھے نہایت حوصلہ ملا۔ اللہ تعالیٰ صوفی صاحب کو صحت اور عافیت عطا فرمائے۔

حافظ جی کے ساتھ عمرہ کا ذکر:

• مخدوم و محترم سیدی حافظ جی حافظ غلام محمود رحمہ اللہ کی رفاقت میں تقریباً بیس سال گزرے۔ بعض مرتبہ ہفتہ میں ایک یا دو دفعہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ آپ کے ساتھ عمرہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی جبکہ میری ننھی منی دو بیٹیاں سلمیٰ اور اسمیٰ عمرہ میں ہمارے ساتھ تیں۔ جدہ سے ہمیں حاجی محمد رمضان خوشابی رحمہ اللہ مکہ مکرمہ لے گئے۔ اس وقت حاجی محمد رمضان مرحوم جدہ میں سروس کرتے تھے۔ جب ہم مکہ مکرمہ عمرہ کے اعمال سے فارغ ہو گئے اور رہائش کے کمرہ میں پہنچے، حافظ جی رحمہ اللہ نے فرمایا: مفتی صاحب آپ کے ساتھ دو

چھوٹی بچیاں بھی ہیں، اب دن بھر ہم آزاد ہوں گے مگر عشاء کی نماز کے بعد رکن یمانی کی جانب اور سائیڈ پر اکٹھے ہوں گے، فاتحہ پڑھ کر گھر واپس جائیں گے اور کھانا کھا کر حسب خواہش سوئیں گے۔ چنانچہ شیڈول کے مطابق مکہ مکرمہ میں عشاء کی نماز کے بعد مقررہ جگہ پر ہم جمع ہو جاتے۔ حافظ جیؒ فرماتے، میں نے آج ایک قرآن پڑھ لیا ہے، آپ کو ہدیہ کرتا ہوں۔ میں ایصالِ ثواب کر کے دعا مانگا کرتا، تقریباً روزانہ یہی معمول رہا۔ ایک دن حاجی رمضان خوشابیؒ نے کہا، کل آپ لوگوں کو منیٰ اور عرفات، جبلِ رحمت اور غارِ حرا اور ثور کی زیارت کے لیے لے جانا ہے۔ چنانچہ اس دن زیارات کی وجہ سے ہم عشاء کے وقت واپس پہنچے۔ اس دن حافظ جی قرآن مجید نہ پڑھ سکے اور ایصالِ ثواب نہ ہو سکا۔ صبح حافظ جی نے فرمایا، آج رات خواب میں مجھے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ پکڑ کر طواف کرایا اور فرمایا، حافظ جی آج آپ کی طرف سے قرآن مجید کا ثواب نہیں پہنچا۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کل زیارات کی وجہ سے قرآن مجید نہیں پڑھ سکا تھا اس لیے ایصالِ ثواب نہیں ہو سکا۔

خیر! ہم عمرہ کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ رہائش کے کمرے میں حافظ جی نے فرمایا، یہاں میں کچھ دن روزے رکھوں گا۔ عشاء کے بعد اکٹھے ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضری دے کر گھر جائیں گے۔ آٹھ دن تک بازار نہیں جائیں گے، آٹھ دن تک چالیس نمازیں مکمل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دو نفل پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں گے اور پاکستان واپس جانے کی اجازت لیں گے۔ اجازت کی علامت یہ ہو گی مسجد میں آنے کی کشش نہیں رہے گی جس طرح پہلے ہو گی۔ چنانچہ آپ نے پہلے دن روزہ رکھا، آپ نے فرمایا میں باب المجیدی سے داخل ہونے کے بعد دائیں ہاتھ ستونوں کے ساتھ بیٹھا کروں گا۔

حافظ جی کی افطاری غیر معلوم آدمی لاتا تھا:

• چنانچہ مغرب کے وقت اس خیال سے کہ حافظ جی روزہ افطار فرمائیں گے، میں کچھ کھجوریں اور افطاری کا سامان لے کر حافظ جی کے پاس پہنچا، دیکھا تو آپ کے سامنے دستر خوان لگا ہوا ہے، اس پر افطاری کی مختلف اشیاء لگی ہوئی ہیں۔ آپ کے بائیں جانب اگلی صف میں ایک آدمی سبز شرٹ اور سفید شلوار اور ٹوپی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ میں آپ کے دائیں زانو کے ساتھ جا کر بیٹھا۔ میں نے عرض کیا، یہ دستر خوان اور اس پر افطاری کس نے لگائی ہے؟ آپ نے اس آدمی کی طرف اشارہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا، یہ کون ہے؟ آپ نے آہستہ سے فرمایا، میں اسے نہیں جانتا، اتفاق کی بات ہے میں بھی اس آدمی سے نہیں پوچھ سکا کہ آپ کون ہیں، آپ کو باب المجیدی مسجد کے آخر میں بیٹھے ایک شخص کے روزے کا کیسے پتہ چل گیا؟ مجھے لگتا ہے وہ ایسا آدمی تھا جس کی رسول اللہ ﷺ نے ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ حافظ جی کی افطاری کا بندوبست کرے۔ چار پانچ روز حافظ جی نے روزے رکھے، وہ شخص متواتر افطاری کا انتظام کرتا رہا مگر جس دن حافظ جی نے روزہ نہیں رکھا وہ شخص غائب ہو گیا، نظر نہیں آیا۔

سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت:

• آٹھ دن آپ ﷺ کے قدموں میں گزر گئے، آخری رات مجھے سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے نہایت سفید خوبصورت لباس زیب تن کیا ہوا ہے، سر پر سفید اور باریک رومال ٹوپی کے اوپر ہے، جس میں صرف چہرہ انور کے ظہور کے ساتھ تشریف فرما ہیں، ایسا لگتا ہے بلوغ کے بعد داڑھی آنے سے پہلے کی حافظ جی کی تصویر میں آپ نے زیارت کرائی۔ آپ تشریف فرما ہیں، آپ کے سامنے دو پاسپورٹ ایک میرا اور دوسرا حافظ جی کا رکھا ہے اور اس کے ساتھ دو فل پیج کے سفید کاغذ بھی رکھے ہیں۔ آپ خاموش بیٹھے ہیں، سر

پر ٹوپی کے اوپر سفید رومال اوڑھا ہوا ہے۔ آپ نے کوئی بات نہیں فرمائی۔ آنکھ کھل گئی، صبح ظہر کے وقت مسجد میں حافظ جی تشریف فرما تھے، میں نے اپنا خواب بیان کیا۔ حافظ جی فرمانے لگے، مفتی صاحب! سچی بات ہے، کل میں نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا تھا مفتی صاحب اس سفر میں میرے ساتھ ہیں، آپ کرم فرمائیں، ان کو زیارت کا شرف بخشیں۔ پاسپورٹ اور سفید کاغذ اجازت کی دلیل ہے۔ اب ہمیں پہلی جیسی مسجد کی کشش نہیں رہے گی، اجازت مل چکی ہے اور بچپن کی تصویر سے اشارہ ہے خواب دیکھنے والے یعنی آپ کی روحانیت کی ابتدا ہو رہی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

- حافظ جی رحمہ اللہ کے خوابوں پر مشتمل "البشری المسعود فی رؤیا سیدی حافظ محمودؒ" کتاب چھپ چکی ہے۔ آپ کو ہزارہا مرتبہ نیند میں اور بارہا بیداری میں سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ پر اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کا خاص کرم تھا۔

دیسی گھی کا ذکر اور میری پریشانی:

- ایک مرتبہ میں اپنے بھکر والے گھر سے کراچی واپس آیا تو حافظ جیؒ کے لیے سلور کے ڈبے میں دیسی گھی ہدیہ لے آیا۔ میں نے آپ کے گھر جا کر گھی پیش کیا۔ آپ نے اسی کمرہ میں گھی کا ڈبہ کونے میں پڑے ٹیبل پر رکھ دیا۔ ایک ہفتے کے بعد میں واپس گیا تو گھی کا ڈبہ اسی طرح اسی جگہ پڑا ہوا تھا۔ سلام کے بعد حافظ جیؒ نے فرمایا، مفتی صاحب! یہ گھی واپس لے جائیں، خود کھائیں، میں اس گھی کو کھانے کے قابل نہیں ہوں۔ میری جان نکل گئی، میں نے سوچا میں ایک مدرسہ کا ناظم ہوں، میرا مال مدرسہ کے چندہ سے مخلوط ہونے کی وجہ سے مشکوک ہوگا۔ شاید حافظ جیؒ کو سرورِ دو عالم ﷺ نے اس گھی کے کھانے سے منع فرما دیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا، حضور! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا، رسول اکرم ﷺ کی

زیارت اس طرح نصیب ہوئی کہ باہر ایک لان ہے، اس میں نشیبی جگہ پر ایک پل بنا ہوا ہے، اس سے ہوتے ہوئے رسول اکرم ﷺ میرے کمرہ کے اس دروازے سے داخل ہوئے اور آپ نے سامنے رکھا گھی کا ڈبہ دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، حافظ جی! اس ڈبہ میں موجود دیسی گھی مجھے بہت پسند ہے۔ حافظ جی فرمانے لگے، یہ گھی جناب رسول اکرم ﷺ کو پسند ہے اس لیے اس کے کھانے کے قابل آپ ہیں، میں نہیں ہوں۔ جب میں نے خواب سنا جان میں جان آئی۔ میں نے عرض کیا، پھر تو یہ گھی آپ کی شان کے لائق ہے۔ آپ نے فرمایا، میرے گھر کل پرسوں حضرت خواجہ محی الدین میرے پیر و مرشد کی دعوت ہے، آپ کو بھی دعوت ہے، ان سے اس گھی کے متعلق پوچھیں گے کہ کیا کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں آپ کی دعوت میں، غلام محمد پنجاب ہوٹل والے اور محمد اسماعیل جبلپوری گلزارِ حبیب کے ٹرسٹی حضرات کے ساتھ پہنچ گیا۔ حضرت صاحب کو سارا واقعہ سنایا گیا، آپ نے فرمایا، یہ گھی نہایت مبارک ہے کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کو پسند ہے اس لیے اس کو حاضرین میں تقسیم کر دیا جائے، سب اس متبرک گھی کو استعمال کریں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ چنانچہ وہ گھی سب حاضرین کو تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا گیا۔

حافظ جی کے ساتھ ملاقات اور لندن کی عورت کا مسئلہ:

- حافظ جی رحمہ اللہ کے ساتھ ملاقات کا شرف ایک عرصہ سے حاصل تھا جب ڈاکٹر زبیر صاحب نے ذکر فرمایا کہ میرے ایک پیر بھائی حافظ غلام محمود کو سرورِ دو عالم ﷺ کی جب زیارات شروع ہوئیں تو وہ گنتے رہے جب ایک سو مرتبہ سے زیارات بڑھ گئیں انہوں نے شمار کرنا چھوڑ دیا۔ اس بیان کے بعد حافظ جی سے ملاقات کا اشتیاق بڑھ گیا۔ ڈاکٹر زبیر صاحب کے ذریعہ ان کے پاس جا کر ملاقات کا شرف حاصل کیا پھر مدرسہ کے مختلف پروگراموں میں آنا جانا شروع

ہو گیا حتی کہ ڈاکٹر زبیر صاحب اور حافظ جی کے ساتھ ٹھٹھہ شاہ عقیق اور حضرت عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار کی زیارت کے لیے متعدد سفر کیے مگر بے تکلفی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ایک دن میں گلزارِ حبیب مدرسہ میں پڑھا رہا تھا۔ حافظ جیؒ اپنی مسجد کے جنرل سیکرٹری کے ساتھ تشریف لائے، فرمایا کہ ہماری مسجد کے اس سیکرٹری صاحب کا ایک مسئلہ تھا۔ انہوں نے فرمایا، فتویٰ لینا ہے۔ میں نے سوچا، دوسرے مفتی لوگ بڑے بڑے آدمی ہوں گے معلوم نہیں توجہ سے بات سنیں گے یا نہیں مگر مفتی رفیق سادہ آدمی ہے، اس کے پاس چلتے ہیں۔ فرمایا، ہم آپ کے پاس فتویٰ لینے آئے ہیں۔ مسئلہ یہ تھا کہ سیکرٹری صاحب کی ایک عزیزہ جو برطانیہ رہتی تھی، ان کی اولاد نہیں ہوئی۔ ڈاکٹروں نے کہا، اس خاتون کے بیضے پیدا نہیں ہوتے اس لیے اس خاتون کو اولاد پیدا نہیں ہو گی۔ اس خاتون کو ڈاکٹروں نے متبادل تجویز دی ہے کہ کسی دوسری عورت کا بیضہ ٹیوب میں اس کے شوہر کی منی کے ساتھ ملا دیا جائے، منی میں موجود سیل اور اجنبیہ عورت کے بیضہ کی ٹیوب میں ملاقات سے بچہ بننا شروع ہو جائے گا۔ مقررہ ایام کے بعد وہ مادہ ٹیوب سے نکال کر موصوفہ عورت کے رحم میں رکھ دیا جائے گا۔ اس طرح موصوف شوہر کی بیوی کی اولاد پیدا ہو سکتی ہے، جسے آج کے عرف میں ٹیسٹ ٹیوب بے بی کہا جاتا ہے۔ سوال یہ تھا کہ شرعاً اس طرح ٹیسٹ ٹیوب بے بی پیدا کر کے بااولاد ہونا جائز ہے یا نہیں؟

میں نے جواب لکھا، جواز کی صرف یہ صورت ہے کہ جس اجنبیہ عورت کا بیضہ لیا جائے اس کے ساتھ موصوف شوہر کا نکاح کر لیا جائے اور منکوحہ عورت کے بیضہ کے ساتھ موصوف شوہر کی منی کو ملانا اور ایک ٹیوب میں رکھنا جائز ہو گا پھر مقررہ ایام کے بعد موصوفہ کے رحم میں ٹیوب سے خارج تیار ہونے والا بچے کا لوتھڑا رکھ دیا جائے تو کسی حد تک یہ جائز ہو گا اگرچہ اس عمل میں متعدد کراہتیں

ہیں مگر بچہ ولدالزنا نہیں ہوگا۔ میں نے مسئلہ لکھا اور حضرت کو دے دیا۔ چائے وغیرہ سے تواضع کے بعد میں نے مدرسہ کے طلباء کو اپنے پاس کمرے میں بلا لیا تاکہ طلبہ بھی حضرت کی زیارت کریں اور میں ان کا تعارف کرا کے قرآن مجید کی عظمت اور فضیلت بیان کر کے طلباء کو قرآن مجید بلا معاوضہ پڑھنے اور تلاوت کرنے کی ترغیب دلا سکوں کیونکہ حافظ جی کو جناب رسول اللہ ﷺ کی بار بار زیارات کے فضل کا راز یہ تھا کہ آپ نے مسلسل تقریباً بیس سال تک روزانہ اکثر پیر مہتاب شاہؒ سولجر بازار والے کے مزار پر اور کبھی دوسری جگہوں پر ایک وضو کے ساتھ نوافل میں قرآن مجید ختم فرمایا اور بیس سال مسلسل روزے رکھے۔ آپ فرماتے تھے، میرا کرایہ کا مکان لی مارکیٹ میں تھا، عشاء کی نماز کے بعد لی مارکیٹ سے نشتر روڈ کے راستہ سے پیدل مزار شریف پہنچتا تھا اور نکلتے ہی تلاوت شروع کر دیتا تھا۔ مزار شریف میں نوافل میں قرآن مجید کی تلاوت جاری رہتی، سحری سے پہلے بندر روڈ سے واپس جاتے ہوئے راستہ میں ہوٹل سے سحری لے کر گھر پہنچتے ہی قرآن مجید کا ختم ہو جاتا تھا۔ گھر میں سحری کر کے نماز پڑھنے کے بعد تھوڑا وقت سو جاتا تھا اور پھر ڈیوٹی پر چلا جاتا تھا۔ طلباء کو ملانے سے میرا مقصد قرآن مجید کی تلاوت کے لیے شوق دلانا تھا۔ میں نے آپ کا تعارف کرایا اور میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آج روحانیت کا انکار کیا جا رہا ہے، آپ براہ کرم روحانیت میں پیش آنے والے واقعات بتایا کریں تاکہ لوگوں کو یقین حاصل ہو۔ چنانچہ اس دن کے بعد ہماری باہم محبت بڑھ گئی۔ حافظ جی عموماً گلزار حبیب تشریف لانے لگے اور میں بھی ان کے پاس حاضر ہونے کی کوشش کرتا رہا۔ اسی دوران میری محبت اور ان کی توجہ سے کیفیت یہ ہو گئی تھی جب میں حافظ جی کی زیارت کرتا تھا میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے جوتے اٹھا کر سر پر رکھنے کو دل چاہتا تھا مگر ایسا کر نہیں پایا مولویت

رکاوٹ بن جاتی، البتہ ان کے جوتے سیدھے کرنے کا موقع مل جاتا تھا، آپ بھی میرے جوتے سیدھا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور میں ان کے جوتے سیدھے کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ان ایام میں تہجد کی نماز کے وقت مجھے محسوس ہوتا تھا حافظ جی میرے قدموں کو چھو کر جگا رہے ہیں، مجھے حقیقی احساس ہوتا تھا، میں بیدار ہو جاتا تھا اور نوافل ادا کرتا تھا حالانکہ حافظ جی عزیز آباد اپنے گھر ہوتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم کیا راز تھا، ان ایام میں حافظ جی تہجد کی نماز قضا نہیں ہونے دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

حافظ جیؒ کی بے پناہ محبت کا ذکر:

• آپ کی محبت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ ایک دن فرمانے لگے مفتی صاحب! جب آپ میرے گھر سے واپس لوٹتے ہیں دو نفل پڑھ کر دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو گھر تک عافیت اور سلامتی کے ساتھ پہنچائے۔ اور میرے احترام کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ جب ہم سواگ شریف ریل میں اکٹھے سفر کر رہے تھے، میں اپنی برتھ سلیپر پر سویا رہا مگر آپ ساری رات بیٹھے رہے، سیٹ پر نہیں لیٹے۔ میں نے سمجھا شاید کوئی وظیفہ کرنے کی وجہ سے آپ نے ایسا کیا ہوگا۔ پوچھنے پر آپ نے فرمایا، مفتی صاحب! آپ کے علم کی وجہ سے مجھے آپ کے سامنے لیٹنے سے حیا آتی تھی اس لیے میں لیٹ نہیں پایا۔ آپ خود درسی عالم نہیں تھے مگر کبھی کوئی کام ایسا نہیں کیا جس پر علماء یہ کہہ سکیں کہ آپ کا یہ قول یا عمل شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ گویا آپ کا علم لدنی اور وہبی تھا، جاہل صوفی نہیں تھے۔

حافظ جیؒ نے مدرسہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تشریف لاتے دیکھا:

• آپ ہمارے مدرسہ آیتِ کریمہ میں تشریف لاتے تھے کیونکہ آیتِ کریمہ انہوں نے خود شروع کرائی تھی۔ ایک دن آیتِ کریمہ کے اجتماع میں فرمانے

لگے، میں نے خواب دیکھا کہ مدینۃ العلوم مدرسہ میں ہم لوگ آیتِ کریمہ پڑھ رہے ہیں، اچانک مدینۃ العلوم میں سرورِ دوعالم ﷺ کو چند لوگوں کے ساتھ مدرسہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ آپ مسجد کے عقب میں موجود کمروں کے سامنے تشریف فرما ہوئے اور حالتِ قیام میں لوگوں کے ساتھ گفتگو فرما رہے ہیں۔ حافظ جیؒ فرمانے لگے، میں فوراً آپ کی دست بوسی کے لیے پہنچا۔ آپ نے فرمایا، حافظ جی آیتِ کریمہ میں جو لوگ آتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کی مشکلات آسان فرماتا رہے گا۔

درود شریف میں مضاف الیہ پر فتح پڑھنے کا ذکر:

• آیتِ کریمہ کے اجتماع میں عموماً دعا آپ ہی فرمایا کرتے تھے اور درود شریف جو آپ کا عموماً معمول تھا وہ درود ہزارہ تھا۔ درود شریف:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِأَةَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّةٍ"

میں لفظ مأۃ کے مضاف الیہ اور الف کے مضاف الیہ دونوں "الف" پر فتح پڑھتے تھے جو کہ نحوی گرامر کے لحاظ سے صحیح نہیں تھا بلکہ کسرہ بنتا تھا مگر مجھے آپ کو بتانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ ارادہ تھا کہ آپ کو کسی دن عرض کروں گا۔ ایک دن آیت کریمہ کے بعد اجلاس میں فرمانے لگے، میں درود شریف میں مأۃ کے بعد دونوں الف پر فتح پڑھتا ہوں، کسی عالم نے مجھے کہا تھا الف کے لفظ پر کسرہ پڑھنا چاہیے۔ فرمانے لگے، مجھے آپ ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ ﷺ باب جبریل کے سامنے اپنی مسجد کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں، جب میں داخل ہوتا ہوں آپ ﷺ بلند آواز سے الفَ الفَ مرۃ، دونوں الف پر زبر پڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں، حافظ جی آپ کا الف الف مرۃ صحیح ہے۔ حافظ جی فرمانے لگے، اس دن کے بعد مجھے الف الف مرۃ میں دونوں الف پر فتح پڑھنے میں کوئی شک نہیں

رہا۔ آپ کی تقریر کے بعد میں نے حاضرین سے عرض کیا، ایک عرصہ سے میرا ارادہ تھا کہ حافظ جی سے الف الف پر فتح پڑھنے کے متعلق سوال کروں گا لیکن آج مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے میرے دل کی آواز سن لی اور میرے دل میں گردش کرنے والی بات کا جواب دے دیا۔ میں نے حاضرین سے عرض کیا، بزرگانِ دین اور اولیاء کرام کی پڑھی یا لکھی گئی عبارت غیر قیاسی ہو سکتی ہے، صرف اور نحو کے قوانین کے تابع نہیں ہوتی، وہ عبارت اسی طرح ہوتی ہے جس طرح وہ لکھتے یا پڑھتے ہیں کیونکہ صرف اور نحو تو بعد میں وجود میں آئے، یہ وہ قانون ہے جو علمائے نحو نے تحریر کیا مگر اس کے ساتھ علمائے نحو نے یہ بھی لکھا ''اَلْخَطَّانُ لَا یُقَاسَانِ خَطُّ الْعُرُوْضِ وَ خَطُّ الْقُرْآنِ''۔ (ترجمہ: دو رسم الخط غیر قیاسی ہوتے ہیں، خط العروض اور خط القران۔) میرے خیال میں خط الاولیاء بھی اسی طرح ہوتا ہے، جس طرح اولیاء کی زبان سے ادا ہوتا ہے اور جس طرح حافظ جی پڑھتے تھے بالکل انہیں ایسے ہی پڑھنا چاہیے تھا مگر باقی لوگوں کے لیے حکم ہے کہ نحوی قوانین کی رعایت کر کے عبارت پڑھیں۔

ڈیفنس کی مسجد مزدلفہ کا قصہ:

• ڈیفنس فیز 5 میں مسجد اور مدرسہ کے لیے تقریباً تین ہزار گز کا پلاٹ کور کمانڈر مرحوم جنرل شمیم کے ذریعہ ابی حنیفہ ٹرسٹ کے نام الاٹ کرایا۔ جنرل شمیم ہمارے ٹرسٹ کے وائس چیئرمین جناب بر گیڈیئر افتخار احمد صاحب کے دوست تھے۔ باقاعدہ افتتاح ہوا۔ بر گیڈیئر صاحب کی تجویز سے مسجد کا نقشہ منظور کرایا گیا۔ امام کے لیے دو سو گز کا الگ پلاٹ الاٹ ہوا۔ مرحوم جنرل صاحب اسلام آباد منتقل ہو گئے۔ اتفاق سے بر گیڈیئر کی سیٹ پر بر گیڈیئر ہدایت اللہ نیازی کی پوسٹنگ ہو گئی۔ ہدایت اللہ نیازی میانوالی کا رہنے والا متعصب اہل حدیث یا دیوبندی تھا، اسی دوران قطر کا کوئی شیخ ان کے پاس آیا، اس نے بر گیڈیئر ہدایت

اللہ سے کہا، ہم اپنے مرحوم بھائی سُہَیم کے نام مسجد بنانا چاہتے ہیں، ہمیں پلاٹ چاہیے۔ بر گیڈ یئر نے ان کے ساتھ وعدہ کرلیا۔ ہم نقشے میں مسجد کا نام مسجد مزدلفہ تجویز کر چکے تھے۔ ہدایت اللہ نے بر گیڈ یئر افتخار اور مجھے بلا کر تجویز دی کہ آپ کے پلاٹ پر قطر کے شیخ مسجد بنانا چاہتے ہیں، آپ اجازت دے دیں، جب مسجد بن جائے گی اس کا قبضہ آپ کو دے دیا جائے گا۔ ہم نے تحریری اجازت دے دی، مسجد کا نام ان کی خواہش کے مطابق مسجد سہیم رکھ دیا گیا۔ میں ان ایام میں دھوراجی حبیبیہ مسجد کا خطیب تھا، یہاں سے خطابت چھوڑ کر ڈیفنس سہیم مسجد میں جمعہ شروع کرادیا اور مسجد میں امامت کے لیے مرحوم قاری منظور احمد جوتہ کو مقرر کردیا۔ دو سال تک ہمارا قبضہ رہا۔ قطر کے شیخوں اور مسجد سلطان کے دیوبندی امام حافظ منیر کے کہنے پر بر گیڈ یئر ہدایت اللہ نے ڈیفنس سیکورٹی کے لوگوں کی مدد سے ہمارے لوگوں کو مسجد سے نکال دیا اور دیوبندی مسلک کا امام اور خطیب رکھ دیا۔ تنازع چل پڑا۔

مسجد مزدلفہ کے سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت:

• ایک دن میں نے حافظ جی سے عرض کیا، آپ دعا فرمائیں مسجد مل جائے۔ حافظ جی نے ایک دن صبح صبح فون کیا، مفتی صاحب آج رات سرورِ دوعالم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! مفتی صاحب ڈیفنس کی مسجد کے سلسلے میں بہت پریشان ہیں۔ آپ ﷺ نے شہادۃ کی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ فرمانے لگے، آپ خود اس کی تعبیر سمجھ لیں۔ مجھے سمجھ آئی کہ مسجد نہیں ملے گی، تقدیر میں یہی لکھا ہے۔ اس کے بعد بہت کوشش کی گئی، سنی تحریک والوں نے ہماری مدد کی اور مسجد پر دوبارہ قبضہ کرادیا۔ بر گیڈ یئر ہدایت اللہ نے رینجرز اور سیکورٹی کے لوگوں سے دوبارہ مسجد خالی کرا کے لاک لگادیا پھر سات ماہ کے بعد دوبارہ مسجد

دیوبندیوں کو دے دی اور مسجد سہیم ہمیں واپس نہ مل سکی۔ وہاں لشکر طیبہ کا امام مقرر کر دیا گیا۔

مسجد کے حصول کے لیے آیتِ کریمہ:

• حافظ جیؒ کے حکم سے مسجد کی پریشانی کے لیے گلزارِ حبیب مدرسہ کے کمرہ میں جمعہ کی رات کو آیتِ کریمہ کا وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ نہایت پریشانی کا عالم تھا، اچانک ہمارے بھانجے حمید الحسن نے دیواروں پر دیکھا تو دیواریں گیلی ہو چکی ہیں۔ حمید الحسن نے پوچھا دیواروں پر پانی کس نے چھڑکا ہے؟ ہم نے کہا، ہم مغرب سے آیت کریمہ پڑھ رہے ہیں، یہاں کمرے میں کوئی آدمی ایسا نہیں آیا جس نے پانی چھڑکا ہو۔ میں نے کھڑے ہو کر دیواروں کو دیکھا، چاروں طرف چھت کی بلندی تک پسینہ کی طرح دیواروں سے پانی ظاہر تھا۔ جب ہاتھ کا پنجہ لگا یا دیوار پر اس کے نشان پڑ گئے اور کافی مدت تک وہ نشان قائم رہے۔ شاید آیت کریمہ کا وظیفہ جلالی ہے، اس کے اثرات سے دیواروں نے پسینہ چھوڑنا شروع کر دیا۔ اس کی تعبیر بھی یہی ہو سکتی ہے کہ دیواریں رو رو کر کہہ رہی تھیں آیت کریمہ کے وظیفہ سے بھی مسجد کا مسئلہ حل نہیں ہو گا۔

ایک ایسا معاملہ جس کی تعبیر سمجھ نہیں آئی:

• جیسا کہ بارہا ذکر ہو چکا ہے کہ حافظ جی کے ساتھ ہمارا تعلق بے تکلفی تک پہنچ گیا تھا، گھر کے احوال ہم ایک دوسرے کو بیان کرتے تھے۔ حافظ صاحب مبشرات سنا کر خوش ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ہم دونوں آمنے سامنے عزیز آباد آپ کے کمرہ میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے دلچسپی کی کوئی بات بیان فرمائی اور خوشی سے میرے ہاتھ پر ہاتھ مارنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ میں نے ہاتھ کی ہتھیلی آگے کی، آپ نے میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی ماری، جس طرح دو دوست خوش ہوتے ہوئے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں۔ غالباً ہمارے دائیں

ہاتھ تھے۔ آپ نے جب میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھا، میرے جسم سے کوئی چیز کود کر میرے ہاتھ سے ہوتی ہوئی حافظ جی کے ہاتھ سے ان کے جسم میں داخل ہوگئی۔ بجلی کی برقی لہر کی طرح کوئی چیز میرے جسم سے نکل کر حافظ صاحب کے جسم میں داخل ہوگئی۔ اس بات کا تا زندگی میں نے حافظ جی کو ذکر نہیں کیا لیکن اس کی تعبیر بھی آج تک سمجھ نہیں آئی۔ میں نے اس بات کا تذکرہ صوفی رحمت اللہ صاحب سے کیا، انہوں نے فرمایا، سید غلام رسول شاہ صاحب جو ان کی فیکٹری میں اعزازی ملازم ہیں، نہایت نیک سیرت انسان ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں حافظ جی کی ملاقات سے اجتناب کرتا ہوں کیونکہ وہ وہبی روحانی فیوض سلب کر لیتے ہیں۔ صوفی صاحب کہنے لگے، شاید حافظ جی نے آپ سے وہبی نورانی فیوض سلب کر لیے ہوں لیکن میں حافظ جی پر یہ بدگمانی نہیں کرتا کیونکہ وہ روحانیت دینے میں نہایت فیاض تھے جب تک زندہ رہے ایسا لگتا تھا ان کی نظر اور توجہ سے مجھے گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوتی تھی، اس لیے انہوں نے میرے بدن میں معاصی کی استعداد سلب کی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ سلبِ احوال اور اہوال کی قدرت بعض اولیاء کرام کو حاصل ہوتی ہے، وہ کسی کا نقصان نہیں کرتے، میں تو آپ کا مدت سے رفیق تھا وہ میری پونجی کیسے سلب کریں گے۔ یہ لوگ تو دشمنوں پر بھی کرم کرتے ہیں، دوستوں کو کیسے محروم کریں گے۔

”اَللّٰھُمَّ اَفِضْ عَلَیَّ مِنْ بَرَکَاتِ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْاَوْلِیَاءِ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ آمین“

حافظ جیؒ کے وظیفہ سے دشمن فوت ہوگیا:

• حافظ جی نہایت سخی اور باحیاء اور باادب آدمی تھے۔ حافظ جی عام حالات میں بھی نظریں نیچی رکھتے تھے اور اگر خواتین سامنے ہوتیں تو اپنی نگاہیں نہایت نیچی رکھتے تھے اور عزیزم مفتی محمد یعقوب معینی مرحوم کی بھی یہی عادت تھی، عموماً

نگاہیں نیچی رکھتے تھے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمدؒ کی تصویریں دیکھیں، آپ بھی ہر وقت نگاہیں نیچے رکھتے تھے۔ حافظ جیؒ میرے حق میں نہایت شفقت فرماتے تھے۔ ابتلاء اور امتحان میں میرے لیے وظائف کر کے دعا کیا کرتے تھے۔ میرے اوپر ایک امتحان ایسا بھی آیا کہ کراچی کی ایک طاقتور تنظیم کا نوجوان ہمارے پیچھے پڑ گیا، جس کے خوف سے ہم اپنی لڑکیوں کے سلسلے میں سخت پریشان ہو گئے۔ میری اور میری اہلیہ کی نیند اڑ گئی۔ ہم دونوں میاں بیوی حافظ جی کے پاس پہنچے، بیٹھتے ہی میری بیوی اور میرے آنسو جاری ہو گئے، سسکیوں میں ہم نے عرض کیا، حضور! ایک ظالم آدمی جس کا تعلق ایک ظالم تنظیم کے ساتھ ہے وہ ہمارے پیچھے پڑ گیا ہے، ہم لڑکیوں کو اسکول بھیجتے وقت بھی ڈرتے رہتے ہیں، آپ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اس آدمی کے شر سے بچائے۔ آپ نے فرمایا، مفتی صاحب آپ صبح اور شام ''یَا قَھَّارُ'' تین سو تیرہ (۳۱۳) مرتبہ پڑھیں مگر اول و آخر نہ بسم اللہ پڑھیں اور نہ درود شریف پڑھیں، آخری مرتبہ ''یَا قَھَّارُ'' کہتے وقت اس دشمن کی تصویر پر اور اگر تصویر نہ ہو تو تصور کر کے زمین پر دایاں ہاتھ مارتے ہوئے کہیں ''یَا قَھَّارُ! اس ظالم کو ہٹا دے یا مٹا دے، میں کچھ نہیں جانتا۔'' مجھے فرمایا، آپ یہ وظیفہ شروع کر دیں اور میں بھی آپ کے لیے یہی وظیفہ شروع کرتا ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ وہ آدمی آپ لوگوں کو چھوڑ دے گا یا مر جائے گا۔ چنانچہ ایک ماہ تک میں نے مسلسل یہ وظیفہ جاری رکھا، ایک ماہ کچھ دن ہوئے تھے خبر آئی وہ ظالم آدمی جو کہ نوجوان صحت مند تھا، اچانک بیمار ہوا اور فوت ہو گیا۔ ہم نے راحت کا سانس لیا اور حافظ جی کو جا کر خبر دی مگر میں نے ساتھ ہی عرض کیا، حضور! آپ نے نیو کراچی کے جادو گر عامل کو بھی وظائف سے موت دلوائی تھی اور اس آدمی کی موت بھی شاید آپ کے وظیفہ کی وجہ سے ہوئی ہو، کیا اس میں گناہ تو نہیں ہو گا؟ آپ نے

فرمایا، ظالم کے ظلم کا دفاع کرتے ہوئے ظالم کو قتل کردینے میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ مجھے بھی سرورِ دوعالم ﷺ کی حدیث یاد آئی، آپ نے فرمایا: ''مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ وَ عَمَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ'' جب مظلوم کی موت شہادت ہے تو ظالم کی موت معصیت نہیں بلکہ عبادت ہے۔

حافظ جیؒ سے موت کے فرشتے واپس ہوگئے:

• ایک مرتبہ میں پنجاب ضلع بھکر اپنے بعض ضروری کاموں کے لیے گلزارِ حبیب مدرسہ سے رخصت لے کر چلا گیا۔ واپس کراچی آیا، قبلہ حافظ جی سے ملاقات ہوئی۔ آپ فرمانے لگے، میں نہایت پریشان تھا کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا دو آدمی (شاید فرشتے تھے) نظر آئے، ان دونوں سے ایک کے ہاتھوں میں رجسٹر تھا اور اس میں ان لوگوں کے نام درج تھے جن کی موت کا وقت ہوگیا تھا۔ فرمانے لگے، ایک آدمی نے کہا، دیکھو حافظ جی کا نام اموات کی لسٹ میں موجود ہے؟ دوسرے نے کہا، جی موجود ہے۔ میں نے عرض کیا، ابھی مجھے رہنے دیا جائے، مجھے بچیوں کی شادیاں کرنی ہیں اور متعدد دوسرے کام کرنے ہیں۔ آپ نے فرمایا، موت کی ترغیب کے لیے ایک آدمی نے جنت کی نعمتوں پر مشتمل آیات تلاوت کرنا شروع کردیں۔ جب اس نے تلاوت ختم کی، میں نے عرض کیا، ابھی مجھے رہنے دو۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا، چلو ابھی حافظ جی کا نام اموات کی فہرست سے نکال دو۔ میرا نام نکال دیا گیا۔ صبح ہوئی، میں نے سوچا خواب آخر ایک خواب ہی ہوتا ہے، ہوسکتا ہے میری وفات کا وقت آگیا ہو، اگر میں فوت ہوگیا تو میری نمازِ جنازہ کون پڑھائے گا۔ میں دعا کرتا رہا، اللہ کرے مفتی صاحب جلدی آجائیں اگر میں فوت ہوجاؤں تو میری نمازِ جنازہ مفتی صاحب پڑھائیں۔ اس کے بعد کافی عرصہ آپ زندہ رہے۔

حافظ جی کے وصال اور نمازِ جنازہ کا ذکر:

• آپ کے وصال سے غالباً ایک ہفتہ پہلے حاجی الیاس اور غلام یحیٰی صاحبان دونوں بھائی مدرسہ میں میرے پاس آئے، کہنے لگے، دعا کے لیے آپ ہمارے ساتھ قبلہ حافظ جی کے پاس چلیں۔ ہم حاضر ہوئے، آپ علیل تھے مگر ہمیں آپ نے کافی وقت دیا۔ فرمانے لگے، آج بیداری میں آواز آئی، حافظ جی آپ کی عیادت کے لیے سیدنا سید الشہداء حضرت حمزہؓ تشریف لانے والے ہیں۔ فرمانے لگے، میں نے بیٹے طاہر محمود سے کہا، فوراً میرے کمرے کی صفائی کرو اور میری چارپائی کے ساتھ ایک کرسی رکھ دو۔ چنانچہ گھر والوں نے میرے مخصوص کمرہ کی صفائی کر کے کرسی رکھ دی۔ تھوڑی دیر بعد سید الشہداء حضرت حمزہؓ تشریف لائے۔ آپ کے سر پر بڑی دستار مبارک تھی، نہایت خوبصورت آدمی تھے۔ سلام کے بعد فرمانے لگے، حافظ جی میں آپ کی عیادت کے لیے آیا ہوں۔ سیدنا حضرت حمزہؓ تھوڑی دیر کرسی پر تشریف فرما رہے اس کے بعد تشریف لے گئے۔ قبلہ حافظ جی نے اس وقت بھی غالباً فرمایا تھا، مفتی صاحب میرا جنازہ آپ نے پڑھانا ہے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ آپ کی نمازِ جنازہ دارالعلوم نعیمیہ کے گراؤنڈ میں پڑھی گئی، صفیں بن گئیں۔ اسپیکر کا مائیک جناب سید مسعود شاہ صاحب کے پاس تھا، اگلی صف میں میرے ساتھ مفتی منیب الرحمٰن صاحب اور دیگر علماء موجود تھے۔ اچانک سید مسعود شاہ صاحب نے اعلان فرمادیا، آپ کی نمازِ جنازہ پیر ممتاز احمد صابری پڑھائیں گے۔ چنانچہ پیر ممتاز صاحب نے نماز پڑھادی مگر نماز کے بعد دعا مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے کرائی اور سید مسعود شاہ پر سخت ناراض ہوئے کہ علماء میں مفتی رفیق صاحب موجود تھے جو ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوتے تھے، آپ نے اچانک پیر ممتاز صاحب کا اعلان کر کے نماز پڑھوادی۔ شاہ صاحب نے معذرت کی مگر آج تک سید مسعود شاہ صاحب جب بھی مفتی منیب الرحمٰن

صاحب کے سامنے ہوتے ہیں، مفتی صاحب نمازِ جنازہ والی بات کر کے انہیں ڈانٹ دیتے ہیں اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر میں جب اس پر غور کرتا ہوں تو مجھے یہ سمجھ آتا ہے کہ وصال کے بعد آدمی پر دوسرے لوگوں کا حال منکشف ہو جاتا ہے، شاید حافظ جی پر میرا حال منکشف ہوا کہ یہ شخص میری نماز پڑھانے کا اہل نہیں اس لیے انہوں نے خود مجھے نماز پڑھانے سے منع کر دیا یا نیز آپ کے وصال کے بعد سید مسعود شاہ صاحب نے مجھے بار بار کہا تھا کہ قبلہ حافظ جی کی مزار کے لیے آپ مدرسہ میں جگہ دے دیں، میں نے معذرت کر لی تھی کیونکہ مدارس میں مزارات بنانے پر حکومت سخت رد عمل ظاہر کرتی تھی نیز شرعاً بھی مدارس میں مزارات بنانا جائز نہیں ہوتا، اس وجہ سے میں نے معذرت کر لی تھی۔ شاہ صاحب نے مجھے بار بار کہنے کی وجہ سے نہایت پریشان کر دیا تھا شاید اس وجہ سے شاہ صاحب نے مجھے نماز نہیں پڑھانے دی مگر میں نے ۲۰۱۴ء میں اپنے مدرسہ کے مدرسین اور طلباء کے ساتھ جا کر آپ کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھائی تا کہ ان کی وصیت پر عمل ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ جب ہم، حاجی الیاس اور یحییٰ صاحبان قبلہ حافظ جی کی آخری ملاقات سے فارغ ہو کر واپس آنے لگے، میں نے حاجی الیاس اور غلام یحییٰ صاحبان کو عرض کیا، قبلہ حافظ جی عنقریب وصال فرمانے والے ہیں کیونکہ جب وصال شدہ لوگ بیمار آدمی کو خواب میں یا بیداری میں ملنا شروع کر دیں تو بیمار آدمی کی موت کی علامت ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا، ایک ہفتہ بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ اسٹاپ پر انتظار کر رہے تھے:

- قبلہ حافظ جی رحمہ اللہ کی ملاقات کے لیے کبھی کبھی جانا ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ دارالعلوم نعیمیہ کی دیوار کراس کر کے ان کے گھر کی طرف مڑنے والی گلی تک پہنچے، قبلہ حافظ جی پہلے سے گلی کے موڑ پر کھڑے تھے۔ میں نے عرض کیا، آپ

یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ آپ نے فرمایا، مجھے کشف ہوا کہ مفتی صاحب آنے والے ہیں، میں گھر سے نکل کر یہاں آپ کے استقبال کے لیے کھڑا ہوں۔ اسی طرح ایک مرتبہ گلزارِ حبیب سے آپ کی زیارت کے لیے ان کے گھر عزیز آباد پہنچا تو آپ نے فرمایا، آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، آپ کھانا ہمارے ساتھ کھائیں گے۔ فرمانے لگے، میں مرغی لینے گیا تھا، میں نے مرغی فروخت کنندہ سے کہا کہ مجھے اتنے وزن کی مرغی چاہیے۔ اس نے جب وزن کیا، کوئی ایک مرغی اس وزن کی نہیں مل رہی تھی۔ دوکاندار نے کہا، اس وزن کی دو مرغیاں آئیں گی۔ میں نے کہا، دے دو۔ اس نے دو مرغیاں ذبح کر کے ہر ایک کا گوشت بنا کر دے دیں۔ فرمانے لگے، میں نے دل میں کہا کہ گھر والوں سے کہوں گا، ایک مرغی تو ہم آج کھالیں گے، دوسری مرغی سے مفتی صاحب کی دعوت کریں گے۔ فرمانے لگے، دل میں خواہش تھی کاش کل مفتی صاحب خود آجائیں تو یہ مرغی آپ کی دعوت میں پکائیں گے، اللہ تعالیٰ نے میری خواہش پوری فرمادی، آج آپ خود آگئے لہٰذا آپ کھانا یہاں تناول فرمائیں۔

حافظ جیؒ کے وصال سے میں یتیم ہو گیا:

• یہ احساس بالکل حقیقی ہے مجھے آپ کے وصال کے بعد ایسا لگتا ہے میری پشت پناہی ختم ہو گئی ہے اور آپ کی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے میں اس طرح یتیم ہو گیا ہوں جس طرح کسی کا والد فوت ہو جاتا ہے۔ ابھی آپ کے وصال کو چند روز ہوئے تھے، خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ میرے مکان پر تشریف لائے اور مجھے فرمانے لگے، مفتی صاحب آپ میرے پیر صاحب حضرت محی الدین صاحب زید مجدہ ترگ شریف والوں کی بیعت ہو جائیں پھر خواب میں میرے ساتھ آپ عبدالخالق کے گھر سی ویو میں تشریف لائے، وہاں کچھ دوسرے لوگ بھی ملاقات کے لیے موجود تھے۔ اس منظر کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ مگر

اتفاق سے حضرت محی الدین صاحب زید مجدہ ایک عرصہ سے سخت علیل ہیں، وہ کراچی تشریف نہیں لائے اور میں ترگ شریف نہیں جاسکا۔ اگر کہیں ملاقات ہوئی، ہوسکتا ہے ان سے بیعت ہو جاؤں، زیادہ اہتمام اس لیے نہیں کیا کیونکہ خواب آخر خواب ہوتا ہے اور ظنی ہوتا ہے۔

حافظ جی نے جن کو جدہ بلالیا:

• جس سال مرحوم امیر دھامی نے قبلہ حافظ جی اور مجھے عمرہ پر بھیجا، میری ننھی منی دو بیٹیاں سلمیٰ اور اسمیٰ بھی میرے ساتھ تھیں۔ ان ایام میں مدرسہ گلزارِ حبیب میں تنازع چل رہا تھا۔ ہم عمرہ کر کے واپسی پر جدہ میں جناب عبیدالرحمٰن صاحب، حاجی ابراہیم صاحب کے بیٹے، کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ مجھے کراچی سے بھائی شریف نے خبر دی کہ گزشتہ جمعہ طلباء اور نمازیوں میں لڑائی ہوگئی تھی۔ اس اجمالی خبر سے میں بہت پریشان ہوگیا کیونکہ لڑائی میں جانی یا مالی نقصان بھی ہوسکتا ہے۔ پریشانی کی وجہ سے قبلہ حافظ جی کے ساتھ کھل کر بات کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد سوگئے، تہجد کے نوافل ادا کیے، کمرے میں اندھیرا تھا، نوافل کے بعد وظائف پڑھتے ہوئے قبلہ حافظ جی نے فرمایا، مفتی صاحب! پریشان نہ ہوں، میں نے ابھی سورہ جن پڑھ کر ایک جن کو بلایا اور اسے حکم دیا، پاکستان جاؤ اور جمعہ کے روز لڑائی کے متعلق تفصیلی خبر لے کر آؤ۔ جن واپس آیا، اس نے بتایا، معمولی ہاتھا پائی ہوئی تھی، کوئی آدمی زخمی نہیں ہوا۔ فرمانے لگے، جن مبارک مسجد اور گلزارِ حبیب دونوں جگہ ہو کر آیا ہے اور ابھی میرے سامنے بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ فرمانے لگے، آپ نے اسے نہیں دیکھا اور اس کی باتیں نہیں سنیں؟ میں نے عرض کیا، نہیں۔ فرمانے لگے، آپ پریشان نہ ہوں، کوئی بڑا حادثہ نہیں ہوا۔ دوسرے دن ہم کراچی پہنچ گئے، معلوم ہوا جن نے جو خبر دی تھی وہ سچی تھی۔

حافظ جیؒ نے ہزاروں جنات کو آزاد کر دیا:

• قبلہ حافظ جی فرماتے تھے، میں نے سورۃ جن لاکھوں مرتبہ پڑھی ہے اور چِلے کاٹے ہیں، ہزاروں جنات میرے تابع ہو گئے تھے۔ آپ فرماتے تھے، جب جنات تابع ہو جائیں ان کی غذا قرآن کی وہی سورۃ ہو جاتی ہے جس سے وہ تابع ہوتے ہیں لہٰذا روزانہ مجھے جنات کی غذا کے لیے متعدد مرتبہ سورۃ جن تلاوت کرنی ہوتی تھی اگر نہ پڑھتا تو جنات تنگ کرتے تھے۔ ایک دن میں نے ایک کڑاھی کھیر بنائی اور سب کو کھلائی اور سب سے کہا، میں آج سے تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ جب میں نے یہ الفاظ کہے، سب گالیاں دینے لگے اور چلے گئے۔ آپ فرماتے تھے، صرف ایک جن ہمارے پاس باقی ہے جس کا نام عبدالعزیز ہے، جب اسے بلائیں وہ آجاتا ہے۔

ٹھٹھہ سے آئے ہوئے جن کا واقعہ:

• ہمارے دوست مولانا احمد بخش باروی جزیرہ بادا پر امام تھے، ہم ان کے پاس کبھی کبھی ملاقات اور تفریح کے لیے جایا کرتے تھے۔ باروی صاحب کے ایک مقتدی سید محمود شاہ صاحب کے ٹھٹھہ کے ایک عامل بابا کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔ وہ بابا ہفتہ میں ایک دن کراچی آتے تھے۔ بابا کے تابع جنات تھے۔ میں نے مولانا باروی اور شاہ صاحب سے گذارش کی کہ کبھی آپ اس بابا کو ہمارے مدرسہ گلزار حبیب لے آئیں تاکہ بابا کے جنات کے ساتھ ہماری بات چیت ہو سکے۔ ایک دن اچانک شاہ صاحب اور ٹھٹھہ والے بابا مدرسہ میں آگئے۔ دفتر میں میرے ساتھ دوسرے لوگ بھی بیٹھے تھے۔ سلام اور کلام کے بعد ٹھٹھہ والے بابا نے اوپر دیکھا اور بلند آواز سے جن کو آواز دی۔ کہنے لگے، اسماعیل! (جن کا نام تھا) کہاں ہو، فوراً دفتر میں آجاؤ۔ اس نے جواب دیا، میں مسجد دیکھنے چلا گیا تھا۔ وہ دفتر میں آگیا۔ چھت سے آواز آئی، مفتی صاحب! السلام علیکم۔ میں

نے کہا، وعلیکم السلام۔ جن نظر نہیں آرہا تھا مگر اس کی آواز آرہی تھی اور اردو میں بات کر رہا تھا۔ بابا نے پوچھا، تم کہاں چلے گئے تھے؟ اس نے کہا، مسجد دیکھ رہا تھا۔ بابا نے کہا، مفتی صاحب سے باتیں کرو۔ اسماعیل نے مجھے کہا، مفتی صاحب! میرے لائق کوئی کام ہو تو حکم فرمائیں۔ میں نے کہا، آپ دعا کیا کریں۔ میرے ساتھ بیٹھنے والے افراد میں سے کسی نے اسماعیل سے کہا، دعا کرو میں عمرہ پر چلا جاؤں۔ کسی نے کہا، میری فلاں حاجت ہے، پوری ہو جائے۔ اسی دوران چائے آگئی۔ بابا کو ہم نے چائے دی۔ بابا نے کہا، اسماعیل تم چائے پیو گے؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ پیالی سے پلیٹ میں چائے ڈالی، شُر شُر کی آواز آتی تھی اور چائے غائب ہو جاتی تھی۔ ہمیں محسوس ہو رہا تھا، چائے پی جارہی ہے، نظر کچھ نہیں آتا تھا۔ چائے ختم ہوئی تو بابا نے کہا، اسماعیل! مفتی صاحب کو کچھ کھلاؤ۔ اسماعیل نے کہا، کیا کھلاؤں؟ بابا نے کہا، ٹافیاں کھلاؤ۔ وہ جانے لگا تو بابا نے کہا، پیسے لے جاؤ، مفتی صاحب چوری کا مال نہیں کھاتے۔ میں نے دس روپے بابا کے ہاتھ میں رکھے۔ اسماعیل نے فوراً اچک لیے۔ وہ چار پانچ منٹ کے بعد واپس آگیا اور کہنے لگا، یہ ٹافیاں لو۔ وہاں بیٹھے سب لوگوں نے ہتھیلی آگے بڑھادی۔ اسماعیل جن نے کمرے کی چھت سے ہر آدمی کی ہتھیلی میں ایک ایک ٹافی زور سے پھینکی جو ہر شخص کی ہتھیلی میں نشانہ پر پہنچی، کوئی نشانہ خطا نہیں ہوا۔ اس کے بعد دعا ہوئی۔ مدرسہ کے کمرہ سے باہر صحن میں آئے تو ٹھٹھہ والے بابا نے کہا، اسماعیل پان کھلاؤ۔ ایک منٹ میں اسماعیل نے آسمان کی طرف سے آواز دی، لو یہ پان آرہا ہے۔ جن لوگوں نے ہاتھ بڑھایا ان کی ہتھیلی میں تقریباً دس پندرہ میٹر اوپر سے زور سے پھینکا گیا پان ان کی ہتھیلی میں آگیا۔ بابا جی اور شاہ صاحب واپس چلے گئے۔ یہ منظر ہمارے لیے نہایت عجیب تھا اور اس واقعہ سے جنات کے وجود اور طاقت کے متعلق سماع کردہ واقعات کا یقین مزید بڑھ گیا۔

منہاج القرآن سے علیحدگی:

• ۱۹۹۲ء سے ۲۰۰۸ء تقریباً سولہ برس تک میں نے جامع مسجد رحمانیہ طارق روڈ خطابت کے فرائض انجام دیے۔ پھر بائی پاس آپریشن ہوا، مسجد رحمانیہ کی خطابت ترک کرادی گئی کیونکہ منہاج القرآن والوں کے ساتھ تعلقات قائم نہ رہے۔ رحمانیہ مسجد کے سرکردہ آدمی نے کہا کہ پروفیسر صاحب نے ہی یہ فیصلہ کیا ہے اور ان کا فیصلہ شاید اس وجہ سے تھا کہ میں نے پاکستان سے کنیڈا پروفیسر صاحب سے بات کرتے ہوئے مشورہ دیا تھا کہ آپ برمنگھم کی جامع مسجد کھمگول میں بخاری شریف انٹرنیٹ پر پڑھاتے ہیں، آپ کی عبارت میں اعراب کی غلطیاں ہوتی ہیں، ان کو صحیح کرلیا کریں کیونکہ دنیا کے علماء آپ کی پڑھی ہوئی عبارت سن رہے ہوتے ہیں۔ اس پر شاید انہیں غصہ آیا اس لیے انہوں نے اپنی زیرِ پرستی چلنے والی مسجد کی خطابت سے مجھے منع کیا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر پروفیسر صاحب کی جانب سے جاری بیان کہ ممتاز قادری صاحب، جس نے گستاخِ رسول گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو قتل کیا تھا، اسے قصاص میں قتل کردیا جائے کیونکہ سلمان تاثیر مسلمان تھا۔ میں نے پروفیسر صاحب کے اس بیان سے اتفاق نہیں کیا تھا، میرے نزدیک سلمان تاثیر مرتد تھا، اس کا قتل حربی کافر کے قتل کی طرح تھا۔ جس طرح حربی کافر کے قتل میں مسلمان قاتل پر قصاص نہیں ہوتا۔

رحمانیہ مسجد کی خطابت کے وقت اور ڈی آئی جی سانگھڑی:

• اسی طرح ممتاز قادری پر بھی قصاص واجب نہیں ہوتا۔ رحمانیہ مسجد میں ڈی آئی جی بچل سانگھڑی صاحب عموماً جمعے کی نماز میرے پیچھے ادا کرتے تھے، کبھی کبھی اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاتے اور کھانا کھلاتے اور کبھی کبھی ہمارے گھر اور کبھی کبھی مدرسہ میں آیت کریمہ کے اجلاس میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ باہم

قریبی تعلقات کی وجہ سے جب وہ کراچی میں ڈی آئی جی تھے۔

غیب سے آنے والے شخص اور نصیر کا ذکر:

• ایک دن انہوں نے مجھے فون کیا کہ آپ سے معلوم کرنا ہے، ایک نصیر نامی نوجوان شخص جو پکا نمازی بھی نہیں، سگریٹ وغیرہ پیتا ہے، نہ قرآن کا حافظ ہے اور نہ عالم، اس شخص کے کہنے پر ایک بزرگ آدمی آسمانوں سے بند کمرے میں اچانک نازل ہو جاتا ہے اور اس کمرے میں موجود لوگوں کو سلام کرتا ہے، پہلی مجالس میں آنے والے حاضرین کو پہچانتا ہے اور نام لے کر سلام کرتا ہے اور نئے آنے والوں کا نام پوچھتا ہے پھر موجود لوگوں سے باتیں کرتا ہے اور ہر ایک کی حاجت اور تکلیف کے متعلق وظائف بتاتا ہے، ابتدا میں ذکر بالجہر کرتا ہے آخر میں اعلحضرت کا سلام مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام پیش کرتا ہے اور پھر اچانک بند کمرے سے سلام کرتے ہوئے ہوا کی طرح نکل جاتا ہے۔ کمرے کی دیواریں اور چھت اس کی آمد اور رفت کے لیے رکاوٹ نہیں ہوتیں۔ سانگھڑی صاحب پوچھنے لگے، وہ آسمانی شخصیت کوئی جن ہے یا کوئی روحانی ولی یا فرشتہ، کیا ہے؟ ہمیں سمجھ نہیں آتی، آپ بتائیں۔ میں نے عرض کیا، جنات کے متعلق کتابیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے یہ آسمانی شخص جنات سے ہوگا مزید یہ کہ اگر آپ ان کی مجلس میں مجھے بلا سکتے ہیں تو بلالیا کریں، دیکھ کر مزید تحقیق کریں گے۔ سانگھڑی صاحب نے مجھے اور بھائی حافظ محمد شریف خطیب جامع مسجد مبارک ڈیفنس کو مجلس میں بلالیا۔ واقعی آسمانی شخص بند کمرے میں چھت سے ایک جائے نماز پر نازل ہوا، سلام کے بعد میرا اور بھائی کا تعارف ہوا۔ اس کے بعد متعدد مجالس میں شرکت ہوتی رہی۔ ایک مرتبہ میری بھانجی دلشاد بہن کی بیٹی اور دوسری مرتبہ شفیق پلمبر کی بیٹی کے لیے اپنے گھر پر بھی نصیر کو بلایا۔ ایک مرتبہ لاڑکانہ کے نزدیک نوڈیرو بھی ہم چار پانچ افراد، جب سانگھڑی صاحب لاڑکانہ

کے حاضر سروس ڈی آئی جی تھے، وہاں نوڈیرو گئے تھے، جب موہن جو دڑو ایئرپورٹ پر اترے، سانگھڑی صاحب کافی پجارو گاڑیوں کے ساتھ استقبال کے لیے موجود تھے۔ میرے ساتھ بھائی شریف اور عبدالخالق وغیرہ ہم سفر تھے۔ گھر لے گئے پھر رات کو نوڈیرو جہاں نصیر نامی شخص رہتا ہے اور ہر ماہ گیارہویں شریف کے موقع پر عام اجلاس میں وہ بزرگ کرسی پر آسمان سے تشریف لاتے ہیں، ذکر بالجہر اور دعا اور سلام اور لوگوں کے مسائل سنتا ہے، ہمیں ڈی آئی جی لاڑکانہ سانگھڑی صاحب کی وجہ سے الگ کمرہ میں نصیر نے ملاقات کرائی تھی۔ آسمانی شخص وعدے بھی کرتا ہے اور کہتا ہے آپ کا کام ایک ہفتے میں ہو جائے گا مگر کام ہوتا نہیں ہے۔ میں نے سانگھڑی صاحب سے عرض کیا، یہ آسمانی آدمی جنات میں سے ایک مسلمان جن لگتا ہے مگر وہ خود کہتا ہے، میں جن نہیں، ایک وقت آئے گا میں بتاؤں گا کہ میں کون ہوں۔ ایک مرتبہ مجھے اور بھائی شریف کو اپنے قریب بلایا، ایک ہاتھ میرے ہاتھ میں اور دوسرا ہاتھ بھائی شریف کے ہاتھ پر رکھا اور باتیں سنانے لگا۔ میں نے عرض کیا، حضرت میں بلڈ پریشر کا مریض ہوں، دعا کریں۔ انہوں نے جواب دیا، مفتی صاحب! آپ تو مجھے جن کہتے رہتے ہیں اور پھر دعا کے لیے کہہ رہے ہیں، میں جن نہیں ہوں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہزاروں قسم کی ہے۔ میں خاموش رہا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نصیر کی موجودگی میں آسمانی شخص کی غیبت میں اس آسمانی شخص کے متعلق گفتگو کی جاتی تو اس کو علم ہو جاتا تھا کیونکہ اس بابا کے جانے کے بعد ہم باہم بحث کرتے تھے کہ یہ شخص جن ہے یا کوئی ولی ہے۔ بہرصورت آسمانی آدمی کی ملاقات سے ایک عجیب منظر دیکھنے کا موقعہ ملا۔

"وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ" (سورۃ مدثر، آیت: ۳۱)

تیرے رب کے لشکروں کو نہیں جانتا مگر وہ۔

نصیر سے آسمانی شخص کے متعلق سوال:

• ایک مرتبہ میں نے نصیر سے پوچھا، یہ آدمی کون ہے اور آپ کے بلانے پر کیوں آجاتا ہے، جب آتا ہے کبھی کہتا ہے میں بغداد سے آرہا ہوں، کبھی کہتا ہے میں فلاں ملک سے آرہا ہوں، منٹوں بلکہ سیکنڈوں میں پہنچ جاتا ہے۔ نصیر نے کہا، مجھے اندرونِ سندھ ایک گاؤں کی ایک پارسا معمر عورت نے ایک وظیفہ دیا تھا، کیونکہ میں نے اس کی مدد کی تھی۔ میں عدالت میں تھا اس بوڑھی عورت کا بیل چوری ہو گیا۔ بیل تو پولیس کھا گئی تھی، میں نے اس کا معاوضہ رقم اس عورت کو دی تو اس نے مجھے وظیفہ دیا۔ میں جب وظیفہ پڑھتا ہوں تو یہ آسمانی آدمی میرے بلانے پر آجاتا ہے عموماً سورۃ یٰس کا پہلا رکوع تلاوت کرتے وقت کہیں بھی ہو، یہ شخص ظاہر ہو جاتا ہے۔ دورانِ گفتگو جی امی جی امی بھی کہتا رہتا ہے، اردو زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی گفتگو شروع کر دیتا ہے۔ ایک عجیب منظر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

• آسمانی بزرگ سے بارہا ملاقاتیں ہوئیں۔ ابھی جنوری ۲۰۱۵ء میں کسی آدمی نے نصیر نامی شخص کو قتل کر دیا۔ آخری مرتبہ غالباً نومبر ۲۰۱۴ء میں شفیق پلمبر کی بچیوں کے لیے میرے گھر پھر دوبارہ شفیق کے گھر آیا تھا۔ نصیر صاحب فوت ہو گئے لہٰذا آسمانی بزرگ کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ آسمانی بزرگ سے کافی لوگوں نے ملاقاتیں کیں۔ خصوصاً جنات کے اثر سے پریشان خواتین کو بہت فائدہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نصیر کی مغفرت فرمائے۔

ایک ابدال سے ملاقات:

• غالباً ۱۹۷۶ء یا ۱۹۷۷ء کے وسط میں، میں دارالعلوم امجدیہ کراچی میں مدرس تھا۔ شدید نزلہ شروع ہوا، جوں جوں دوا کی مرض بڑھتا گیا حتیٰ کہ گرم ادویہ کی وجہ سے ناک سے خون آنا شروع ہو گیا اور بیماری کی طوالت سے جسمانی کمزوری

حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ کسی نے مشورہ دیا یونانی علاج کرائیں۔ چنانچہ مدرسہ سے چھٹی لے کر علاج کرانے کی غرض سے جناب حضرت فقیر سلطان علی صاحب رحمہ اللہ شاہ والا کے صاحبزادوں جناب محمد اسماعیل اور عبدالرحمٰن صاحبان کی وساطت سے حکیم عبدالرحیم آف میانوالی جانے کا ارادہ کیا۔ بستی شاہ والا پہنچا، حضرت فقیر سلطان علی اور ان کے صاحبزادوں کو اپنی بیماری اور اس کے علاج کے لیے حکیم صاحب کے پاس جانے کی غرض سے مطلع کیا۔ رات گزار کر صبح دس گیارہ بجے کے قریب ہم سب ایک کمرے میں چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ فقیر صاحب سر پر تیل کی مالش کرا رہے تھے۔ اچانک ایک آدمی کھدر کے لباس میں نہایت وجیہہ اور خوبصورت شکل والے تشریف لائے، ملاقات ہوئی، تعارف ہوا۔ مجھے بتایا گیا ان کا نام محمد شفیق ہے اور یہ رکھلے کے پہاڑوں میں نمک کی کانوں میں کام کرتے ہیں اور حکومت کے ملازم ہیں۔ محمد شفیق صاحب کو میری آمد کی غرض سے اطلاع دی گئی، وہ اپنی چارپائی سے اٹھ کر میری چارپائی پر میرے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے، پہلے مجھے آپ نبض دکھائیں۔ میں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ انہوں نے میری کلائی پر نبّاض کی طرح ہاتھ رکھا مگر نبض کی دوسری سائیڈ پر انگلیاں رکھیں۔ میں نے سمجھا کوئی اناڑی آدمی ہے۔ میں نے کہا، نبض تو اس سائیڈ پر ہوتی ہے۔ اس نے کہا، میں اسی طرح نبض دیکھتا ہوں۔ انہوں نے میری ہتھیلی پر نظر رکھی اور فرمانے لگے، آپ کی زندگی مصائب سے بھری پڑی ہے مگر ہر تکلیف اور بیماری کے بعد شفا ہو گی، گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر کہنے لگے، آپ کے تین بھائی ہیں اور پانچ بہنیں ہیں اور آپ کا نکاح یا شادی ہو گئی تھی اور پھر منقطع ہو چکی ہے۔ مجھے نہایت تعجب ہوا، واقعی ایسا ہی تھا۔ میں نے چچا صالح محمد صاحب رحمہ اللہ کی بیٹی سے برادری کے دباؤ اور وٹہ سٹہ کی وجہ سے شادی کر لی تھی مگر پانچ سال کے بعد طلاق دے دی تھی۔ طلاق

کی وجہ سے برادری کا بائیکاٹ جاری تھا۔ وہ کہتے تھے، اب ان کی شادی برادری میں نہیں ہونے دیں گے۔ میں اوّلاً دوبارہ شادی ہو جانے سے مایوس تھا ثانیاً میں بااولاد ہونے سے مایوس تھا کیونکہ پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اس لیے میں نے فوراً شفیق صاحب سے پوچھا، کیا میری دوبارہ شادی ہو گی، اگر شادی ہوئی تو کیا مجھے اولاد نصیب ہو گی؟ کیونکہ برادری کے لوگ مخالف ہیں، وہ کہتے ہیں شادی نہیں ہونے دیں گے اور اولاد سے مایوسی کا احساس ہو رہا ہے کیونکہ پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہوئی تھی۔ شفیق صاحب نے پوچھا، آپ کی عمر کتنی ہے؟ میں نے کہا، شاید ستائیس اٹھائیس سال ہو گی۔ انہوں نے فرمایا، تین سال کے اندر آپ کی شادی ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ آپ کو اولاد عطا فرمائے گا۔ سب سے پہلے لڑکا پیدا ہو گا۔ میں خاموش رہا۔ دنیا جہاں کی باتیں ہوتی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد شفیق صاحب تشریف لے گئے، ان کے چلے جانے کے بعد حضرت فقیر سلطان علی صاحبؒ فرمانے لگے، شفیق صاحب ابدالوں کی جماعت سے ابدال ہیں۔ اس کے بعد میانوالی پہنچا، حکیم عبدالرحیم سے علاج لیا، اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک دن کراچی میں نانک واڑہ کی خضراء مسجد سے گزر رہا تھا، مسجد کی دوکانوں میں ایک بوڑھا حکیم معمولی یونانی ادویہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، میں نے اسے اپنی تکلیف کا ذکر کیا۔ انہوں نے شربت بنفشہ کی ایک بوتل اور سرخ پوڈر کی صورت میں دوا کی پندرہ بیس پڑیاں دیں اور کہا، آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔ الحمدللہ! تین ماہ سے جاری نزلہ اور زکام کا مرض اس بوڑھے فقیر کی دوا سے زائل ہو گیا اور شفا حاصل ہوئی حالانکہ ڈاکٹر عبدالغنی اور ڈاکٹر محمد اسحاق اور دیگر بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیم عبدالرحیم جیسے حکیموں کے علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا مگر ایک عام آدمی (شاید وہ روحانی معالج تھا) کی معمولی دوا سے اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

دوسری شادی کا ذکر:

• ۱۹۷۹ء میں دوسری شادی ہوگئی۔ الحمدللہ! موجودہ زوجہ محترمہ سے اللہ تعالیٰ نے خوبصورت اور خوب سیرت صحیح اور سالم چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں عطا فرمائیں اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا جس کا نام سہیل رفیق رکھا۔ جس طرح مرحوم شفیق نے فرمایا تھا وہی ہوا۔ میں نے سہیل کی ولادت پر محمد شفیق صاحب رحمہ اللہ کو کپڑوں کا ایک جوڑا مبارک بادی میں بھیجا تھا، دوبارہ ان کی زیارت نہ ہو سکی۔ کچھ عرصے کے بعد مجھے خبر ملی شفیق صاحبؒ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور ان کا وصال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ یہ امر حق ہے بعض مردانِ خدا گودڑیوں میں پوشیدہ پھرتے ہیں، اللہ تعالیٰ خوش نصیب لوگوں کو ان کی زیارت نصیب کرتا اور سعادت مند لوگوں کے ساتھ ان کے باطن کو ظاہر کرتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ زِیَارَۃَ اَوْلِیَاءِكَ وَ مُجَالَسَتَھُمْ وَ مُکَالَمَتَھُمْ۔ آمین آمین۔

پوشیدہ ولی سے ملاقات اور ذوقی کیفیت کا ذکر:

• میرا مکان ڈیفنس فیز 5 بدر کمرشل ایریا میں ہے، قریب ہی جامع مسجد مبارک سی ویو ہے۔ تقریباً تیس سال سے مبارک مسجد کے امام اور خطیب میرے چھوٹے بھائی مولانا حافظ محمد شریف حسنی صاحب ہیں۔ مجھے اسی مسجد میں پانچ وقتہ نماز پڑھنے اور بعض مرتبہ جمعہ پڑھانے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے۔ جب میں گھر ہوتا ہوں اسی مسجد میں نماز پڑھتا ہوں۔ ایک عرصے سے بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے گھر ہوتے ہوئے بھی مبارک مسجد میں جانا نہیں ہوتا، گھر میں ہی نماز پڑھ لیتا ہوں۔ بغیر اسپیکر میرے مکان تک آذان کی آواز نہیں آتی، میں سمجھتا ہوں میرے اوپر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا خصوصاً بیماری اور کمزوری کی صورت میں واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہے۔ چند سال پہلے جب میں گھر ہوتا تھا ہر نماز کی جماعت کے لیے پیدل مسجد میں جاتا تھا۔ ان دنوں میں میلے

کچیلے کپڑوں میں ملبوس ایک آدمی شرعی داڑھی اور شکل اور صورت کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتا تھا۔ وہ ازخود ملاقات کرتا تھا مگر میں اسے عام آدمی سے بھی کم عقل سمجھتا تھا۔ وہ صاحب بلا ضرورت کبھی کسی فقیر کی اور کبھی مولانا الیاس قادری صاحب اور کبھی جناب طاہر القادری صاحب کی باتیں شروع کردیتا تھا مگر ہم لوگ اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے۔ ایک دن میں نماز کے بعد مبارک مسجد کے شرقی گیٹ سے نکلا، وہ آدمی جنوبی جانب سے میری طرف متوجہ ہو کر آرہا تھا جیسا کہ ان کو میرے ساتھ کوئی کام ہو۔ میں ان کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ میرے قریب پہنچا، اس نے مجھے گلے لگا کر دبایا تقریباً پندرہ بیس سیکنڈ گلے لگائے رکھا، گلے لگنے کے وقت میں پانی پانی ہو گیا اور میری حالت ذوقی سرور اور لذت میں بدل گئی۔ اس آدمی کی محبت میری شدید خواہش اور میرے دل میں اتر گئی، دل چاہتا تھا وہ مجھے گلے لگائے رکھیں۔ جب انہوں نے مجھے چھوڑا اور دور ہوئے اور چلے گئے مگر میری ذوقی کیفیت دو تین منٹ تک باقی رہی، حالت ایسی میٹھی اور باسرور تھی جسے زبان سے بیان نہیں کیا جاسکتا، چینی کی مٹھاس کا علم چینی کھانے سے ہوتا ہے اسی طرح ذوقی کیفیات کا علم ذوقی کیفیت طاری ہونے پر ہوتا ہے، اسی لیے کہا گیا ہے ”من لم یذق لم یدرك“ (جس نے نہیں چکھا، اسے علم نہیں ہوا)۔ امام غزالی عنین (نامرد) آدمی کی مثال سے سمجھاتے ہیں، فرماتے ہیں، جس طرح عنین کو جماع اور مباشرت کی لذت کا علم نہیں ہو سکتا، اسی طرح غافل کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور فکر کی مٹھاس کا علم نہیں ہو سکتا۔

غلام حسین گھلو کا ذکر:

• میرے مخدوم حافظ غلام حسین گھلو رحمہ اللہ کو جب میں نے صحت اور بدن کی عافیت کے حوالہ سے عرض کیا کہ آپ صبح سے شام تک قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں یا پھر ذکر خفی کرنا شروع کردیتے ہیں، اس کی وجہ سے آپ

کے جسم میں خشکی ہو گئی ہے جس کی وجہ سے قدم اور ہاتھ پھٹ گئے ہیں اور ان میں شگاف پڑ گئے ہیں۔ آپ تلاوت اور ذکر کم کر دیں مگر انہوں نے جواب دیا، مفتی صاحب! قرآن مجید کی تلاوت شہد سے بھی زیادہ میٹھی لگتی ہے، دل چاہتا ہے ہر وقت پڑھتا رہوں، اس لیے یہ نہیں چھوڑ سکتا۔ آخر تین سال تک چارپائی پر آ گئے اور پھر فوت ہو گئے، جب تک باہوش رہے تلاوت کرتے رہے۔ اور یہی حال حافظ جی حافظ محمود صاحب اور جناب بابر صاحب کا تھا۔

حضرت عبداللہؓ کے خون پینے کا ذکر:

• مبارک مسجد کے آدمی کے گلے لگانے سے مجھے سیدنا عبداللہ ابن زبیرؓ اور سیدہ ام ایمنؓ کے واقعات یاد آ گئے۔ احادیث میں وارد واقعات کا خلاصہ یہ ہے کہ سرور دوعالم ﷺ نے خون نکلوایا، خون کا پیالہ حضرت عبداللہ ابن زبیر کو دیا اور فرمایا، جاؤ یہ خون کہیں گرا دو۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے باہر جا کر خون پی لیا۔ واپس آئے تو سرورِ دوعالم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ خون کہاں گرایا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! زمین پر گرانے کو دل نہیں کرتا تھا، میں نے خون پی لیا ہے۔ سرورِ دوعالم ﷺ نے فرمایا، تیرے جسم پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ جب صحابہ کرام کو اس بات کا علم ہوا انہوں نے حضرت عبداللہؓ سے پوچھا، خون کیسا لگا؟ انہوں نے جواب دیا، خون شہد سے زیادہ میٹھا تھا اور مشک سے زیادہ اس میں خوشبو تھی۔ (حاشیہ نبراس / خصائص کبریٰ) مگر یہ خیال رہے کہ یہاں صرف محبت کا دخل نہیں تھا اگر آپ کا خون کافر بھی پیتا، اسے آپ ﷺ کا خون خوشبودار اور میٹھا لگتا۔ غالباً چھ خوشنصیب صحابہ کرام نے سرورِ دوعالم ﷺ کا خون پیا تھا۔ ان میں حضرت مالک بن سنان نے غزوہ احد میں سرورِ دوعالم ﷺ کا خون آلود چہرہ انور اپنی زبان سے چاٹ کر صاف کیا تھا۔ سبحان اللہ۔

حضرت ام ایمن کے پیشاب پینے کا ذکر:

• حضرت ام ایمنؓ کو سرورِ دو عالم ﷺ نے شدید مرض کی وجہ سے برتن میں کیے گئے اپنے پیشاب کو باہر گرانے کا حکم دیا مگر انہوں نے آپ کا پیشاب پی لیا۔ جب سرورِ دو عالم ﷺ نے دریافت فرمایا، پیشاب کہاں گرایا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! پی لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، آپ کے اور آپ کی اولاد کے پیٹ میں درد نہیں ہو گا۔ چنانچہ حضرت ام ایمنؓ فرماتی تھیں، اس دن کے بعد میرے اور میری اولاد کے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوا۔ (خصائص کبریٰ)

اس واقعے سے مجھے بعض بوڑھے مشائخ کے مریدین اور خدام کی خدمت کرنے کا راز معلوم ہوا کہ انہیں اپنے شیخ سے ایسی شدید محبت ہوتی ہے کہ انہیں ان کی ہر چیز چینی سے بھی زیادہ میٹھی لگتی ہے اور وہ محبت کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ بعض مشائخ کے مریدین کو دیکھا ہے اپنے شیخ کا بلغم زمین پر نہیں گرنے دیتے، اپنے کپڑوں میں لے لیتے ہیں اور انہیں کراہت نہیں ہوتی۔ اپنے مشائخ کا بول و براز صاف کرنے اور ٹھکانے لگانے میں مسرت ہوتی ہے۔

استاذیم بندیالویؒ اور بابوجیؒ کے فوٹوز کا مسئلہ:

• استاذیم قبلہ عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ بیان فرماتے تھے، آستانہ عالیہ گولڑہ شریف کے سجادہ نشین حضرت غلام محی الدین المعروف بابو جی رحمۃ اللہ علیہ بذریعہ بحری جہاز بغداد شریف جانے لگے تو مجھے بھی آپ نے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ آپ کے قافلہ میں حضرت مولانا شوق صاحبؒ پپلان والے بھی ساتھ تھے۔ جب عراق کے لیے بحری جہاز روانہ ہوا، آپ نے علماء سے فرمایا، میری موجودگی میں آپ لوگ فوٹو کے مسئلہ کے متعلق اپنے دلائل بیان فرمائیں کیا یہ جائز ہیں یا ناجائز؟ قبلہ استاذ صاحب فرماتے تھے میں نے عرض کیا، میری تحقیق یہ ہے کہ کیمرہ کے فوٹو جائز نہیں مکروہ تحریمی جیسے حرمت ظنی سے حرام ہیں اور ناجائز ہیں

اور مولانا شوق نے فرمایا جائز ہیں۔ آپ نے فرمایا آپ لوگ میرے سامنے اپنے اپنے موقف پر دلائل پیش کریں۔ اس مسئلے پر مسلسل بحث ہوتی رہی، آپ فریقین کے دلائل سنتے رہے۔ جب بغداد شریف پہنچے حضرت صاحب نے فیصلہ فرمایا، مولانا عطا محمد صاحب صحیح فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اس فیصلے کو لکھ لیا جائے اور دونوں فریق اس پر دستخط کر دیں۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق فیصلہ پر دستخط ہو گئے، جب واپس گولڑہ شریف پہنچے، آپ نے جمع شدہ اپنے فوٹو نکال کر ہمیں دے دیے اور فرمایا، ان کو ضائع کر دو اور میں آئندہ فوٹو نہیں کھنچواؤں گا۔ قبلہ استاذ صاحب فرماتے تھے، میں نے شوق صاحب کے ساتھ مشورہ کیا کہ ان فوٹوز کو کس طرح ضائع کیا جائے۔ طے ہوا ایک برتن میں پانی ڈال کر سارے فوٹو پانی میں ڈال دیے جائیں اور برتن دھوپ میں رکھ دیا جائے، جب فوٹوز نرم ہو جائیں گے، فوٹوز مسل کر مخلوط پانی کسی ایسی جگہ گرا دیا جائے جہاں کسی کا پیر نہ آئے۔ چنانچہ ایک بڑے برتن میں پانی بھر کر فوٹو اس میں ڈال دیے گئے اور برتن دھوپ میں رکھ دیا گیا۔ دوپہر کا ٹائم تھا، ہم قیلولہ کے لیے سو گئے۔ ظہر کی نماز کے بعد میں نے دیکھا کہ برتن خالی ہے، اس میں نہ پانی ہے اور نہ فوٹو۔ میں نے شوق صاحب سے پوچھا کہ پانی اور فوٹو کدھر گئے۔ انہوں نے فرمایا، میں نے فوٹو مسل کر فوٹو اور پانی پی لیا ہے، پانی کو زمین پر گرانے کا دل نہیں چاہتا تھا، اس لیے میں نے پی لیا ہے۔

- فوٹو جب پانی میں محلول ہو جائیں صرف ان کی سیاہی پانی کے ساتھ باقی رہ جائے، اس مخلوط پانی کو پینا جائز ہے کیونکہ کاغذ اور سیاہی نجس نہیں ہوتے۔

علماء بھی مشائخ سے محبت کرتے ہیں:

- بڑے بڑے علماء بھی اپنے مشائخ سے محبت کرتے ہیں اور محبت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں بشرطیکہ ناجائز نہ ہوں۔ مریدین اپنے مشائخ کا بلغم زمین پر نہیں

گرنے دیتے، اپنے کپڑوں میں لے کر مسل دیتے ہیں۔ انہیں مشائخ کے فضلات سے بھی نفرت نہیں آتی۔ یہ راز ذوقی ہوتا ہے جو مجھے بھی چند منٹوں کے لیے حالتِ ذوقی عطا کر کے سمجھایا گیا۔ وہ شخص جس نے مجھے مبارک مسجد کے گیٹ پر گلے لگایا تھا، میں نے سمجھ لیا یہ شخص نیم پاگل نہیں ہے بلکہ اولیاء کرام میں سے ہے لیکن بھولا پن اپنی شخصیت کو چھپانے کے لیے ظاہر کرتا ہے۔ اب میں کوشش کرتا تھا اس سے ملاقات ہو جائے، ایک دن مسجد کے گیٹ پر ٹوپیاں بیچ رہا تھا، میں نے اسے کچھ پیسے دیے اور اسے عرض کیا، براہ کرم کبھی میری دعوت قبول فرمائیں اور میرے غریب خانے پر چلیں۔ اس نے کہا، ٹھیک ہے مگر اس کے بعد وہ غائب ہو گیا، آج تک ملاقات نہیں ہو سکی۔ اکثر لوگوں سے پوچھا مگر کسی نے اس کے متعلق خبر نہیں دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت فضل ربی مجددی اور مستجاب پر دعا:

• ایک مرتبہ خاندان حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے شہزادے حضرت فضل ربی صاحب زید مجدہ اور حضرت فضل الرحمٰن زیدت الطافہ کے ساتھ عمرہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جناب حاجی الیاس صاحب اور حاجی محمد یحییٰ صاحب برادران ہمارے ساتھ تھے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے محمد سہیل رفیق، محمد اویس رفیق، محمد جنید رفیق اور محمد عمیر رفیق عطا فرمائے اور پانچ بیٹیاں عطا فرمائیں۔ بیٹیوں کے رشتوں کے لیے ہر باپ کی طرح میں بھی متفکر رہتا تھا، برادری اور اپنی قوم میں کوئی مناسب رشتہ نہیں تھا ہر وقت بزرگوں سے دعا کراتا رہتا تھا، ان دونوں ہمسفر مجددی برادران سے کئی دفعہ دعا کی درخواست کر چکا تھا مگر کوئی نتیجہ سامنے نہیں آتا تھا۔ عمرہ کے ایام میں ایک رات کعبۃ اللہ کے مطاف میں ہم بیٹھے تھے، میں نے حضرت فضل ربی صاحب کو طواف کرایا پھر حطیم کی جانب ہم دونوں بیٹھ گئے۔ میں نے عرض کیا، حضور! رکن یمانی سے

پہلے ملتزم کے محاذی جگہ کا نام مستجار ہے، قریش کی تعمیر سے پہلے کعبۃ اللہ کا جس طرح مشرقی دروازہ ہے اسی طرح کعبۃ اللہ کا مغربی دروازہ بھی تھا اور دونوں دروازے زمین کے ساتھ متصل تھے مگر قریش نے مغربی دروازہ بند کر دیا اور مشرقی دروازہ بند نہ کیا مگر اونچا کر دیا۔ مغربی دروازے اور حجر اسود کے درمیان کعبۃ اللہ کا حصہ ملتزم کہلاتا ہے، وہاں دعا قبول ہوتی ہے اور مغربی دروازے اور رکن یمانی کے درمیان کعبۃ اللہ کا حصہ مستجار کہلاتا ہے۔ یہاں بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ میں نے آپ کو روایت کردہ ایک واقعہ سنایا۔

چار آدمیوں کی دعا مستجار پر قبول ہوئی:

• حضرت امام شعبی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عبداللہ ابن زبیر اور حضرت مصعب ابن زبیر اور حضرت عبداللہ ابن عمر اور عبدالملک ابن مروان مطاف میں بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے کسی نے کہا، جس طرح ملتزم پر دعا قبول ہوتی ہے اسی طرح مستجار پر بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ ہم مستجار پر باری باری دعا کریں، ہو سکتا ہے ہماری دعا قبول ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے مستجار پر جا کر ثناء اور صلوٰۃ و سلام کے بعد دعا طلب کی، یااللہ! مجھے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی حکومت عطا ہو۔ وہ واپس آئے تو حضرت مصعب ابن زبیر نے ثناء کے بعد دعا کی، یااللہ! مجھے عراق کی حکومت عطا ہو اور میرا حضرت امام حسینؓ کی شہزادی سیدہ سکینہ کے ساتھ نکاح ہو جائے۔ وہ واپس آئے تو عبدالملک ابن مروان نے جا کر دعا کی، یااللہ! مجھے سارے مسلمانوں پر حکومت کرنے کا موقعہ ملے اور جو شخص میرے مقابلے میں آئے اسے شکست ہو۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمر نے دعا مانگی، یااللہ! مجھے جنت نصیب ہو۔ امام شعبی فرماتے ہیں، میں نے چاروں کی دعا قبول ہوتی دیکھی۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر تیرہ سال تک مکہ اور مدینہ کے حکمران رہے، حضرت مصعب ابن زبیر کو عراق اور کوفہ کی گورنری ملی

اور حضرت سکینہ کے ساتھ شادی ہوئی اور عبدالملک کو شام سے لے کر عراق اور حجاز تک حکومت ملی اور حضرت عبداللہ ابن زبیر آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور حدیث شریف میں ہے، اللہ تعالیٰ جس آدمی کی آنکھیں لے لیتا ہے اسے جنت عطا فرماتا ہے لہٰذا انہیں جنت ملی۔ جب میں نے یہ واقعہ حضرت فضل ربی صاحب کو بیان کیا، آپ نے فرمایا، اٹھو ہم بھی مستجار پر دعا کرتے ہیں۔ شاید حضرت فضل ربی کی دعا سے میری بیٹیوں کے رشتے ہوئے۔ میں آپ کو مستجار پر لے گیا۔ کعبۃ اللہ کی دیوار کے ساتھ چمٹ کر اور پیشانی لگا کر ہم دونوں نے دعا شروع کر دی۔ میں تھوڑی دیر کے بعد مطاف میں اپنی جگہ واپس آگیا۔ حضرت فضل ربی صاحب دیر سے واپس آئے اور آتے ہی کہنے لگے، آپ کی بیٹیوں کی شادی کے سلسلہ میں دعا قبول ہوگئی۔ فرمانے لگے، میں نے جب دعا کی تو مجھے اشارہ ہوا آپ کی صاحبزادیوں کے حق میں دعا قبول ہو گئی ہے، آپ کو مبارک ہو۔ چنانچہ اس کے بعد میری تین بیٹیوں کے مناسب جگہ پر رشتے ہو گئے۔ بڑی بیٹی کا نکاح برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں ڈاکٹر عامر کے ساتھ ہو گیا اور دوسری بیٹی کا رشتہ راؤ محمد حامد کے ساتھ ہو گیا، تیسری بیٹی کا نکاح حاجی محمد رمضان کے بیٹے محمد ریاض کے ساتھ ہو گیا۔ مجھے ظن غالب ہے یہ حضرت فضل ربی مجددی کی مستجار پر مانگی گئی دعا کی مقبولیت کا نتیجہ تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر کئی سال بعد چوتھی بیٹی کا نکاح میری بیوی کے بھائی شیخ محمد یعقوب کے بیٹے محمد الیاس کے ساتھ ہو گیا۔ ابھی چھوٹی بیٹی اور دو بیٹوں کے لیے دعا کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی اچھے رشتے عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

محمد بن علوی مالکی مکی سے خلافت کی سند اور ملاقات کا ذکر:

• حضرت سید محمد بن علوی الحسنی الحسینی مالکی رحمہ اللہ مالکی المذہب تھے، ان کے آباء واجداد صاحبِ ولایت تھے۔ آپ بھی نہایت کامل ولی اللہ تھے اور نہایت

صاحبِ تقویٰ اور صاحبِ علم انسان تھے۔ نہایت وجیہہ گلیم اور حسین شخصیت کے مالک تھے۔ اہلسنت و جماعت (جماعت حقہ بریلویہ) کے ہم عقیدہ تھے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں جگہ آپ کی رہائش کے مکانات تھے۔ سعودی نجدی علماء ان کے عدو مبین تھے۔ آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں میلاد النبی ﷺ کی محافل منعقد کرتے تھے اور ان کے مریدین اور متوسلین بھی محافل میلاد منعقد کرتے تھے۔ لاکھوں انڈونیشی لوگ آپ کے مرید تھے۔ باوجود اس کے نجدی حکومت کے نجدی علماء آپ کے شدید مخالف تھے لیکن حکومت کے اکثر بااثر وزراء اور عہدہ داران آپ کے متوسلین اور مریدین سے تھے۔ سعودی حکومت کے نہایت طاقتور تیل کے وزیر ذکی یمانی جیسے لوگ آپ کے معتقد تھے۔ حکومتی اجلاسوں میں نجدی علماء کے علی الرغم آپ کو بھی مدعو کیا جاتا تھا۔ واحد عالم تھے جن کے استقبال کے لیے سعودی سلطان شاہ فہد اور فیصل بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ حالانکہ سلاطین اپنے نجدی علماء کے استقبال کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ آپ کو سلاطین اپنے ساتھ اسٹیج پر بٹھاتے تھے۔ واحد سنی عالم تھے جنہیں مسجد حرام اور مسجد الرسول ﷺ میں تقریر کرنے کی اجازت تھی۔ آپ عربی میں تقریر فرماتے تھے۔ آپ کے سامعین باب العمرۃ کے محاذی اندر بیٹھا کرتے اور آپ خطاب فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ پروفیسر طاہر القادری صاحب نے لاہور منہاج القرآن کے جلسہ میں آپ کو بلایا تھا۔ اس وقت پروفیسر صاحب کے ساتھ ہمارے گہرے تعلقات تھے، ہمیں بھی دعوت تھی۔ ہم کراچی سے لاہور پہنچے۔ جلسہ گاہ میں جب قبلہ مالکی صاحب تشریف لائے علماء استقبال کے لیے ایک لائین میں کھڑے ہوگئے۔ آپ جب کسی عالم کے ساتھ مصافحہ فرماتے پروفیسر صاحب اس کا تعارف کراتے۔ جب میری باری آئی پروفیسر صاحب نے عرض کیا، ”ھٰذا مفتی محمد رفیق الحسنی جاء من الکراتشی ھو من کبار

العلماء“ تو قبلہ مالکی صاحب نے فوراً فرمایا ”انا ایضا حسنی و حسینی“ پروفیسر صاحب نے عرض کیا ”ھٰذا حسنی مشربا لا نسبا“ یعنی یہ طریقت کے سلسلہ میں اپنے شیخ کی نسبت سے حسنی ہیں، نسب کے اعتبار سے حسنی نہیں ہیں۔ حضرت مالکی سب علماء کے ساتھ ملاقات کرتے اسٹیج پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ صرف اتنی ملاقات ہوئی، مجھے نہایت خوشی ہوئی کیونکہ ۱۹۸۴ء میں جب میں حج پر گیا تھا اس وقت حرم مکہ میں ”حوار مع المالکی“ نام کی کتاب مفت تقسیم ہو رہی تھی۔ جب میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا، معلوم ہوا سعودی نجدی علماء نے آپ کے خلاف یہ کتاب لکھی ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ آپ مصری کسی ایسی تنظیم کے ایجنٹ ہیں جو سعودیہ میں انقلاب لانا چاہتی ہے اور سعودیہ حکومت کے خلاف ہے، اس دن سے آپ کی زیارت کرنے کا اشتیاق تھا۔ لاہور میں مختصر ملاقات کے بعد آپ واپس تشریف لے گئے۔ ایک سال جب میں عمرہ پر اپنی فیملی کے ساتھ گیا ہوا تھا، میری خواہش تھی کہ آپ کے آستانہ پر جا کر زیارت کی جائے، منہاج القرآن کے آدمی سے میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا، انہوں نے مہربانی فرمائی مجھے آپ کے آستانہ پر لے گئے۔ آپ اس وقت حدیث شریف کی کسی کتاب کا درس دے رہے تھے۔ ایک بڑے ہال میں سینکڑوں لوگ موجود تھے، آپ دیوار کے ساتھ فرش پر بیٹھے ہوئے تھے، آپ کے عقب میں دیوار پر، سر کی محاذات سے اونچی جگہ پر گنبد خضرا کی خوبصورت تصویر بنی ہوئی تھی۔ ہال میں سبز قالین بچھا ہوا تھا۔ ہم سامعین میں جا کر بیٹھ گئے۔ آپ طلبہ میں سے کسی ایک آدمی سے فرماتے ”یا فلاں اقرأ“ وہ آدمی حدیث شریف پڑھتا تھا، آپ اس حدیث کی شرح فرماتے تھے، پھر اگلی حدیث کے لیے کسی دوسرے آدمی سے فرماتے ”اقرأ“ وہ پڑھتا تھا۔ درس کے اختتام پر آپ نے دعا فرمائی اور لوگوں کو جانے کی اجازت

دے دی۔ میں جب ہال میں داخل ہوا تھا، دل میں خیال آیا تھا کہ میرے پاس خرچ کے لیے ریال ختم ہو گئے ہیں، کاش آپ سے پندرہ سو ریال مل جائیں۔ چنانچہ میں نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا اور اپنا تعارف کرانے لگا۔ آپ نے فرمایا، میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ آپ ہال کے گیٹ پر رکھی کرسی پر بیٹھ گئے، دروازے کے باہر ایک گاڑی آپ کے انتظار میں کھڑی تھی۔ آپ نے فرمایا، کہیں جلدی جانا ہے۔ ایک آدمی کو بلایا، اسے اپنی تصنیفات اور طریقت میں خلافت کی سند لانے کا حکم دیا۔ اس نے فوراً کتابیں اور سند کا کاغذ آپ کو دیا۔ آپ نے مجھے سند عطا کر کے خلافت عنایت فرمائی اور شاپر میں کافی کتابیں دیتے ہوئے جیب سے لفافہ نکال کر مجھے دیا اور فرمایا، مجھے اجازت۔ آپ تشریف لے گئے۔ میں اپنے ساتھی کے ساتھ واپس اپنی رہائش پر آ گیا۔ لفافہ کھولا تو اس سے میری دلی خواہش کے مطابق پندرہ سو ریال نکلے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ چنانچہ مجھے آپ سے خلافت کے علاوہ کتب اور نفقہ کے لیے خرچہ عطا ہوا۔ شاید آپ صاحبِ کشف تھے، جتنے ریال کی دلی خواہش تھی اتنے ہی آپ نے عنایت فرمائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرمین طیبین کے ائمہ کی اقتداء میں نماز کا ذکر:

• میں جب عمرہ یا حج پر جاتا تھا، حرمین طیبین کے ائمہ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو ان کے عقیدے کی وجہ سے جائز نہیں سمجھتا تھا کیونکہ اہلسنت کے بعض علماء حرمین طیبین کے ائمہ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے حالانکہ قبلہ استاذیم عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ اور گولڑہ شریف سے وابستہ دیگر جید علماء کرام اور حافظ جی حافظ محمود صاحب رحمہ اللہ اور دیگر مشائخ نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں۔ بظاہر سعودی علماء پر الزام ہے کہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے گستاخ ہیں مگر جمعہ کے خطبہ اور حرمین طیبین میں

وعظ و نصیحت کی مجالس میں تقریر کرتے ہوئے جب بھی جناب رسول اکرم ﷺ کا نام لیتے ہیں، وہ ہر مرتبہ ''صلی اللہ علی وسلم'' پڑھتے ہیں۔ان کی زبان سے براہ راست ہم نے کبھی گستاخی کے کلمات نہیں سنے۔ایک مرتبہ حافظ جی حافظ غلام محمودؒ میرے ساتھ تھے، فرمانے لگے، مفتی صاحب! میں تو ان کے پیچھے ہی نماز پڑھوں گا۔ میں نے عرض کیا، میں پڑھ کر اعادہ کروں گا۔آپ نے فرمایا، آپ کی مرضی۔ چنانچہ میں ہمیشہ اس خوف سے کہ سعودی شُرطے پکڑ نہ لیں، ان کی اقتداء میں نماز پڑھ کر اعادہ کرتا تھا مگر سوچتا تھا دس پندرہ لاکھ یا اس سے بھی زائد لوگ جن میں اولیاء کرام اور علماء عظام بھی یقیناً ہوں گے وہ ہمیشہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں اور اعادہ نہیں کرتے اور پاکستان کے مشائخ میں اکثر ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں اور جب میں ماضی کی تاریخ کو دیکھتا تھا اموی گورنر خصوصاً حجاج بن یوسف ظالم اور اور اس جیسے ظالم اموی گورنر اپنے اپنے اقتدار کے دور میں جب وہ مسجد نبوی میں جمعہ پڑھاتے تھے اور منبر پر آل رسول ﷺ اور حضرت علیؓ اور آپ کی آل پاک کو گالیاں دیتے تھے اور گستاخی کرتے تھے اور یزیدی دور کے یزیدی اور اموی امراء کی جانب سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور دیگر امصار کے گورنر جو نہایت بے ادب تھے اور محراب اور منبر سے عیدین اور جمعات کے خطبوں میں حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد پر دشنام طرازی کرتے تھے، مدنی اور مکی علماء اور آفاق واطراف سے حاضر ہونے والے علماء ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے، کیا ان کی نمازیں ہو جاتی تھیں؟ نیز ایک مرتبہ ڈاکٹر زبیر صاحب نے بیان کیا کہ میں ہمیشہ حرمین طیبین کے موجودہ ائمہ کی اقتداء میں نماز پڑھتا رہتا ہوں۔ ایک مرتبہ میرے ساتھ دو آدمی ہمسفر تھے، ایک ان کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھتا تھا اور ایک پڑھ لیتا تھا۔ جب اکٹھے بیٹھتے باہم تکرار شروع ہو جاتی۔ایک رات میں نے سرکارِ دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں استغاثہ کیا،

یارسول اللہ! آپ ارشاد فرمائیں، ان دو میں سے کون حق پر ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں، خواب میں آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا، آپکے ہاتھ میں دونوں آدمیوں کے شناختی کارڈ ہیں جن پر ان کی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ نے اس آدمی کے کارڈ کی طرف اشارہ فرمایا جو نماز پڑھ لیتا تھا۔ فرمایا، ڈاکٹر صاحب! یہ آدمی حق پر ہے۔

مدینہ منورہ میں ایک مطوتمہ سے مباحثہ:

• نیز ایک مرتبہ میں مسجد نبوی سے دور قبلہ کی جانب صبح اشراق کے وقت بجلی کے پول کے ساتھ بیٹھ کر گنبد خضرا کی طرف منہ کرکے دعا مانگ رہا تھا کیونکہ مواجہہ شریف کے سامنے گنبد شریف پر مزار انور کی طرف منہ کرکے دعا کرنے سے شرطے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں، اگر دعا کرنی ہے تو قبلہ کی طرف منہ کرکے دعا مانگیں۔ اس لیے میں قبلہ کی جانب دور جا بیٹھا۔ باب جبرئیل علیہ السلام سے ایک سرخ رومال والے شرطہ نے مجھے دیکھ لیا، وہ میرے پاس آگیا اور مناظرہ شروع کردیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ دعا عبادت ہے اور عبادت کے وقت منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے لہٰذا دعا کے وقت جناب رسول اللہ ﷺ کی مزار کی طرف منہ کرنا گویا آپ کی عبادت ہے اور یہ شرک ہے۔ میں نے جواب میں کہا، نمازِ جنازہ دعا اور عبادت ہے۔ نمازِ جنازہ میں ہمارا منہ میت کی طرف ہوتا ہے، کیا ہم میت کی عبادت کر رہے ہوتے ہیں، جب نمازِ جنازہ میں، جس کا عبادت ہونا واضح ہے، دعا کرنے سے شرک لازم نہیں آتا تو مواجہہ شریف دعا مانگنے سے شرک کیسے لازم آتا ہے۔ نیز ہر نماز کے بعد اور جمعہ و عیدین کے خطبات میں ائمہ دعا مانگتے ہیں اور ان کا منہ لوگوں کی طرف ہوتا ہے لیکن آپ لوگوں کے نزدیک یہ بھی شرک نہیں ہے تو گنبد خضرا کی طرف چہرہ کرکے ہاتھ کھڑے کرنے میں شرک کیوں ہو جاتا ہے؟ میں نے مزید کہا کہ دعا کا قبلہ کعبہ

نہیں ہے بلکہ دعا کا قبلہ آسمان ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے لہٰذا مزار انور کی طرف دعا کے وقت منہ کرنا جائز ہے بلکہ واجب ہے کیونکہ پشت کرنے سے بے ادبی کا شبہ ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگا، آپ لوگ سرور دو عالم ﷺ کو زندہ سمجھ کر دعا کرتے ہیں۔ میں نے کہا، بالکل ہمارا عقیدہ ہے سرورِ دو عالم ﷺ زندہ ہیں، کیا آپ لوگ شہداء کی زندگی کے منکر ہیں؟ حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

”وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ“ (بقرہ:۱۵)

ترجمہ: ”اوران لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کیے گئے مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی حیات کا شعور نہیں۔“

اس آیت کریمہ میں شہداء کو مردہ کہنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

اور دوسری آیت کریمہ میں ہے:

”وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ“

(آل عمران:۱۶۹-۱۷۰)

ترجمہ: ”اوران لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کیے گئے، مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جو انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا اس سے وہ خوش ہیں۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کو مردہ گمان کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس پر سعودی مولوی نے کہا، ہم شہداء کو زندہ مانتے ہیں۔ میں نے کہا، وہ شہداء جو سرورِ دو عالم ﷺ کی امت سے ہیں اور ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتی ہونے کی وجہ سے شہید ہونے پر زندہ کہا گیا تو کیا ان کے نبی اور سردار مردہ ہوں گے؟ مولوی نے کہا، شہداء تو حیاتِ ثانیہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ میں نے کہا، ہمارا

عقیدہ بھی یہی ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ حیاتِ ثانیہ کے ساتھ زندہ ہیں کیونکہ حیاتِ دنیا تو باقی نہیں رہی۔ قرآن مجید میں ہے:

"مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ......الآیہ" (آل عمران: ۱۴۴)

ترجمہ: "اور کیا اگر وہ (سرورِ دوعالم ﷺ) وصال فرماجائیں یا قتل کردیے جائیں، تم اپنی ایڑیوں پر واپس لوٹ جاؤ گے۔"

اور دوسری جگہ فرمایا:

"كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ..... الآیہ" (آل عمران: ۱۸۵)

ترجمہ: "ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔"

ایک جگہ ارشاد ہے:

"اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ" (زمر: ۳۰)

ترجمہ: "بے شک آپ وصال فرمانے والے ہیں اور بے شک وہ لوگ مرنے والے ہیں۔"

ان آیات اور ان جیسی آیات سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اس دنیا سے وصال فرمایا ہے اور موت کا ذائقہ چکھ لیا، اس لیے ہمارا عقیدہ ہے آپ ﷺ وصال کے بعد حیاتِ ثانیہ کے ساتھ زندہ ہیں اور ثانی حیات دنیا کی حیات سے لاکھوں درجہ طاقتور اور بہتر ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

"وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى" (سورۃ الضحیٰ)

ترجمہ: "اور بے شک آخرت آپ کے لیے دنیا سے بہتر ہے۔"

معلوم ہوا سرور دوعالم ﷺ حیات ثانیہ کے ساتھ زندہ ہیں اور حیات ثانیہ حیاتِ اولیٰ اور دنیا کی حیات سے زیادہ قوی اور نفع بخش ہے۔ جب میں نے مذکورہ تفصیل بیان کرکے وضاحت کی، سعودی شرطے نے کہا، واللہ، یعنی اسی طرح

آپ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ وصاب کے بعد حیات ثانیہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ میں نے کہا، واللہ۔ پہلے کہہ رہا تھا "اَنْتُمُ الْمُشْرِکُوْنَ" اب کہنے لگا "وَاللّٰہِ اَنْتُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ"۔ مجھے کہنے لگا، آپ مسجدِ نبوی ﷺ میں موجود ہمارے بڑے عالم سے ملیں۔ میں نے معذرت کرلی، وہ واپس چلا گیا۔

سعودیہ میں پاکستانی وہابی فساد کی بنیاد ہیں:

• دراصل پاکستانی اہل حدیث اور دیوبندی عقائد کے علماء اور مکہ مکرمہ یونیورسٹی اور مدینہ منورہ یونیورسٹی میں پڑھنے والے اسلامی جمیعت کے طلباء پیسوں کی لالچ میں سعودیوں کے ساتھ گہرا رابطہ قائم رکھنے کی غرض سے اہل سنت و جماعت کے عقائد کے متعلق غلط پروپیگنڈہ کرتے رہے کہ بریلوی لوگ مشرک ہیں اور ان کے عقائد میں ایک عقیدہ قبر پرستی کا ہے، یہ لوگ قبروں کو سجدے کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ نیز یہ اہلسنت و جماعت کے لوگ سرورِ دوعالم ﷺ کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کا وصال نہیں ہوا، وہ حیاتِ ابدی کے ساتھ زندہ ہیں حالانکہ پاکستانی منافق جانتے ہیں اہل سنت و جماعت کے لوگوں کا عقیدہ ایسا نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام اور ائمہ عظام کے عقائد کے مطابق ان کا عقیدہ ہے۔

حضرت منظور شاہ ہمدانی کا قصہ:

• اس سلسلے میں دلیل یہ ہے کہ حضرت مولانا سید منظور شاہ ہمدانی مدظلہ بیان کرتے ہیں کہ میں عبدالعزیز بن باز سعودی حکومت کے مذہبی امور کے وزیر کے پاس ریاض میں اپنے مدرسہ کے لیے تعاون کے سلسلہ میں جاتا رہتا تھا، ایک مرتبہ پہنچا تو پاکستانی دیوبندی علماء پہلے سے ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، جب میں جاکر بیٹھا تو ایک دیوبندی نے کہا "یا شیخ ھٰذا قبوری" اے شیخ یہ شخص تو قبر پرست ہے، اس کی مدد نہ کی جائے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں، میں نے شیخ عبدالعزیز کو کہا، میں قبوری نہیں ہوں بلکہ یہ لوگ قبوری ہیں، آپ تحقیق

کرائیں ان کے مدارس میں اپنے پیشواؤں کی قبریں بنی ہوئی ہیں، دارالعلوم کراچی میں مفتی محمد شفیع کی قبر ہے اور بنوری ٹاؤن میں مولانا محمد یوسف بنوری کی قبر ہے، اسی طرح شبیر عثمانی کی قبر ایک اسکول میں ہے جبکہ میرے مدرسہ میں کوئی قبر نہیں ہے، اگر میں قبوری ہوتا تو میرے مدرسہ میں قبر ہوتی، لہٰذا قبوری یہ لوگ ہیں، ہم نہیں ہیں۔ شیخ عبدالعزیز بن باز دیوبندی علماء سے سخت ناراض ہوا، کہنے لگا تم نے اپنے مشائخ کی قبریں قبرستان میں کیوں نہیں بنائیں؟

ڈاکٹر شہتاز کا قصہ:

• دوسرا واقعہ جناب نور احمد شہتاز مدظلہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مصر کے ایک اجتماع میں معروف مصری عالمِ دین شیخ عبدالجواد کے ساتھ گیا تھا۔ شیخ عبدالجواد نے جب تقریر شروع کی تو پاکستان میں اہل سنت و جماعت کے متعلق کہا، ”منهم بريلويون يعتقدون ان النبی ﷺ حیٌّ لا يموت“ یعنی پاکستانیوں میں کچھ لوگ بریلوی ہیں، ان کا اعتقاد ہے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں، وہ فوت نہیں ہوئے۔ سامعین نے کہا، ”لا حول و لا قوۃ الا باللہ“۔ پھر اس نے کہا، ”انهم يعبدون القبور و يسجدون“ بریلوی لوگ قبروں کی عبادت کرتے ہیں اور قبروں کو سجدے کرتے ہیں۔ اس زہریلے پروپیگنڈہ سے مصریوں نے بریلویوں سے سخت نفرت کا اظہار کیا۔ نیز مکتبہ اہل حدیث کے مولوی احسان الٰہی ظہیر نے ”البریلویہ“ نام سے ایک رسالہ عربی میں لکھا اور اس میں اہل سنت و جماعت بریلوی مکتبہ فکر کا تعارف مشرک ہونے سے کرایا۔ یہ کتاب تمام عرب ملکوں میں تقسیم کی گئی۔ یہ وجوہ ہیں جن کی وجہ سے عرب ریاستوں کے لوگ اہل سنت و جماعت اہلِ حق کو مشرک سمجھتے ہیں۔ یہ پاکستانی دیوبندی اور اہل حدیث گداگروں کی بددیانتی ہے۔ یہ پروپیگنڈہ سعودی لوگوں سے چندہ اور تعاون حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے مدارس

کے لیے سالانہ لاکھوں ریال اور ڈالر بھیجے جاتے ہیں۔ اگر عرب علماء کو اہل سنت و جماعت کے عقائد سے باخبر کیا جائے تو وہ سختی نہیں کریں گے۔

الحاصل! حرمین طیبین کے ائمہ اور دیگر علماء حرمین سے شخصی طور پر ہم نے سرور دوعالم ﷺ کی صریح گستاخی نہیں سنی اور نہ ہمارے نزدیک گستاخی شہادت سے ثابت ہے نہ سعودیوں کو من حیث الجماعۃ قادیانیوں کی طرح کافر کہا جاسکتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے اسلامی ممالک کے مشائخ اور علماء اور عوام لوگ ان کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں اور اعادہ نہیں کرتے۔ اگر کسی صاحب نے کسی معین شخص منصبِ امامت پر فائز سے موجب کفر صریح کلام سنا ہے، اس کی نماز اس کی اقتداء میں جائز نہیں ہوگی البتہ اعادہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

- چونکہ ان کی اقتداء میں حافظ جی حافظ غلام محمود صاحب رحمہ اللہ نماز ادا کرتے تھے، جن کو سرورِ دوعالم ﷺ کی ہزاروں مرتبہ خواب میں زیارت کا شرف حاصل ہوا اور بعض مرتبہ بیداری میں زیارت ہوئی اور حافظ جی رحمہ اللہ کو خود سرورِ دوعالم ﷺ ممنوع اور ناجائز امور کی رہنمائی فرماتے تھے۔ استاذ العرب والعجم حضرت مولانا عطاء محمد بندیالوی رحمہ اللہ حرمین طیبین کے ائمہ کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے۔ گولڑہ شریف کے حضرت غلام محی الدین المعروف حضرت بابوجی صاحب اور شیخ الحدیث مولانا فیض محمد گولڑوی صاحب اور مولانا مشتاق احمد شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان اور سیال شریف کے خواجہ قمرالدین سیالویؒ اور ان کے خلفاء و مشائخ اور علماء اور پیر کرم شاہ صاحب الازہریؒ اور دیگر آستانوں کے جید اور اکابر مشائخ موجودہ سعودی ائمۂ مساجد کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے۔

میرے تردد کا ازالہ:

- میں باوجود اس کے متردد تھا کیونکہ بعض رضوی علماء حرمین طیبین کے ائمہ کی

اقتداء میں نماز کے عدم جواز کے قائل تھے لہٰذا نمازوں کا اعادہ کرتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ عمرہ کے ایام میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حسب سابق نماز کا اعادہ کر رہا تھا، میرے لیے صبح اور عصر کی نمازوں میں اعادہ مشکل ہوتا تھا، خوف ہوتا تھا کہ کہیں جاسوس شرطے پکڑ نہ لیں۔ عصر کی نماز چونکہ حرمین طیبین میں مثلِ اولیٰ میں ہوتی ہے اس لیے میں مثلین اور اصلی سایہ کی تکمیل کے بعد نماز پڑھتا رہا مگر صبح کی نماز میں سنتوں کے ساتھ فرض پڑھ لیتا تھا اور جماعت میں آخری صبح جس کا وقت میں نے پایا اور ابھی تک ادا نہیں کی، کے الفاظ کے ساتھ نیت کر کے شرکت کرتا تھا۔ ایک دن مدینہ منورہ میں جماعت سے پہلے فرض نہ پڑھ سکا اور صبح الیوم کی نیت کر کے جماعت میں شریک ہو گیا مگر دل میں خیال آیا شاید اس امام کی اقتداء میں میری نماز ادا نہیں ہو گی اور اعادہ بھی مشکل ہو گا کیونکہ جماعت ہو جانے کے بعد دوبارہ نماز پڑھنے سے شرطے پکڑ سکتے ہیں۔ اس وقت بڑی سختی تھی۔ جب امام صاحب نے تلاوت شروع کی، مجھے اونگھ کی طرح نیند عارض ہو گئی اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ امامت کے مصلے پر تلاوت خود سرورِ دوعالم ﷺ کر رہے ہیں۔ بیدار ہوا تو اس کی تعبیر میرے ذہن میں یہ آئی کہ موجود امام کی اقتداء میں نماز جائز ہے، اس خواب میں اس طرف اشارہ ہے، تردد زائل ہو گیا۔ اس دن کے بعد حرمین طیبین کے ائمہ کی اقتداء میں بغیر اعادہ نماز پڑھنا شروع کر دی۔ میرا عقیدہ ہے، حرمین طیبین کے ائمہ کی اقتداء میں لاکھوں افراد اور میری نماز ادا ہو جاتی ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے یہ کہنا کہ لاکھوں بلکہ کروڑہا لوگ نماز ضائع کرتے ہیں، میرے مشائخ اور اساتذہ کی نماز بھی ضائع ہوتی ہے، مشکل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسی وجہ سے جب مکہ مکرمہ میں لوگ سوال کرتے تھے کہ موجود امام کی اقتداء جائز ہے یا نہیں، فلاں مفتی تو اپنے مکان پر نماز پڑھا لیتے ہیں، حرم میں نہیں

جاتے؟ میں سائل سے پوچھتا تھا، کیا آپ کے نزدیک موجود امام کافر ہے؟ وہ کہتا، نہیں نہیں لا حول ولا قوۃ الا باللہ، میں حرمین طیبین کے ائمہ کو کافر نہیں کہہ سکتا۔ میرا جواب ہوتا تھا کہ آپ کی اقتداء جائز ہے کیونکہ اقتداء کے جواز سے مانع کفر ہوتا ہے یا پھر یہ کہ مقتدی کا عقیدہ ہو میری نماز اس امام کی اقتداء میں ادا نہیں ہوتی۔ چونکہ امام نے نماز کی صحت کے شرائط پورے نہیں کیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (کتب فقہ)

• ایک مرتبہ میں نے مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور پھر اعادہ کیا۔ سلام کے بعد ایک آدمی نے مجھے پکڑ لیا، وہ لباس سے لفسر لگتا تھا۔ کہنے لگا، آپ نے نماز کا اعادہ کیوں کیا ہے؟ کیا جماعت کے ساتھ ادا کردہ نماز ادا نہیں ہوئی؟ میں نہایت خوفزدہ ہو گیا، ان ایام میں مرحوم اللہ نیر کو سعودی حکومت نے کافی دنوں کے بعد رہا کیا تھا، میں سمجھا میرے ساتھ بھی یہی ہوگا مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی ہنس پڑا اور کہنے لگا، میں دھوراجی حبیبیہ مسجد میں آپ کے پیچھے جمعہ پڑھتا ہوں، میں آپ کا مقتدی ہوں۔ اس وقت جان میں جان آئی۔

منہاج القرآن کے عروج کے ایام:

• منہاج القرآن کے غیر سیاسی ایام میں پروفیسر طاہر القادری اہلسنت وجماعت کے مشائخ اور علماء کے نزدیک نہایت مقبول اور صالح انسان سمجھے جاتے تھے، ان کے جلسوں میں بڑے بڑے مشائخ اور علماء حاضری دینے کو علمی اور روحانی فیض کا ذریعہ سمجھتے تھے حتیٰ کہ آپ کی اقتداء میں جمعہ پڑھنے اور جمعہ کا خطاب سننے کے لیے دور دراز علاقوں سے لاہور اتفاق مسجد میں لوگ حاضر ہوتے تھے۔ کراچی رحمانیہ مسجد طارق روڈ میں درسِ قرآن اور چشتیہ مسجد میں درس تصوف ہر ہفتہ ہوتا تھا اور سامعین اور سنی علماء اور مشائخ کی کثیر تعداد آپ کا خطاب سننے کے لیے شرکت کرتی تھی۔ جس دن پروفیسر صاحب کا ٹی وی پر خطاب ہوتا تھا لوگ

آپ کا خطاب اس طرح شوق سے سنتے تھے جس طرح آجکل کرکٹ دیکھنے والوں کو دیکھا جاتا ہے۔ آپ کی تقریر سننے کے لیے ہر دوکان پر ایک ہجوم تقریر سن رہا ہوتا تھا۔ آپ سے ملاقات اور جلسے کے لیے تاریخ لینا نہایت مشکل کام ہوتا تھا۔ جب کراچی آتے آپ کے کھانے کے لیے بیسیوں بڑے بڑے لوگوں کی درخواستیں حضور پیر طاہر علاؤالدین رحمہ اللہ کے پاس جمع ہو جاتی تھیں۔ حضور پیر صاحب کسی ایک یا دو کی درخواست قبول کرتے تو صاحبِ دعوت اپنی خوش نصیبی سمجھتا تھا۔ میاں نواز شریف پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے، ان کی اتفاق مسجد میں جمعہ کے خطاب کے لیے جب پروفیسر صاحب جاتے تھے، میاں نواز شریف کے والد میاں محمد شریف پروفیسر صاحب کے خود جوتے اٹھاتے تھے، کسی دوسرے کو جوتے اٹھانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ انہی ایام میں بڑی مشکل سے مولانا محمد حسن حقانی رحمہ اللہ کو پروفیسر صاحب نے دارالعلوم امجدیہ میں چائے کی دعوت کے لیے وقت دیا تھا۔ میں اس وقت دارالعلوم امجدیہ میں مدرس تھا۔ پروفیسر صاحب دارالعلوم امجدیہ آئے اور خطاب کیا۔ آپ کے خطاب میں حضرت مولانا عبدالمصطفیٰ الازہریؒ، جناب حضرت مولانا مفتی وقارالدین صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی ظفر علی نعمانی، پروفیسر شاہ فرید الحقؒ اور کراچی کے دیگر جید علماء اور طلباء موجود تھے۔

منہاج القرآن کے تحت ویمبلے لندن کانفرنس میں شرکت:

• پروفیسر صاحب نے عروج کے زمانہ ۱۹۷۹ء میں برطانیہ کے شہر لندن کے ویمبلے ہال میں ایک کانفرنس رکھی اور ساٹھ سے زائد علماء اور مشائخ کو ساتھ لے گئے، پورا جہاز چارٹر کیا۔ ان علماء میں کراچی سے حضرت مولانا جمیل احمد نعیمی صاحب، مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب، مولانا غلام دستگیر افغانی صاحب، مولانا غلام محمد سیالوی صاحب اور میں بھی ساتھ تھا۔ لاہور سے احمد علی قصوری

صاحب اور جھنگ سے حضرت مولانا عبدالرشید صاحب اور بصیر پور سے مولانا محب اللہ نوری اور دیگر علماء ساتھ تھے۔ اکثر علماء کے تمام اخراجات اور ٹکٹ پروفیسر صاحب نے ادا کیے تھے۔ واپسی پر تین دن عراق کے ہوٹل میں قیام تھا تاکہ زیارات کی جائیں۔ عراق کی زیارات میں پروفیسر صاحب ایک بس میں مختلف مزارات پر حاضری دیتے اور ہر صاحبِ مزار کا تعارف کراتے تھے۔ سیدنا حضور غوث اعظم رحمہ اللہ، سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ، سیدنا محمود آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی اور نجف اشرف اور کربلا معلیٰ کی تمام زیارتیں کرتے رہے۔ دوسرے دن عراق کی حکومت نے عراق میں مقیم تمام غیر ملکیوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ اس لیے کہ ایران اور عراق کی جنگ شروع ہوگئی تھی۔ ظہر کے بعد عصر کے قریب ہم امام محمد رحمہ اللہ کے مزار پر پہنچے، وہاں سے ایئرپورٹ جانا تھا، ظہر کی نماز پڑھ لی تھی، ابھی عصر کا ٹائم نہیں ہوا تھا کیونکہ ابھی ظہر کی نماز کے لیے سایہ کی مقدار ظلِ اصلی کے سوا مثلین نہیں ہوئی تھی جو کہ امام اعظم کا قول ہے مگر صاحبین کے قول کے مطابق عصر کا ٹائم ہو چکا تھا۔ پروفیسر صاحب ہر نماز کے لیے علماء میں سے کسی ایک عالم کی امامت کا اعلان کرتے تھے، امام محمدؒ کے مزار پر پروفیسر صاحب نے حاضرین سے کہا، ہمیں یہاں سے ہوٹل سے ہو کر سیدھا ایئرپورٹ پہنچنے کا حکم ہے پھر جہاز میں سوار ہو جائیں گے، ٹائم مختصر ہے، اِس وقت تک امام اعظم کے قول کے مطابق عصر کا وقت نہیں ہوا، اگر علماء اجازت دیں تو آج عصر کی جماعت صاحبِ مزار کے قول کے مطابق پڑھ لیتے ہیں، یہ صاحب مزار کا احترام بھی ہے۔ آپ نے امام شافعیؒ کی مثال بیان فرمائی، فرمایا، امام شافعیؒ جب امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مزار پر حاضری دیتے تھے تو رکوع اور قومہ میں رفعِ یدین نہیں کرتے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا، آپ رفعِ یدین کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا، صاحبِ مزار کے احترام کی وجہ سے رفعِ یدین نہیں

کرتا کیونکہ آپ کے مذہب میں رکوع کے وقت رفع یدین نہیں ہے۔ پروفیسر صاحب نے فرمایا، چونکہ مفتی رفیق صاحب فقہ حنفی کے مفتی ہیں، اس لیے آج عصر کی نماز صاحبِ مزار کے قول کے مطابق بھی یہی پڑھائیں گے۔ چنانچہ میں نے حاضرین کو عصر کی نماز پڑھائی اور پھر ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہو گئے۔

سفر میں بوقت ضرورت دوسرے امام کے قول اور جمع بین الصلواتین کا مسئلہ:

• فائدہ: اگر صاحبین کے قول کے مطابق عصر کی نماز پڑھ لی جائے تو نماز ادا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سفر میں ضرورت کے وقت دوسرے ائمہ کے مذہب کے مطابق جمع بین الصلوٰتین بھی جائز ہے۔ ایک مرتبہ غالباً اسلام آباد کانفرنس میں جانا تھا۔ حنفی علماء دیوبند مفتی رفیع عثمانی اور مولانا سلیم اللہ اور دیگر نے ایئرپورٹ پر ظہر کی نماز کے بعد صاحبین کے قول کے مطابق عصر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھ لی حالانکہ امام صاحب کے قول کے مطابق عصر کا ٹائم نہیں ہوا تھا۔ جہاز میں سوار ہونے کے بعد اسلام آباد پہنچنے پر مغرب کا ٹائم ہو جاتا، عصر کی نماز قضا ہو جاتی۔ میں نے مفتی منیب الرحمٰن صاحب اور دیگر سنی علماء سے عرض کیا، ہم بھی صاحبین کے قول کے مطابق نماز پڑھ لیں ورنہ نماز قضا ہو جائے گی یا پھر بغیر جماعت جہاز کی سیٹوں پر اشاروں سے نماز پڑھنی پڑے گی۔ چنانچہ ہم نے بھی عصر کی نماز پڑھ لی اور سفر میں جمع بین الصلوٰتین کا مسئلہ یہ کہ ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں ادا کر لی جائے۔ جمع تقدیم جیسے عصر ظہر کے وقت میں اور جمع تاخیر جیسے مغرب عشاء کے وقت میں ائمہ فقہ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ تفسیر مظہری سورہ ہود میں منقول ہے:

”لا یجوز عند ابی حنیفة جمع صلوٰة الظهر والعصر و لا المغرب والعشاء بعلة سفر او مرض او مطر کما لا یجوز جمعها بغیر علة

اجماعا و قال الشافعی و مالك و احمد یجوز الجمع فی السفر الخ........"(ص: ۴۳۲، ج ۴، مکتبہ دار الاحیاء)

ترجمہ: "امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء سفر یا مرض یا بارش کی وجہ سے جمع کرنا، ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھ لینا جائز نہیں ہے جیسے بغیر علت اور وجہ کے دو نمازوں کو جمع کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا، سفر میں جمع کرنا جائز ہے۔"

چونکہ بوقتِ ضرورت دوسرے ائمہ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہوتا ہے اس لیے سفر میں جمع بین الصلوٰتین کے جواز کا حکم دیا جاسکتا ہے۔ ظہر کے وقت میں خود ہمارے امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے لہٰذا عرب امارات اور سعودیہ میں غیر حنفی ائمہ اپنی فقہ کے مطابق عصر کی نماز مثلِ اولیٰ کے بعد پڑھا لیتے ہیں اور بعض مساجد میں حنفی علماء امامت کراتے ہیں ان کو بھی حکومت کی جانب سے دیگر مساجد کے لیے مقرر کردہ اوقات میں نماز پڑھانا ہوتی ہے۔ جب پوچھا جاتا ہے، ہم انہیں کہتے ہیں، عصر کے ٹائم میں صاحبین کا قول بھی دوسرے ائمہ کی طرح ہے لہٰذا مثلِ اولیٰ کے بعد نماز پڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر ایسا نہیں کریں گے تو مسجد کی امامت سے فارغ کردیے جائیں گے، جس سے حنفی سنی علماء کا نقصان ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خلفائے راشدین کی فضیلت کا مسئلہ:

• اہل سنت وجماعت کے چاروں امام حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور علماء اہلسنت حنفی شافعی مالکی حنبلی کا عقیدہ ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور فرشتوں کے رسول حضرت جبرائیل اور حضرت اسرافیل اور حضرت میکائیل اور حضرت عزرائیل

علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں حتیٰ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور جمیع اہلِ ایمان سے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ افضل ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور جمہور اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ جس طرح خلافت میں ترتیب ہے، فضیلت میں اسی طرح ترتیب ہے۔ نو سو سال سے اہلسنت کے تمام مدارس کے درسِ نظامی میں پڑھائی جانے والی کتاب ''عقائد نسفی'' کے مصنف حضرت عمر نسفی م ۷۵۳ھ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''افضل البشر (بعد الانبیاء) ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ثم عمر الفاروق رضی اللہ عنہ ثم عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ثم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'

ترجمہ: ''تمام انبیاء کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔''

یہ عقیدہ اہل سنت و جماعت کے عقائد کا ایک حصہ ہے اور آج تک اسی عقیدہ کی تعلیم اور تبلیغ کی جارہی ہے۔

• اس مقالہ کے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ اسلام آباد سے واپسی پر مفتی منیب الرحمٰن صاحب کے ہمراہ ایئرپورٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ مفتی صاحب کو شمالی علاقہ سے فون آیا ایک رسالہ بنام ''السیف الجلی علی منکر ولایت علی رضی اللہ عنہ'' میں لکھاہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ انہوں نے کہا یہ عقیدہ تو اہلِ تشیع کا ہے۔ کہنے لگا آپ جلسہ کرکے اس کارد کریں اور علمائے اہل سنت کو جمع کرکے اس کے خلاف فتویٰ جاری کریں۔ مفتی صاحب نے فون مجھے دے دیا۔ میں نے اس کالر (caller) کو جواباً کہا، ایسا لکھا ہے تو نہایت افسوسناک ہے، میں وہ رسالہ دیکھوں گا پھر بات کریں

گے۔ کراچی واپسی پر جب میں نے وہ رسالہ دیکھا تو اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور خصوصیات میں لکھا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ولایت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے متبوع ہیں اور حضرت ابو بکر ان کے تابع ہیں۔ چنانچہ مصنف کتاب کے صفحہ آٹھ پر لکھتے ہیں کہ سلطنت میں سیدنا ابو بکر صدیق حضور نبی کریم ﷺ کے خلیفہ بلا فصل یعنی براہ راست نائب ہوئے۔ ولایت میں سیدنا حضرت علی المرتضیٰ حضور نبی کریم ﷺ کے خلیفہ بلا فصل یعنی براہ راست نائب ہوئے۔ ہدایت میں جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے خلفاء بلا فصل ہیں یعنی براہِ راست نائب ہوئے۔ اور اس کے ثبوت میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت مجدد الف ثانی کے حوالہ سے عبارات درج کی گئی ہیں۔

مجھے اس تفصیل اور تحریر سے تشویش ہوئی کیونکہ میں نقشبندی ہوں اور اپنے مشائخ سے سنا تھا کہ تصوف کے سلاسلِ اربعہ سے نقشبندی سلسلہ افضل ہے، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس سلسلہ کے اولیاء کی ولایت اور روحانی نسبت براہِ راست حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شروع ہوتی ہے چونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں اس لیے نقشبندی سلسلہ بھی سب سلاسل سے افضل ہے۔ یہ سلسلہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شروع ہوتا ہے اور باقی سلسلوں کی ولایت اور روحانیت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شروع ہوتی ہے۔ لہٰذا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ولایت میں حضرت علی رضی اللہ کے متبوع ہوں گے، تابع نہیں ہوں گے۔ اگرچہ فون کرنے والے آدمی کا الزام درست نہیں تھا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل نہیں لکھا گیا تھا جیسا کہ ذکر کردہ عبارت ملاحظہ فرمائی۔ اسی ذہنی تشویش کے دوران قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی کی کتاب

تفسیر مظہری کے مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا، انہوں نے سورۃ ہود کی آیت نمبر ۱۷:

"أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ" (ہود:۱۷)

ترجمہ: "تو کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گواہ آئے۔"

کے تحت لکھا کہ:

"و قيل الشاهد هو علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال البغوی قال علی ما من رجل من قريش الا و قد نزلت فيه آية من القرآن فقال له رجل و انت ای شیء نزل فيك؟ قال و يتلوه شاهد منه (تا) و الا وجه عندی ان يقال ان عليا كان قطب كمالات الولاية و سائر الاولياء حتی الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم اتباع له فی مقام الولاية و افضلية الخلفاء الثلاثة بوجه آخر كذا حقق المجدد فی مكتوب من اواخر مكتوباته۔" (ص:۳۸۳، ج:۴)

ترجمہ: "بعض علماء نے فرمایا، لفظ شاہد سے مراد حضرت علی ابن ابی طالبؓ ہیں۔ علامہ بغوی نے کہا، حضرت علیؓ نے فرمایا، قریش میں سے کوئی آدمی نہیں مگر اس کے متعلق قرآن مسجید میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے۔ آپ سے ایک آدمی نے عرض کیا، آپ کے متعلق کون سی آیت نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا، "وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ" نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا شاہد سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ قاضی ثناء اللہ فرماتے ہیں، میرے نزدیک زیادہ قوی بات ہے کہ کہا جائے، بے شک حضرت علیؓ ولایت کے کمالات کے قطب تھے اور باقی اولیاء حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ مقامِ ولایت میں آپ کے تابع ہیں اور خلفائے ثلاثہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت

عمرؓ اور حضرت عثمانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی افضیلت ولایت کے علاوہ دوسری وجوہ سے ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اسی طرح مکتوبات کے آخر میں تحقیق فرمائی ہے۔“

• جب میں نے سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم محقق حضرت شیخ احمد سرہندی کی تحقیق کا حوالہ پڑھا، میرے ذہن میں جو تردد تھا وہ بھی زائل ہو گیا کہ سلسلہ نقشبندیہ کے بعض اولیاء کے نزدیک بھی حضرت علی کو ولایت میں متبوع لکھا گیا ہے۔ اور مکتوبات شریفہ میں مجدد صاحب اور دیگر محققین صوفیاء کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیق سرورِ دوعالم ﷺ کے کمالاتِ رسالت کے مظہر ہیں اور حضرت علی سرورِ دوعالم ﷺ کے کمالاتِ ولایت کے مظہر ہیں۔ ولایت اور رسالت دونوں سرورِ دوعالم ﷺ کی صفات ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں کمالاتِ رسالت کی مظہریت غالب تھی اگرچہ آپ کمالاتِ ولایت کے حامل اور امین بھی تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں کمالاتِ ولایت کی مظہریت غالب تھی اگرچہ آپ کمالاتِ رسالت کے مظہر بھی تھے لیکن فضیلت کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلویؒ نے اپنی تصنیف ”الزلال الانقی من بحر سبقة الاتقی“ اور ”مطلع القمرین فی ابانة سبقة العمرین“ میں تحقیق فرمائی ہے، انہوں نے شیخین کی فضیلت کو من وجہ قطعی کہا اور من وجہ ظنی کہا۔ فرماتے ہیں، ہم اس طرح ائمہ کرام کے اقوال میں تطبیق کر سکتے ہیں کہ جنہوں نے اس مسئلہ تفضیل کو قطعی کہا اور ظنی ہونے کی نفی کی، ان کی مراد قطعی بالمعنی الاعم ہے (جس سے علم طمانیت حاصل ہوتا ہے) اور ظنی بالمعنی الاخص ہے یعنی ظنی کی نفی سے یہ مراد ہے کہ اس کے مقابل کوئی ایسا احتمال نہیں جو کسی دلیل سے موید ہو۔ یہ بات قطعاً حق ہے جس میں کوئی شک نہیں اور جنہوں نے بالعکس کہا، ان کی مراد بھی برعکس ہے یعنی تفضیل کو ظنی کہا

اس سے مراد ظنی بالمعنی الاعم ہے اور قطعی کی نفی کی تو مراد قطعی بالمعنی الاخص ہے اور ظنیت کے اثبات کا مطلب یہ ہے کہ یہاں احتمال موجود ہے اگرچہ وہ کسی دلیل سے موید نہیں اور قطعیت کی نفی کا یہ مطلب ہے کہ ایسا قطعی نہیں جو ہر قسم کے احتمال کو (اگرچہ احتمال بے دلیل ہی ہو) قطع کر دے اور یہ بات قطعاً سچ ہے، جس پر کوئی اعتراض نہیں (تا) یہ مسئلہ اصول اسلام سے نہیں کہ اس کے منکر کو کافر کہا جائے جیسے خلفائے راشدین کی خلافت کا مسئلہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کفر نہیں ہے۔ آپ فتاوی رضویہ میں تحریر فرماتے ہیں ”بلکہ مذہب معتمد و محقق میں استحلال بھی علی اطلاقہ کفر نہیں جب تک زنا یا شرب خمر یا ترک صلوٰۃ کی طرح حرمت اس کی ضروریاتِ دین سے نہ ہو۔ غرض ضروریاتِ دین کے سوا کسی شئے کا انکار کفر نہیں اگرچہ ثابت بالقواطع ہو کہ عندالتحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اس کا جس کی تصدیق نے اسے دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ نہیں مگر ضروریاتِ دین ”کما حققه العلماء المحققون من الائمة المتكلمين“ و لہٰذا خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا منکر مذہب تحقیق میں کافر نہیں حالانکہ اس کی حقانیت بالیقین قطعیات سے ثابت ہے۔“ و قد فصل القول فی ذالك سیدنا العلامة الوالد رضی الله عنه فی بعض فتاواه“ (ح ۱۰۱/۵، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ لاہور) پھر ایک جگہ لکھتے ہیں ہم فرقہ تفضیلیہ کو کافر نہیں کہتے، معاذاللہ ہم انہیں کافر کہیں۔ (الزلال النقی، ص: ۳۷۰)

- مجھے گرمیوں کے ایام (مئی اور جون) میں اپنی بیٹی سلمیٰ اور داماد ڈاکٹر عامر اور بیٹے محمد سہیل کے پاس برطانیہ جانا ہوتا ہے اور وہاں ۲۰۱۳ء میں علمائے اہلسنت کے درمیان یہ بحث زوروں پر تھی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ یہ تینوں صحابہ حضرت علیؓ سے افضل ہیں یا نہیں؟ اگر کوئی شخص

حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے افضل کہے یا اعتقاد رکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مجھے بتایا گیا بعض علماء حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمرؓ سے افضل کہنے کو جائز سمجھتے ہیں اور افضل کہنے والے کو گمراہ نہیں کہتے اور بعض علماء حضرت علیؓ کو خلفائے ثلٰثہ سے افضل کہنے والے کو گمراہ بلکہ کافر کہتے ہیں اور ان کا کہنا یہ تھا کہ فضیلت شیخین پر اجماع ہے۔ جیسا کہ بعض کتب میں مذکور ہے اور اجماع کا منکر کافر ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا، دونوں فریق افراط اور تفریط میں مبتلا ہیں کیونکہ جمہور علمائے اہلسنت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خلفائے ثلاثہ کی فضیلت کا قول کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل کہنے والے کو اس عقیدہ میں گمراہ کہتے ہیں جبکہ موجودہ دونوں فریق تنازع میں شدت کی وجہ سے ضلالت اور گمراہی سے تجاوز کر کے ایک دوسرے پر کفر کے الزام لگاتے ہیں حالانکہ حق یہ ہے کہ تفضیل کا مسئلہ تکفیر کا نہیں ہے۔ چنانچہ میں وہاں شرح عقائد پڑھاتا تھا، مجھے بتایا گیا کہ یہ لوگ تو TV چینلز پر ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ اصل مسئلہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، یہاں پانچ امور ہیں: ۱۔ فضیلت ۲۔ محبت ۳۔ ولایت ۴۔ خلافت ۵۔ صحابیت یا صحبت۔

۱۔ صحبت: حضرت ابو بکرؓ کی صحبت قطعی ہے اور قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا“ ترجمہ: جب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صاحب سے فرمایا، آپ نہ گھبرائیں، بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ یہاں صاحب سے مراد حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں لہٰذا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صحابیت کا منکر کافر ہے اور دوسرے صحابہ کرام کی صحابیت قرآن مجید سے ثابت نہیں، ان کی صحابیت کا انکار کفر نہیں ہے۔ (ردالمحتار)

۲۔ خلافت: حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت قطعی ہے اور صحابہ کرامؓ کے اجماع

صریح سے ثابت ہے مگر دوسرے خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر صحابہ کرام کا صریح اجماع نہیں ہے مگر محققین کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کا منکر بھی کافر نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام کے اجماع کی حجت اور دلیل شرعی ہونے کو بعض لوگ تسلیم نہیں کرتے۔ ''رسائل ابن عابدین'' سے ''تنبیه الولاة والحکام علی شاتم خیر الانام'' میں شیخین حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو سب و شتم کرنے والے کے کفر میں روایات کے اختلاف میں علامہ شامی توفیق اور تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنی بدعقیدگی اور بدعتی عقیدہ کی وجہ سے قطعی دلیل کی مخالفت کی، ان کو کافر کہنے والوں کی مراد یہ ہے کہ جب منکرین کسی دلیل سے پیدا شدہ شبہ اور شک کے بغیر صرف نفسانی خواہش سے انکار کریں، وہ کافر ہیں۔ جس طرح وہ شخص جو جبرائیل علیہ السلام کی وحی پہنچانے میں غلطی کا قائل ہے اور وہ آدمی بدعقیدگی کی وجہ سے نصوص قطعیہ کا انکار کرتا ہے (وہ بیشک کافر ہے اور کافر کہنے والوں کی یہی مراد ہے) بخلاف خوارج کے انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت اس شبہ اور دلیل کی وجہ سے کی کہ انہوں نے غیر اللہ کو حکم بنایا لہٰذا حضرت علیؓ کافر ہو گئے۔ اسی طرح معتزلہ اور دوسرے بدعتی عقیدہ والے لوگ کہ جنہوں نے کسی دلیل کی بنیاد پر قطعی دلائل کا انکار کیا وہ کافر نہیں ہوں گے جیسا کہ امام حلبی نے منیۃ المصلی کی شرح میں ذکر کیا اور فرمایا، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کے قول کو اسی تفصیل پر محمول کیا جائے گا مگر شامی کی ذکر کردہ تفصیل غالی روافض کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے ہے کیونکہ غالی روافض نے بغیر دلیل اور شبہ اور بغیر اجتہاد اور بلاوجہ حضرت علیؓ کے الٰہ اور حضرت جبرئیل کی غلطی کا اعتقاد بنالیا، اس کا حال مشرکین کفار سے کم نہیں۔ ان غالی شیعوں سے وہ قرامطہ بھی ہیں جنہوں نے حجر اسود کعبۃ اللہ سے نکالا اور ۲۲ سال کے بعد واپس کیا۔

انہوں نے محارم کے ساتھ زنا کو جائز کہا، حرم میں سترہ سو (1700) آدمی قتل کیے، نماز اور روزوں اور دیگر فرائض کا انکار کیا اور یہ غالی شیعہ تھے۔

(بحوالہ نبراس، ص: ۵٦٤ مکتبہ بندیال)

تنبیہ: پاکستان اور ہندوستان کے اکثر دشمنان صحابہ کرام خلافت کا انکار اور شیخین کو سب و شتم کسی شرعی دلیل سے پیدا شدہ شبہ کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ فساد اور عناد اور اپنے آباء واجداد کی پیروی میں صحابہ کرام کو سبّ و شتم بلکہ شیخیں کی صحابیت اور خلافت کا بھی انکار کرتے ہیں اور بلاوجہ فرقہ پرستی میں شدت پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے مختلف لشکر وجود میں آگئے اور باہم قتال اور جدال شروع ہو گیا اور لشکر والوں نے عسکری ونگ بنا کر پاکستان اور دیگر ممالک میں فساد برپا کر دیا۔ لاکھوں لوگ مار دیئے گئے اور لشکری خوارج نے سلوگن بنالیا شیعہ کافر ہیں اور جو انہیں کافر نہ مانے وہ بھی کافر ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اہل قبلہ کی عدم تکفیر کا قول ایسے برے کافروں کے حق میں نہیں ہو سکتا، ان کا قول ان اہل قبلہ کے حق میں ہے جنہوں نے کسی قطعی دلیل کا انکار شبہ اور تاویل کی بنیاد پر کیا ہو، ان کا عقیدہ اگرچہ فی نفسہ کفر ہے۔ جیسے رویت باری تعالیٰ اور عذابِ قبر کا انکار وغیرہ، ان کا یہ انکار اگرچہ نصوص قطعیہ مشہورہ کا انکار اور اجماع کا انکار ہے مگر ان کے انکار کی بنیاد شبہ ہے۔ انہوں نے غائب کو شاہد پر قیاس کیا اور اسی طرح روافض کا شیخین کی خلافت کا انکار اور ان کو سب و شتم میں قطعی اجماع کا انکار ہے مگر ان کے انکار کی بنیاد یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام کے اجماع کے حجت اور دلیل ہونے کے منکر ہیں اور صحابہ پر تہمت لگاتے ہیں لہٰذا فی الجملہ ان کے شبہ کی وجہ سے خلافت ابو بکر اور عمر اور ان دونوں کو گالیاں دینے پر کفر کا فتویٰ دے کر مرتد و واجب القتل نہیں کہا جائے گا۔ علامہ شامی نے فرمایا:

"کمنکر خلافة الشیخین والساب لهما" (ص: ٣٦٢)

ترجمہ: جیسے شیخین کی خلافت کے منکر اور گالیاں دینے والے پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔

- شامی باب البغاۃ میں ہے:

"کذا قال فی شرح منیۃ المصلی ان ساب الشیخین و منکر خلافتھما ممن بناہ علی شبھۃ لہ لا یکفر (تا) و کذا یکفر بقذف عائشۃ و منکر صحبۃ ابیھا لان ذالک تکذیب صریح القرآن کما مر فی باب السابق۔" (۴۱۳ھ۔ دار الباز)

ترجمہ: اسی طرح منیۃ المصلی کی شرح میں شارح نے کہا کہ شیخین کو گالیاں دینے والا اور ان کی خلافت کا منکر ان لوگوں میں سے جس نے سبّ و شتم اور خلافت کا انکار شبہ اور دلیل کی بنیاد پر کیا اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی (تا) مگر حضرت سیدہ عائشہؓ کا قاذف اور ان کے والد کی صحبت کے منکر کی تکفیر کی جائے گی، اس لیے کہ یہ قرآن کی صریح آیات کی تکذیب ہے، جس طرح پہلے باب میں گزر چکا ہے۔"

تنبیہ: پاکستان اور ہندوستان میں رہنے والے دشمنان صحابہ میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو شیخین کی خلافت کا انکار اور شیخین کو سبّ و شتم کسی دلیل اور شبہ کی بنیاد پر نہیں کرتے بلکہ ان کے علماء اور آباء واجداد شیخین کریمین کو گالیاں دیتے رہے اور ان کی خلافت کا انکار کرتے رہے، اس لیے ان کی اولادیں اور پیروکار ان کی اتباع میں شیخین کریمین کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور شیخین کریمین کو گالیاں دیتے ہیں۔ کسی سے آپ سوال کر کے سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے پاس کون سی دللی ہے جس سے شبہ پیدا ہوا ہے۔ لٰہذا علامہ شامی اور علمائے حق کی تحقیق کے مطابق ایسے لوگ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے انکار کی وجہ سے بالاتفاق کافر ہونگے۔

۳۔ فضیلت: حضرت ابو بکر صدیقؓ تمام صحابہ کرام سے علی الاطلاق افضل ہیں، لہٰذا خلفائے ثلاثہ سے بھی افضل ہیں مگر آپ کی افضلیت کا ثبوت قطعی دلائل سے ثابت نہیں ہے جس کے انکار سے کفر لازم آئے۔ اگر کوئی شخص حضرت علیؓ کو شیخین پر فضیلت دیتا ہے تو وہ گمراہ ہے مگر کافر نہیں ہے کیونکہ آپ کی افضلیت دلیلِ قطعی سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت نے "الزلال الانقی" اور "مطلع القمر" میں ذکر فرمایا۔

۴۔ ولایت: تصوف کے سلاسلِ اربعہ کے بعض صوفیاء اور علماء کا قول یہ ہے کہ ولایت میں حضرت علیؓ متبوع ہیں اور باقی صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین حتیٰ کہ خلفائے ثلاثہ آپ کے تابع ہیں۔ ولایت میں حضرت علیؓ اصل ہیں جیسا کہ "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" سے معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ مسئلہ ابھی قطعیات سے نہیں ہے اور یہ فضیلت جزوی ہے، اس سے حضرت علیؓ کا مطلقاً افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا نیز یہ قول بعض علماء کا ہے، اکثر علمائے اہل سنت ولایت میں بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اصل مانتے ہیں اور خلفائے ثلاثہ کو ولایت میں ان کے تابع مانتے ہیں۔ جیسا کہ "الزلال الانقی" میں۔ اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان رحمہ اللہ کی تحقیق ہے۔ چنانچہ محمد حنیف خان رضوی اعلیٰ حضرت کی کتاب "الزلال الانقی" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں، اعلیٰ حضرت احمد رضا قدس سرہ کے دور شباب میں بریلی اور اس کے قریبی شہروں مثلاً بدایوں، سنبھل وغیرہ میں بھی بہت سے لوگ تفضیلی گروہ کے عقائد کی طرف مائل ہو گئے تھے، ان میں بہت سے ذی علم بھی تھے۔ شیخین کی فضیلت کے سلسلے میں کہتے تھے کہ ان کو سیاست و خلافت اور حکومت و سلطنت جیسے ظاہری امور میں برتری حاصل تھی مگر باطنی امور مثلاً قربِ الٰہی و کرامت عند اللہ میں عند اللہ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو شیخین پر فوقیت حاصل تھی (تا) اربابِ

طریقت، اصحاب سیادت اور اہل بیت نبوت کے مشائخ بھی اس طرف ہیں (تا) مگر حضرت ابوالحسین نوری احمد نوری میاںؒ نے رسالہ ''دلیل الیقین من کلمات العارفین'' میں اقوال اہل سلف و اصفیاء خلف جمع فرما کر مذہب حق بیان کرکے جاہلوں کا خیال کہ ائمہ طریقت برخلاف اہل سنت قرب الٰہ اور کرامت جاہ میں تفضیل حضرات شیخین نہیں مانتے، یکسر مٹادیا۔(ص: ۶/۲)

۵۔ محبت: بعض صوفیاء اور علماء کی محبت حضرت علیؓ کے ساتھ خلفائے ثلاثہ کی محبت سے زیادہ ہے کیونکہ حضرت علیؓ سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ بنت الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شوہر ہیں اور حسنین کریمین کے والد ہیں۔ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب حضرت علیؓ سے جاری ہوا۔ طریقت کے تین مشہور سلسلے چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ کو روحانی فیض حضرت علیؓ سے جاری ہوا۔ ان مذکورہ امور کی وجہ سے حضرت علیؓ کے ساتھ بعض حضرات کی محبت زیادہ ہونا ایک فطری عمل اور طبعی تقاضہ ہے لیکن ان امورِ نسب وغیرہ سے حضرت علیؓ کو شیخین پر جزوی فضیلت حاصل ہے کلی فضیلت شیخین کو حاصل ہے۔ علامہ تفتازانی شرح عقائد میں حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ پر فضیلت کا اشارۃً ذکر کرتے ہیں اور بعض سلف و صالحین کا رد کرتے ہیں جنہوں نے دونوں حاضرات میں کسی ایک کو فضیلت دینے میں توقف کیا، علامہ تفتازانی فرماتے ہیں اگر فضیلت سے مراد ثواب میں کثرت ہے تو پھر توقف کی وجہ ہوسکتی ہے اور اگر فضیلت سے مراد وہ فضائل ہیں جن کو اہل عقل و دانش فضیلت سمجھتے ہیں تو پھر توقف کی وجہ نہیں بنتی یعنی پھر حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں۔ کیونکہ حضرت علیؓ کے حضرت عثمانؓ سے فضائل زیادہ مذکور ہیں۔ حضرت عبدالعزیز پرہاروی نے نبراس میں اس سلسلہ میں اگرچہ علامہ تفتازانی کا رد کیا ہے مگر اس جملے کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لان فضائل علی کثیرۃ جدا من الکمالات العلمیۃ والجهاد

والاجتھاد فی الطاعة والبلاغة فی المواعظ و ملازمته النبی ﷺ فی الحضر والسفر و تشرفه بازدواج سیدۃ النساء و ابوته الریحانتین و انشعاب طرق الصرفیة منه و کثرۃ ورود الاحادیث فی مناقبه و ظھور الخوارق عنه و شجاعته و سخاوته الی غیر ذالك مما ذکرہ علماء الحدیث۔" (نبراس، ص: ۳۰۴)

ترجمہ: "کیونکہ حضرت علیؓ کے فضائل بہت زیادہ ہیں، علمی کمالات اور جہاد اور عبادات میں اجتہاد اور محنت اور مواعظ میں بلاغت اور حضر اور سفر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اور صحبت کی ملازمت اور سیدۃ النساء سیدہ فاطمۃ الزہراء کے ساتھ ازدواجی حیات اور نبی کریم ﷺ کے ریحانتین حسنین کریمین کی ابوۃ اور صوفیہ کے سلاسل کا آپ سے جاری ہونا اور آپ کے مناقب اور فضائل میں کثرت سے احادیث کا ورود اور خوارق اور کرامات کا آپ سے ظہور اور آپ کی شجاعت اور بہادری اور سخاوت اور دیگر امور جن کا علمائے حدیث نے بیان کیا، ان امور کی وجہ سے کسی شخص کی حضرت علیؓ سے محبت زیادہ ہو اور خلفائے ثلاثہ کے ساتھ کم ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

ان وجوہ سے حضرت علیؓ کے ساتھ بعض حضرات کی محبت کا زیادہ ہونا فطری اور طبعی عمل ہے لیکن اس سے حضرت علیؓ کی شیخین پر افضیلت ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز بعض علماء کے نزدیک مسئلہ ولایت میں حضرت علیؓ کا شیخین کے لیے متبوع ہونا اور سرکارِ دوعالم ﷺ کا براہ راست نائب ہونا بھی قطعیات سے نہیں ہے۔ نیز حضرت علیؓ کو شیخین کا متبوع ماننے والے علماء کے جواب میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے، ہو سکتا ہے کہ شاگرد کی ولایت استاد کی ولایت سے درجات میں بڑھ جائے یعنی مرتبہ ولایت میں اگرچہ ایک شخص اصل اور متبوع ہوتا ہے

مگر ولایت میں ثانی اور تابع کی ولایت کا درجہ اقوی اور افضل ہو، ایسا ہو سکتا ہے جس طرح ہمارے علماء کے نزدیک سیدنا حضور غوث الاعاظم کی ولایت اپنے پیش سلسلہ کے روحانی اساتذہ اور مشائخ کی ولایت سے درجات میں کئی گنا افضل و اقویٰ ہے، حالانکہ آپ اپنے مشائخ اور اساتذہ کے تابع ہیں۔ آپ کا ارشاد ''قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ'' اس پر شاہد ہے۔ لہٰذا حضرت علیؓ بیشک سرورِ دوعالم ﷺ کے ولایت میں براہ راست نائب ہوں اور صحابہ کرامؓ ان کے متبوع ہوں اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ ولایت میں ثانی اور تابع اور آپ سے استفادہ کرتے ہوں مگر ولایت کے درجات میں حضرت علیؓ کی ولایت سے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی ولایت اقوی ہو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور ولایت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ پر فضیلت قطعی اور ضروری نہیں۔ (واللہ اعلم) (مفتی محمد رفیق حسنی عفی عنہ)

- نبراس شرح عقائد میں منقول ہے:

''الثانی ھل یجوز لاحد ان یحب علیا اکثر من ثلثۃ مع الاعتقاد بالافضلیۃ علی الترتیب قال فی الکدوری لا بأس بہ و فی الناطفی عن ابی حنیفۃ قال من قال علی احب الی من الجمیع فھو رجل دخل ای فاسد و قال بعض الکبراء ان غلب علی قلبك حب احد الاربعۃ فاسترہ (تا) و حقق بعضھم ان کان الحب للدین فیحب ان یکون علی ترتیب الافضلیۃ و ان کان لامر آخر کالانتساب الیہ فلا بأس لکن لا ینبغی افشاء ذالك۔''

ترجمہ: ''کیا کسی ایک کے لیے جائز ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھ تینوں خلفائے راشدین سے محبت زیادہ رکھے باوجود اس اعتقاد کے کہ فضیلت

میں ترتیب وہی ہے جو خلافت میں ہے۔ صاحب کدوری نے کدوری میں فرمایا، اس میں کوئی حرج نہیں اور ناطفی میں امام ابو حنیفہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، جس شخص نے کہا علی مجھے زیادہ محبوب ہے سارے صحابہ سے وہ آدمی فاسد العقیدہ ہے اور بعض بڑے علماء نے کہا، اگر تیرے دل پر چاروں خلفائے راشدین سے کسی ایک کے ساتھ محبت کا غلبہ ہو جائے تو اس کو چھپائے رکھ (تا) اور ان میں سے بعض علماء نے تحقیق کی ہے اگر محبت دین کی وجہ سے ہے تو افضیلت کی ترتیب پر واجب ہے اور اگر کسی دوسرے امر کی وجہ سے ہے جیسے حضرت علیؓ کی سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نسبت کی وجہ سے، پس کوئی حرج نہیں لیکن اس کا افشاء مناسب نہیں ہے۔

• الحاصل! محبت کی دو اقسام ہیں: (۱) اختیاری اور (۲) غیر اختیاری یعنی طبعی اور غیر طبعی۔ جیسے آدمی کو اپنی اولاد اور والدین کے ساتھ محبت ہوتی ہے مگر اولاد کے ساتھ محبت طبعی اور غیر اختیاری زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی اولاد کے ساتھ زیادہ پیار کرتا ہے۔ اس محبت میں انسان مکلف نہیں ہوتا کیونکہ یہ محبت غیر اختیاری ہے۔ اسی طرح بیوی اور والدہ کی محبت میں بیوی کے ساتھ محبت فطری اور غیر اختیاری ہوتی ہے، اس محبت میں کوئی حرج نہیں ہے اور محبت اختیاری یہ ہے والدین کی اطاعت اور خدمت اولاد کی اطاعت اور خدمت پر ترجیح دی جائے، بیوی پر ماں اور باپ کو ترجیح دی جائے۔ اس کی نظیر احادیث سے بھی ملتی ہے۔ خود حضرت علیؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ کی محبت حضرت سیدہ فاطمہ کے ساتھ زیادہ ہے یا میرے ساتھ؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، فاطمہ کے ساتھ محبت زیادہ ہے اور آپ کا احترام زیادہ ہے۔ یہی حال ہر محبت میں ہوتا ہے۔ اگر بعض حضرات کی حضرت علیؓ کے ساتھ فطری محبت زیادہ ہے یہ کہ غیر

اختیاری ہے مگر احترام اور فضیلت کی محبت حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ زیادہ ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

• اس مسئلہ میں ابہام کی وجہ سے علمائے اہلسنت میں سے کچھ حضرات شدت سے کام لیتے ہیں، سنا ہے کہ فریقین ایک دوسرے کو کافر تک کہہ دیتے ہیں حالانکہ فضیلت، ولایت اور محبت ظنی مسائل سے ہیں، ان میں اختلاف سے کوئی فریق کافر نہیں ہوتا اور خلافتِ ابو بکرؓ اگرچہ قطعی ہے لیکن اصولِ دین سے نہیں ہے، اس کا منکر بھی کافر نہیں ہے البتہ صحبتِ ابو بکر الصدیقؓ قرآن مجید کی صریح نص سے ثابت ہے لہٰذا حضرت ابو بکرؓ کی صحبت اور صحابیت کا منکر کافر ہے۔

انجینئر بابر کا واقعہ:

مسجد طوبیٰ ڈیفنس کراچی کی تعمیر کا ذکر اور آیت کریمہ اور مدرسہ میں سرکار دوعالم ﷺ کی آمد کا ذکر:

• دوست احباب اور نمازی جب کسی پریشانی یا بیماری میں مبتلا ہوتے، مجھے کہتے، آپ ہمارے ساتھ حافظ جی کے پاس چلیں، دعا کرائیں یا کوئی وظیفہ اور عمل لے کر دیں تاکہ تکلیف دور ہو جائے۔ آئے دن میں لوگوں کو حافظ جی کے پاس لے جاتا تھا۔ ایک دن حافظ جی نے فرمایا، مفتی صاحب! آپ بار بار تکلیف کرتے ہیں، آپ مدرسہ میں ایک دن معین کرلیں، اس دن کوئی وظیفہ رکھ لیں، میں بھی شرکت کروں گا، وہاں مشترکہ دعا ہو جایا کرے گی، ہم مل کر دعا کریں گے شفاء اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ غالباً میں نے ۹۸/۱۹۹۷ء میں عرض کیا، اتوار کے دن صبح گیارہ بجے مدرسہ میں آیتِ کریمہ رکھ لیتے ہیں، مدرسہ کے طلباء اور دیگر مہمان آیتِ کریمہ پڑھیں گے، آخر میں دعا ہوگی۔ آپ نے فرمایا، بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ ہم نے آیتِ کریمہ شروع کرادی۔ رحمانیہ مسجد میں بھی اعلان کرادیا، لوگ ہر اتوار کو آیتِ کریمہ میں حاضر ہونے لگے۔ حافظ جی کی وجہ سے دور دراز

علاقوں سے لوگ شرکت کرتے، آخر میں میری تقریر ہوتی اور پھر حافظ جی کچھ بیان فرماتے اور دعا کرتے۔ دعا کے بعد مختلف لوگوں سے ملاقات ہوتی۔ خواتین اور حضرات حافظ جی سے وظائف پوچھتے، دم کراتے۔ اگرچہ اس وقت مدرسہ کی عمارت نہیں تھی، شامیانے اور ٹینٹ لگا کر آیتِ کریمہ ہوتی اور آخر میں کھانا ہوتا۔ یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ حافظ جی نے ایک دن فرمایا، میں نے خواب میں سرورِ دوعالم ﷺ کی زیارت اس طرح کی ہے کہ ہم لوگ آیتِ کریمہ پڑھ رہے ہیں، اچانک سرورِ دوعالم ﷺ مدرسہ کے مین دروازے سے دراز قد لوگوں کے ساتھ داخل ہوئے اور موجودہ مسجد کے عقب میں مدرسہ کے صحن میں تشریف لائے اور اپنے ساتھ آنے والے لوگوں کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے۔ حافظ جیؒ نے فرمایا، میں آیتِ کریمہ چھوڑ کر آپ کی بارگاہ میں پہنچا، سلام عرض کیا، آپ جو کچھ بیان فرما رہے تھے مجھے اس کی سمجھ نہیں آئی مگر مجھے فرمایا، حافظ جی! اس آیتِ کریمہ میں جو لوگ شرکت کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کی مراد پوری فرمائے گا۔ اس کے بعد آپ تشریف لے گئے۔ حافظ جی کی وجہ سے ہر قسم کے لوگ اتوار کے دن آیتِ کریمہ کے وظائف میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ مبارک مسجد میں مجھے بابر نامی شخص ملا، اس نے اتوار کے دن حافظ جی سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں نے عرض کیا، ضرور تشریف لائیں۔ اس نے اپنا تعارف کرایا کہ میں اسمائے حسنیٰ باری تعالیٰ اور دیگر وظائف دن رات پڑھتا رہتا ہوں۔ کہنے لگا، وظائف کی کثرت سے میری زبان لڑکھڑانے لگی ہے۔ کہنے لگے، ڈیفنس کی طوبیٰ مسجد کی تعمیر موجودہ اور وسیع گنبد کے ساتھ میری اور میرے ساتھی کی رائے سے شروع ہوئی اور تکمیل ہوئی۔ بابر صاحب نے کہا، موجودہ نقشے کے مطابق ملکی اور غیر ملکی انجینئروں کو مسجد کی تکمیل پر یقین نہیں تھا، وہ کہتے تھے، اتنا عظیم اور وسیع گنبد بغیر ستونوں کے قائم نہیں رہ سکتا مگر میں

اور میرا ساتھی انجینئر بضد تھے کہ اس نقشہ کے مطابق گنبد قائم رہے گا۔ اس سلسلہ میں کور کمانڈر کراچی کی صدارت میں آخری میٹنگ کی تاریخ طے ہو گئی۔ بابر صاحب کہنے لگے، میں بہت پریشان تھا کیونکہ مخالف گروپ کے لوگ زیادہ تھے۔ میٹنگ سے پہلے ایک رات خواب میں سرورِ دوعالم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ مسجدِ طوبیٰ کے گنبد پر تشریف فرما ہیں اور مجھے فرماتے ہیں، مجھے اوپر اینٹیں پہنچاؤ، میں نیچے سے آپ کی طرف اینٹیں پھینکتا ہوں، آپ اینٹیں لے کر گنبد پر لگاتے ہیں۔ یہ منظر دیکھا آنکھ کھل گئی۔ میں بہت خوش ہوا، اسی وقت غسل اور وضو کیا، شراب نوشی اور دیگر گناہوں سے توبہ کر لی اور میں حیران تھا کہ مسجد کے وسیلے سے میرے جیسے گنہگار آدمی کو سرورِ دوعالم ﷺ نے زیارت کا شرف بخشا۔ شکرانے کے نفل ادا کیے، صبح کی نماز پڑھی۔ اب مجھے یقین ہو گیا تھا یہ وسیع اور عظیم گنبد کامیاب ہو جائے گا۔ صبح صبح میں اپنے ساتھی کے پاس پہنچا اور خواب سنایا، اس نے کہا، میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے، اب ہمیں بشارت مل گئی ہے، اپنی رائے پر ڈٹ جائیں گے۔ چنانچہ میٹنگ میں ہم اپنے موقف پر ڈٹ گئے۔ کور کمانڈر نے کہا، بابر صاحب، ہم یہ نقشہ منظور کرتے ہیں مگر جب گنبد کی تعمیر ہو گی آپ کو اوپر کام کرنا ہو گا تاکہ گریں تو آپ ہی مریں۔ بابر نے کہا، بالکل ٹھیک ہے۔ بابر صاحب فرماتے تھے، الحمدللہ! مسجد طوبیٰ کا نقشہ خود سرورِ دوعالم ﷺ نے منظور فرمایا۔ میں نے بابر صاحب سے عرض کیا، بالکل آپ ﷺ کو مساجد کے ساتھ نہایت محبت ہے اسی وجہ سے آپ پر بھی کرم ہوا۔ بابر صاحب فرماتے تھے، آجکل رات کو میرے کمرے میں ہری (Green) روشنی ہو جاتی ہے اور آسمانی مخلوق سے کچھ لوگ اس میں نظر آتے ہیں، وہ آپس میں باتیں کرتے ہیں مگر مجھے سمجھ نہیں آتی۔

جب بابر صاحب یہ باتیں سنا رہے تھے، مجھے نہایت حیرت ہو رہی تھی

کہ ہم لوگ داڑھی منڈے لوگوں کو کتنا گنہگار اور منحوس سمجھتے ہیں حالانکہ رسول کریم ﷺ کسی ایک نیکی کی وجہ سے ان سے راضی ہوتے ہیں، ان پر کرم فرماتے ہیں جبکہ ہمارے اوپر اتنا کرم نہیں ہوتا۔ خیر! اس گفتگو کے بعد میں نے عرض کیا، آپ اتوار کے دن ضرور تشریف لائیں، ہم آپ کی حافظ کے ساتھ ملاقات کرادیں گے۔ بابر صاحب تشریف لائے، آیتِ کریمہ سے فارغ ہو کر میں نے حافظ جی سے بابر صاحب کا تعارف کرایا۔ بابر صاحب نے حافظ جی سے عرض کیا، مجھے ایسا وظیفہ بتائیں کہ جنات میرے تابع ہو جائیں۔ حافظ جی نے فرمایا، بابر صاحب! جنات کو تابع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، آپ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وظائف پڑھیں۔ ہم نے جنات تابع کیے تھے مگر سب کو آزاد کر دیا ہے، آپ اللہ اللہ کیا کریں۔ بابر صاحب اس جواب پر خاموش ہو گئے، دوبارہ حافظ جی کے پاس آنے کی کوشش نہیں کی۔

میتھی سے علاج:

• مجھے تقریباً ہر سال شدید نزلہ ہو جاتا تھا۔ تین تین ماہ علاج کراتا مگر ٹھیک نہیں ہوتا تھا۔ نزلہ میں کمزوری کے علاوہ گلا بند ہو جاتا تھا اور جمعہ اور اتوار کے دنوں میں ہفتہ وار خطاب نہیں کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر رفیع طارق جو کہ گلے اور ناک اور کان کے اسپیشلسٹ ہیں اور جناح ہسپتال میں اس شعبہ کے انچارج ہیں، انہوں نے گلے میں بلب اتار کر ایکسرے لیے اور علاج شروع کیا مگر مرض میں افاقہ نہ ہوا آخر ایک دن مدرسہ میں اسی پریشانی میں بیٹھا تھا، کئی ہفتوں سے گلہ بند تھا، ایک صاحب فتویٰ لینے آئے، میری حالت دیکھ کر کہنے لگے، میں مرحوم حکیم سعید کا شاگرد ہوں، میری شادی بھی انہوں نے کرائی تھی۔ انہوں نے مجھے ایک نسخہ بتایا تھا، نہایت مفید ہے۔ ہم حکیم لوگ کسی کو نسخہ نہیں بتاتے مگر آپ نے فتویٰ لکھ کر مجھ پر احسان کیا ہے، میں آپ کو نسخہ بتاتا ہوں، جب بھی تکلیف ہو استعمال

فرمائیں، ان شاء اللہ شفاء ہو گی۔ غالباً منگل کا دن تھا، کہنے لگا، ان شاء اللہ آپ اس جمعہ خطاب کریں گے۔ کہنے لگا، پانچ روپے کی میتھی کا بیج منگا دیں، میں نے میتھی کا بیج منگا لیا۔ اس نے کہا، دو چمچ بیج تین کپ پانی میں ڈالیں اور اسے پکائیں، جب پانی ایک کپ رہ جائے، چھان کر حسبِ خواہش میٹھا ملا کر دن میں صبح اور شام پئیں، آپ کا گلا صاف ہو جائے گا۔ اس نے اپنی موجودگی میں میتھی کا پانی پلایا اور چلا گیا، میں حسبِ ہدایت میتھی پیتا رہا، الحمد للہ! اسی جمعہ خطاب کرنے کی توفیق حاصل ہو گئی حالانکہ اس سے پہلے جناح ہسپتال کے کان، گلے اور ناک کے اسپیشلسٹ اور شاہ لطیف یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر طارق رفیع نے ڈاکٹروں کی پوری ٹیم کے ساتھ گلے میں تار کے ساتھ بلب باندھ کر حلق میں ڈال کر مشینوں کے ذریعے گلے کے ایکسرے لیے تھے اور پھر ادویہ تجویز کی تھیں مگر ان سے کوئی فائدہ نہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے میتھی کے پانی سے شفا عطا فرمائی۔

• ایک سال رمضان المبارک کے بعد میں استاذیم مولانا محمد اشرف صاحب سیالویؒ کے پاس پڑھائی کے لیے سلانوالی پہنچ گیا۔ مولانا محمد نواز جو ہمیشہ ہم اکٹھے رہتے تھے، وہ اس سال بندیال چلے گئے۔ میں بھی دوسرے سال بندیال پہنچ گیا۔ الحمد للہ! مجھے حضرت خواجہ غلام حسن صاحبؒ سے جسمانی صحت کا فائدہ ان کی اولاد کے ذریعے پہنچا۔ اس میں اشارہ تھا کہ ہمارا اپنی اولاد کے ساتھ رابطہ ہے۔ ہماری اولاد جس پر راضی ہو گی ہم بھی اس پر راضی ہوں گے، جس سے وہ ناراض ہوں گے، ہم بھی اس سے ناراض ہوں گے۔ بشرطیکہ شریعت کی وجہ سے ناراضگی ہو۔ یہ واقعہ تقریباً ۱۹۶۷ء کا ہو گا۔

صاحبزادگان شریف سے استفادہ اور اپنی خلافت کا ذکر:

• دوسرا واقعہ اس طرح ہے کہ قبلہ حافظ غلام محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بار بار فرمایا کہ آپ خلافت لے کر طریقت میں بیعت کرنا شروع کر دیں

کیونکہ جاہل پیروں سے آپ بہت بہتر ہیں۔ مریدوں کو کم از کم شرعی مسائل تو بتائیں گے۔ ایک عرصہ تک میں انکار کرتا رہا، وہ اصرار فرماتے رہے مگر جب عمرہ کر کے تشریف لائے، فرمانے لگے، آپ کے لیے میں مدینہ منورہ سے اجازت لے آیا ہوں۔ میں نے عرض کیا، مجھے تو کسی شیخ سے خلافت حاصل نہیں ہے۔ فرمانے لگے، بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے شیخ خواجہ غلام حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین سے خلافت لے لیں۔ میں نے عرض کیا خواجہ غلام حسنؒ کا عرس مبارک ہونے والا ہے، آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ ریل کی ٹکٹیں کرالیں۔ آپ کے صاحبزادے طاہر محمود صاحب بھی ساتھ تھے۔ روانہ ہونے سے پہلے حافظ جی رحمہ اللہ نے فرمایا، آپ کے پیر صاحب نے میرے ساتھ خواب میں ایک وعدہ فرمایا ہے کہ اگر آپ میرے پاس آئیں گے تو میں آپ کو ایک تحفہ دوں گا، دیکھتے ہیں وہ وعدہ پورا کرتے ہیں یا نہیں۔ میں نے عرض کیا، بہت اچھا۔ ہم تینوں سوہاگ شریف پہنچے، صاحبزادہ احمد حسن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں نے حافظ جی کا تعارف کرایا اور اپنا مدعا ذکر کیا۔ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا، ٹھیک ہے، آخری دن دستار اور جبہ کی رسم ادا کرلیں گے۔ جناب صاحبزادہ محمد اسماعیل صاحب شاہ والا کو جب اس بات کا علم ہوا، انہوں نے بھی فرمایا، ہمارا پہلے سے ارادہ تھا کہ مفتی صاحب کو خلافت ملنی چاہیے۔ خیر! دو دن تک وہاں قیام کے لیے ایک کمرہ دے دینے کے لیے عرض کیا تو صاحبزادہ صاحب نے اپنے خادم سے فرمایا کہ انہیں ایک کمرہ دے دو۔ جب کمرے میں پہنچے، وہاں نہ دری تھی اور نہ چٹائی، صرف ریتی اور اس پر پانی کا چھڑکاؤ کیا ہوا تھا۔ وہاں بیٹھنے اور لیٹنے کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ حافظ جی سے میں نے عرض کیا، کروڑ لعل عیسن میرا وسیع ذاتی مکان ہے، وہاں چلتے ہیں، رات وہاں رہیں گے۔ چنانچہ ہم کروڑ لعل عیسن اپنے مکان پر آگئے۔ غالباً عصر کا ٹائم تھا،

حافظ جی نے آتے ہی قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی۔ ان کے صاحبزادے محمد طاہر اور میں نے بھی تلاوت شروع کر دی۔ رات اپنے مکان پر گزاری، صبح فجر کی نماز ادا کی اور تلاوت کردہ کلام پاک حضرت خواجہ غلام حسنؒ کو ہدیہ کیا۔

حافظ جیؒ نے خواب میں خواجہ غلام حسنؒ کو شکایت کی:

• حافظ جی نے فرمایا، آج رات خواب میں حضرت خواجہ غلام حسنؒ کی زیارت ہوئی۔ میں نے عرض کیا، حضرت! ہم آپ کے مہمان تھے مگر آپ نے اپنی خانقاہ پر رہنے کے لیے جگہ نہیں دی، اس لیے خانقاہ شریف سے دور یہاں مفتی صاحب کے مکان پر آ گئے۔ تھوڑے وقفہ کے بعد صاحبزادہ احمد حسن صاحب کا خادم آ گیا اور کہنے لگا، آپ لوگوں کو صاحبزادہ صاحب بلا رہے ہیں۔ ہم دربار شریف پہنچے تو صاحبزادہ صاحب نے حضرت خواجہ غلام حسن صاحبؒ کی مزار کے قدموں کی جانب بنگلے میں ایک کمرہ میں ہمیں رہنے کے لیے جگہ عطا فرمائی۔ میرے خیال میں حافظ جی کی شکایت پر حضرت خواجہ غلام حسن صاحبؒ کا یہ روحانی تصرف تھا کہ صاحبزادہ احمد حسن صاحب کے دل میں یہ بات القاء ہوئی کہ حافظ جی اور مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ آنے والی رات عرس شریف کی آخری رات تھی۔ صبح ختم شریف اور میری خلافت کی رسم کے لیے دستار اور جبہ کا پروگرام ہونے والا تھا۔ حافظ جی کی چارپائی کمرہ کی شمالی دیوار کے ساتھ لگائی گئی تھی اور میری چارپائی آپ کی پشت کی سیدھ میں جنوبی دیوار کے ساتھ رکھی گئی تھی۔

رات کے آخری حصہ میں بشارت اور وعدہ وفا:

• رات کے آخری حصہ تقریباً دو یا تین بجے حافظ جی فوراً اٹھے اور چارپائی پر دوزانو ہو کر روضہ شریف کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ اتفاق سے اسی وقت میری آنکھ بھی کھل گئی، میں نے حافظ جی کو جلدی سے اٹھ کر دوزانو ہو کر بیٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا، پھر میری آنکھ لگ گئی۔ صبح نماز باجماعت کے بعد جب ہم نے

ناشتہ کرلیا، حافظ جی نے فرمایا: مفتی صاحب! آپ مجھے اجازت دے دیں، مجھے بخار بھی ہے اور آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ غلام حسن صاحبؒ نے کراچی سے روانہ ہونے سے پہلے ایک وعدہ فرمایا تھا، وہ پورا کردیا ہے۔ میں نے عرض کیا، حضور! آپ کی ترغیب سے ہی میں خلافت کی رسم دستار و جبہ لے رہا ہوں براہ کرم اس تقریب میں شرکت فرما کر ظہر کے بعد آپ تشریف لے جائیں۔ آپ خاموش ہوگئے اور ٹھہر گئے۔ میں نے عرض کیا، حضرت صاحب نے جو وعدہ کیا تھا، وہ کیا تھا؟ حافظ جی نے فرمایا، انہوں نے فرمایا تھا، حافظ جی! آپ میرے پاس آئیں گے تو میں آپ کو سرورِ دوعالم ﷺ کی زیارت کراؤں گا، آپ نے آج رات وعدہ پورا کردیا ہے۔ آپ کے پیر اور مرشد حضرت صاحب، سرورِ دوعالم ﷺ کے ساتھ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا، حافظ جی! میں نے جو وعدہ کیا تھا، پورا کردیا ہے۔ شاید حضرت صاحب نے سرورِ دوعالم ﷺ سے عرض کیا ہوگا کہ یارسول اللہ! آج کرم فرمائیں، میرے ساتھ تشریف لاکر حافظ جی کو زیارت کا شرف بخشیں حالانکہ حافظ جی کو سرورِ دوعالم ﷺ کی متعدد مرتبہ بیداری میں اور خواب میں ہزاروں مرتبہ زیارت کا شرف حاصل تھا، جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ''البشریٰ المسعود فی رویا سیدی حافظ محمود'' میں ذکر کیا ہے مگر یہ خاص زیارت تھی۔ حافظ جی نے فرمایا، مفتی صاحب! آپ کے پیر صاحب بہت بڑے آدمی ہیں اور مقربین سے ہیں۔

میری رسمِ خلافت کا ذکر:

• حسبِ روایت عرس شریف پر جب اختتامی دعا ہوتی ہے، سارے خلفاء اور صاحبزادگان روضہ شریف میں داخل ہوجاتے ہیں۔ ختم شریف ہوتا ہے، اگر کسی سالک کو خلافت دینی ہو تو دستار اور جبہ کی رسم ادا کی جاتی ہے اور طریقت میں بیعت کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ خاص خاص لوگوں کو اندر جانے کی

اجازت ہوتی ہے۔ اس دن مجھے، حافظ جی اور ان کے بیٹے جناب طاہر محمود صاحب کو بھی اندر آنے کی اجازت تھی۔ حضرت خواجہ غلام حسنؒ کے سرہانے کی جانب صاحبزادگان اور بعض خاص لوگوں کی نشست ہوتی ہے۔ حافظ جی مزار کی پائنتی جانب بیٹھ گئے اور میں سرہانے کی جانب بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میری دستار اور جبہ کی رسم اور میری خلافت کا اعلان ہوا۔ حضرت صاحبزادہ محمد حسن صاحب زید مجدہ اور حضرت صاحبزادہ احمد حسن صاحب زید مجدہ اٹھے اور حسبِ روایت مجھے جبہ پہنایا اور دستار باندھی۔ تقریباً سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے مگر حافظ جیؒ کھڑے ہوگئے اور باادب سر جھکا کر دستار و جبہ کی رسم ادا ہونے تک کھڑے رہے۔ جب لوگ بیٹھ گئے، دعا ہوگئی، لوگوں نے مجھے مبارکباد پیش کیں۔ ہم اپنے رہائشی کمرے میں واپس آگئے۔ حافظ جیؒ کے صاحبزادے طاہر محمود بیان کرتے ہیں، میں نے حافظ جی سے عرض کیا، مفتی صاحب کی دسار اور جبہ کی رسم کے وقت آپ کیوں کھڑے ہوگئے تھے؟ حافظ جیؒ نے فرمایا، مفتی صاحب کے سر پر بظاہر صاحبزادگان دستار باندھ رہے تھے مگر حقیقت میں صاحب مزار خواجہ غلام حسن صاحبؒ مزار سے باہر تشریف لے آئے تھے اور مفتی صاحب کے سر پر دستار باندھ رہے تھے۔ حضرت صاحب کو جب میں نے دیکھا ادباً کھڑا ہوگیا تھا۔ صاحبزادہ محمد طاہر محمود سجادہ نشین حافظ جی غلام محمود صاحبؒ آج بھی زندہ ہیں اور یہ منظر سب لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہتے ہیں۔ حافظ جیؒ کے ساتھ تقریباً بیس سال میری رفاقت رہی، آپ کے ساتھ عمرہ بھی ادا کیا، ان کی کرامات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ آپ بیس سال تک روزانہ مکمل قرآن مجید ختم فرماتے رہے اور بیس سال تک سوائے ایام منہیہ کے روزے رکھتے رہے۔ آپ کو سرورِ دوعالم ﷺ کی ہزاروں مرتبہ زیارت نصیب ہوئی۔ حافظ جی مزارات کی زیارت کے لیے جب کہیں تشریف لے

جاتے اصحابِ مزارات ان کا استقبال کیا کرتے تھے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی ہر مزار پر جانے سے پہلے سوتے وقت صاحبِ مزار کو ایصالِ ثواب کرتے تھے۔ رات کو صاحبِ مزار کی زیارت ہو جاتی اور صاحب مزار فرماتے، آپ ضرور تشریف لائیں۔ آپ بعض ضروری حاجات کے لیے عموماً ہر مزار پر تین رات قیام فرماتے اور تین قرآن پاک تلاوت فرما کر صاحبِ مزار کو ایصالِ ثواب کرتے تھے۔ آپ نے مجھے بیان فرمایا تھا کہ سوہاگ شریف عرس سے فارغ ہو کر میں مختلف مزارات کی زیارت کے لیے روانہ ہو گیا تھا حتیٰ کہ کھڈ شریف اور گولڑہ شریف حاضری دی پھر لاہور حضرت داتا گنج بخشؒ کی زیارت کے لیے جب گیٹ سے داخل ہوا تو حضرت داتا بخشؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی چلہ گاہ کے کمرے کے ساتھ کھڑے میرا انتظار فرما رہے تھے۔ حافظ جی نے بیان فرمایا، جب میں سلطان العارفین سلطان باہو کی بارگاہ میں پہنچا، میں نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی، کلام پاک کا ایک ختم کر دیا مگر وہ سامنے نہیں آگے۔ جب میں نے دوبارہ قرآن مجید کی تلاوت شروع کی تو آپ مزار سے باہر تشریف لائے اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ حافظ جی غلام محمود صاحبؒ بیان فرماتے تھے، مجھے انجان دو لوگوں نے رات کے ایک حصہ میں آ کر بیان کیا کہ آپ کو قطبیت کے مقام پر فائز کر دیا گیا ہے۔ میرے وجدان کے مطابق واقعی آپ آخری ایام میں قطبیت کے عہدہ پر فائز ہو گئے تھے۔ آپ لوگوں کے امراض اور مشکلات کے لیے اکثر سرورِ دو عالم ﷺ سے وظائف پوچھ کر لوگوں کو بتاتے تھے۔ بحمدہ تعالیٰ جس طرح بیان کرتے تھے اسی طرح ہوتا تھا۔ بعض دفعہ صاحب مزار سے عرض کرتے تھے، میں آپ کو تین قرآن مجید سناؤں گا آپ تین کام کرا دیں۔ صاحبِ مزار حسبِ وعدہ کام کرواتے تھے۔ میں نے حافظ جی کے لیے ایصالِ ثواب کی تقریب میں آپ کی کچھ باتیں ذکر کی تھیں، پھر انہیں کتاب کی

شکل میں بنام "البشریٰ المسعود فی رویا سیدی حافظ جی غلام محمودؒ" شائع کر دیا گیا ہے۔ الحاصل! حضرت خواجہ غلام حسن صاحبؒ کا فیض جاری ہے اور اپنے صاحبزادگان اور خلفاء کے ذریعے بھی لوگوں کو فیض عطا فرما رہے ہیں۔

جَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنَّا خَيْرَ جَزَائِهٖ۔

فقیر سلطان علیؒ کا ذکر:

• ایک مرتبہ حضرت خواجہ غلام محمد سواگؒ کے خلیفہ حضرت فقیر سلطان علی صاحبؒ اور میں دونوں حضرت پیر باروؒ کی زیارت کے لیے آستانہ بارویہ پر ایک رات اکٹھے رہے۔ صبح اجازت لے کر ہم لوگ بس اسٹاپ جاوید نگر جو کہ تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، پیدل پہنچے۔ چونکہ مجھے لیّہ جانا تھا اور حضرت فقیر سلطان علی صاحبؒ کو اپنے گھر شاہوالا جانا تھا۔ حضرت فقیر سلطان علی صاحبؒ نے غالباً سلوک کے بعض اسباق خواجہ غلام حسنؒ سے حاصل کیے تھے، انہیں حضرت صاحبؒ کی حضر اور سفر میں صحبت حاصل تھی۔ انہوں نے آستانہ عالیہ بارویہ سے نکلتے ہی حضرت خواجہ غلام حسن صاحبؒ کی کرامات اور کمالات ذکر کرنے شروع کر دیے اور بس اسٹاپ پر مسلسل بیان کرتے رہے۔ فرمانے لگے، مولوی رفیق صاحب! شائع شدہ ملفوظ شریف میں بہت کم لکھا گیا ہے، اگر ایک آدمی جس کو حضرت خواجہ غلام حسن صاحبؒ کی صحبت حاصل رہی، وہ حضرت صاحبؒ کی دیدہ اور شنیدہ کرامات لکھے تو اس کے دیکھے گئے اور سنے گئے مشاہدات اور کرامات موجودہ ملفوظات شریف سے بڑھ جائیں گے۔ فرمانے لگے، میں نے اپنی زندگی میں ایسا کامل انسان نہیں دیکھا۔ فرمانے لگے، ہم جب دربار حسنیہ پر حاضری دیتے تھے تو دل سے برے وساوس نکال دینے کی کوشش کرتے تھے۔ ڈر لگتا تھا کہ حضرت صاحب ہمارے دل کے وساوس بتا کر شرمندہ نہ کر دیں۔ حضرت فقیر سلطان علی فرماتے تھے کہ مولوی رفیق صاحب! ایسا لگتا تھا کہ

ہمارے دلوں میں موجودہ خیالات حضرت صاحب دیکھ رہے ہیں اور ہمارے دلوں کا آپ مشاہدہ کر رہے ہیں۔

کشف کے واقعات:

• اسی سلسلہ میں مجھے اپنے چچا کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے، ہمارے والد صاحبؒ کے سوتیلے خالہ زاد بھائی صوفی غلام محمدؒ ہمارے کزن عثمان شاہ صاحب کے والد بیان کرتے تھے، ایک مرتبہ میں آستانہ عالیہ حسنیہ زیارت کی نیت سے صبح صبح بغیر کھائے پیے گھر سے روانہ ہو گیا۔ جب دربار شریف کے قریب پہنچا دیکھا کہ حضرت خواجہ غلام حسن صاحبؒ گھوڑے پر سوار کہیں جانا چاہتے ہیں۔ آپ کے ساتھ قافلہ روانہ ہونے والا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا، آج میں بھوک سے نڈھال ہو جاؤں گا کیونکہ حضرت صاحب مجھے بھی ساتھ چلنے کا فرمائیں گے، میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا، دل میں یہ خیال گھوم رہا تھا، جب آپ کے قریب پہنچا اور قدم بوسی کی۔ آپ نے فرمایا، صوفی فکر نہ کرو ہمارے ساتھ چلو ''روٹیاں وی بہوں اور بوٹیاں وی بہوں'' یعنی روٹی اور گوشت کا سالن جتنا کھا سکو گے وہ ملے گا، بھوک کی فکر نہ کرو۔

• دوسرا واقعہ۔ حضرت استاذیم مولانا فیض محمد صاحب گجوی بھکروی رحمہ اللہ تعالیٰ مصنف ''درۃ التاج فی مسئلۃ المعراج'' اور ''سرور العباد فی مسئلہ المیلاد'' بیان فرماتے تھے کہ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت خواجہ غلام حسن صاحبؒ کی شہرت سن کر میں آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اگر حضرت صاحب نے میرا نام دریافت فرمایا تو میں خاموش رہوں گا۔ اگر آپ صحیح ولی اللہ ہوئے تو خود میرا نام بتادیں گے۔ چنانچہ آپ نے میرا نام پوچھا، میں خاموش رہا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا، بیٹا آپ کا نام فیض محمد ہے، آپ کے والد کا نام فلاں اور آپ کے دادا کا نام فلاں ہے۔

استاذیم فیض محمدؒ بیان فرماتے تھے، مجھ سے آپ نے مزاحاً پوچھا تھا کہ بیٹے بتاؤ ''اِنت آ'' کونسا صیغہ ہے۔ ہماری زبان میں انتے آ کا مفہوم میری طرف آؤ کا ہوتا ہے۔ پھر خود بتایا، کہ امر اور تثنیہ کا صیغہ۔ شاید اس کے بعد استاذیم فیض محمد بھکرویؒ آپ کے مرید ہو گئے تھے۔

• علمائے کرام جانتے ہیں اولیاء کرام کی منازل میں کشف قلوب اور کشف قبور، کشف احوال اور کشف واقعات پہلی منزل ہوتی ہے۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

• افسوس کہ آج اکثر اولیاء کرام کی اولادوں نے اپنے آباء واجداد کی ریاضتوں اور محنتوں کو ترک کر دیا ہے حتیٰ کہ شرعی احکام پر بھی عمل نہیں کرتے اور اپنے آباء واجداد کے فضائل کو اپنے فضائل سمجھ کر نہایت غفلت اور خسارے میں عیاشی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔

• اپنی ذاتی یادداشت کے حوالہ سے کچھ واقعات لکھے جارہے ہیں، ہو سکتا ہے کسی دوسرے حضرت نے یہی واقعات بیان کیے ہوں، مجھے اس کا علم نہیں۔ نیز عموماً واقعات کے بیان کرنے میں اصل حقائق کے بیان میں کمی و بیشی کا قوی امکان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ (آمین)

ایک کتے کے سلسلہ میں عجیب قصہ:

• ہمارا عقیدہ ہے ''رحمتِ خدا بہانہ جوید بہانہ جوید'' اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لیے بہانہ چاہیے، اس کے لیے بھاری بھر کم عبادت کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمالِ صالحہ کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا، جو شخص بھی جنت میں جائے گا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جائے گا۔ اس حوالہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کے لیے میں نے بھی بہانے تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اور اسے میری

مغفرت کا باعث بنادے۔

بہانۂ مغفرت:

• ضلع لیّہ کے مدرسہ نعمانیہ رضویہ لیّہ میں سیّدی استاذیم مولانا حامد علی صاحب رحمہ اللہ کی سرپرستی میں پڑھتا تھا۔ عموماً عصر کی نماز کے بعد ریلوے لائن کے ساتھ جو کہ مدرسہ کے قریب تھی، کبھی جنوب کی طرف اور کبھی شمال کی طرف چہل قدمی (walk) کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میرے ساتھ مولانا غلام فرید صاحب، مفتی محمد یعقوب معینیؒ کے سسر بھی ساتھ تھے۔ ہم ریلوے لائن کے ساتھ چلتے چلتے شمال کی جانب اسٹیشن کراس کر گئے۔ ریلوے اسٹیشن سے تقریباً ایک کلومیٹر شمال کی جانب ریلوے لائن کے قریب کافی تعداد میں تارکول لیک ہو چکا تھا، وہاں تارکول یعنی سڑکوں کی روڑی اور سنگریزوں پر ڈالی جانے والی لک کا تالاب بنا ہوا تھا اور سائیڈ پر پڑی پتھروں کی باریک روڑی سے تارکول اوپر آ گیا تھا۔ اتفاق سے کسی ٹائم ایک کتا اس تارکول سے گزرنے لگا ہو گا، تارکول اور روڑی پر گر گیا پھر اٹھ نہ سکا۔ معلوم نہیں اسے گرے کتنا ٹائم گزر گیا تھا۔ کتا چیخ چیخ کر دردناک آواز میں فریاد کر رہا تھا جس سے انسان کا کلیجہ پھٹتا تھا مگر لوگ دائیں بائیں جنوباً شمالاً کتے کو کتا سمجھ کر گزر رہے تھے اور اسے دیکھتے مگر غیر اہم سمجھ کر گزر جاتے۔ کتے کو وہاں سے نکالنا بھی بہت مشکل تھا۔ کتے کو تارکول کے سینٹر سے تارکول اور پتھروں کی گرفت سے نکالنا آسان کام نہیں تھا، پہلے خود جانے والے آدمی کو تارکول پکڑ لیتی، اس لیے کتے کو بغیر کرین کے ہاتھوں سے اٹھانا بہت مشکل تھا۔ ہم نے جب اس کتے کی آہ و زاری سنی، ضبط قائم نہ رہا۔ ہم نے مشورہ کیا، اگر کتا نہ نکالا گیا تو یہ چیخ چیخ کر مر جائے گا۔ ہم نے سوچا کہ اگر ہم اسے نکال لیں تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہماری مغفرت فرمادے۔ جس طرح حدیث شریف میں ایک گنہگار عورت کا ذکر آتا ہے کہ اس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا،

جس کی زبان پیاس سے لٹک رہی تھی اور کنویں کے ارد گرد چکر لگا رہا تھا۔ وہاں سے ایک فاسقہ عورت گزر رہی تھی، کنویں پر ڈول اور رسی نہ ہونے کی وجہ سے پانی نکالنا اور کتے کو پلانا بہت مشکل تھا۔ اس عورت نے اپنا جوتا اپنے دوپٹے کے ساتھ باندھا اور پانی نکال کر کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، میں نے ایسی عورت کو جنت میں دیکھا جس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ معاف کر دیے۔ ہم نے بھی یہی سوچا اور کتے کو جا کر اٹھایا، کھینچ کر تارکول کے تالاب سے باہر لے آئے مگر اس کے جسم کے ساتھ تارکول اور روڑی چپکی ہوئی تھی، جن کی وجہ سے اس کے لیے کھڑا ہونا اور چلنا مشکل تھا اور کتا چلنے کے قابل نہیں تھا۔ مولانا غلام فرید نے مجھے کہا، آپ جا کر کسی دوکان سے مٹی کا تیل لے آئیں، یہ تارکول مٹی کے تیل سے اترے گا اور روڑی بھی گر جائے گی۔ میں کافی دور دوکان سے مٹی کا تیل لاتا رہا اور ہم دونوں تیل سے کتے کے جسم سے تارکول اور پتھر نکالتے رہے۔ الحمدللہ! دو تین گھنٹے کی کوشش کے بعد وہ کتا چلنے بلکہ بھاگنے کے قابل ہو گیا۔ وہ شارعِ عام تھا، ہم دونوں باریش مولوی تھے، دنیادار اور سرمایہ دار خواتین اور مرد گزر رہے تھے، ہمیں کتے کو صاف کرنے پر شرم بھی محسوس ہو رہی تھی اور لوگ بھی حیران ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے پھر چلے جاتے تھے۔ وہ کتے کے چیخ چیخ کر مر جانے کو معمولی سمجھتے تھے کیونکہ کتا نجس ہے، اس کی اتنی اہمیت نہیں ہے کہ اسے بچایا جائے مگر ہم نے سوچا لوگ جو کچھ کہیں اس کتے کو اس طرح چیخ چیخ کر عذاب سے مر جانے سے بچایا جائے۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، لوگ کچھ بھی کہتے رہیں۔ خیال آتا ہے، ہو سکتا ہے ہمیں دنیا کی عزت اسی عمل کی وجہ سے ملی ہو اور ہو سکتا ہے آخرت بھی اچھی ہو جائے۔ ان شاء اللہ۔ قارئین سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

ایک بزرگ سے ملاقات کا ذکر:

• احادیث شریف میں صالحین کی زیارت اور ملاقات کی ترغیب دی گئی ہے اور وفات شدہ بزرگ جو مزارات میں آرام فرما ہوں ان کی مزارات کی زیارت بھی سنت ہے اور باعث خیر اور صلاح ہے۔ اس سلسلہ میں میری کتاب ''رفیق العلماء'' میں تفصیل موجود ہے۔ ہمارے زمانے کے زندہ بزرگانِ دین میں سے ایک بزرگ شیخ طریقت حضرت حافظ محمد صادق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کوٹلی آزاد کشمیر بھی تھے۔ مجھے ان کے متعلق اجمالی معلومات ۱۹۷۲ء یا ۱۹۷۳ء میں ہو گئیں تھیں، جب میں ضلع لیہّ مدرسہ عربیہ نعمانیہ میں تدریس کرتا تھا۔ ان ایام میں مقبوضہ کشمیر کے ایک طالب علم مولانا محمد صدیق صاحب میرے پاس پڑھتے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے چھٹی چاہیے میرے پیر و مرشد محمد صادق صاحب کوٹلی آزاد کشمیر میں رہتے ہیں، میری ان سے بیعت ہے، ان کی زیارت کے لیے جانا ہے۔ میں نے انہیں اجازت دے دی، وہ استاذیم صوفی حامد علی صاحبؒ سے پوچھ کر چلے گئے۔ جب واپس آئے تو ان کے پیر حضرت محمد صادق صاحب رحمہ اللہ نے انہیں میرے لیے کپڑوں کا جوڑا بمعہ دستار عنایت فرمایا تھا۔ وہ دستار نہایت قیمتی سفید باریک شفون کپڑے کی تھی، مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ انہوں نے یاد کیا۔ میں نے قمیص اور شلوار تو استعمال کر لی مگر دستار رکھ دی اور گھر والوں سے عرض کیا کہ یہ دستار میرے کفن میں رکھنا۔ شومئی قسمت گھر والوں سے وہ دستار کہیں غائب ہو گئی ہے۔ پھر میں لیہّ چھوڑ کر دارالعلوم امجدیہ کراچی میں تدریس کرنے لگا۔ طالب علم مولانا محمد صدیق کشمیری یہاں تو نہ آسکے مگر ان کے سلام آیا کرتے تھے۔ پھر شاید مقبوضہ کشمیر اپنے گھر واپس چلے گئے تھے۔ رابطہ بذریعہ سلام کبھی کبھی ہو جاتا تھا مگر ایک عرصہ ہوا ان سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ ہمارے دوست مولانا طیب ارشد صاحب ضلع میانوالی کلور والے

جہلم میں پیر محمد صادق کے مریدین مولانا محمد فاروق وغیرہ کے مدرسہ میں پڑھاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت پیر محمد صادق کا تذکرہ آیا تو انہوں نے بہت تعریف کی اور کہنے لگے جب میں پہلی مرتبہ کوٹلی جانے لگا راستہ میں رات ہو گئی تھی، حضرت محمد صادق صاحب نے اپنے مریدین سے فرمایا، ایک مولوی صاحب ہماری ملاقات کے لیے آرہے ہیں، انہیں دیر ہو جائے گی، ان کے لیے کھانے اور رہائش کا بندوبست کرنا۔ مولانا طیب ارشد بیان کرتے ہیں، جب میں پہنچا درویش انتظار کر رہے تھے اور مجھے بتایا کہ ہمیں حضرت صاحب کا حکم تھا۔ مولانا ارشد نے بیان کیا پاکستان کے بڑے بڑے اکثر علماء آپ کی خدمت میں حاضری دے چکے ہیں۔ وہ فرمانے لگے، ڈاکٹر مسعود صاحب کراچی سے کوٹلی پہنچے تھے اور تقریباً پندرہ دن قیام فرمایا تھا۔ آپ سے براہ راست ملاقات کئی دنوں کے بعد ہوئی تھی۔ اسی طرح ڈاکٹر طاہر القادری تین دن تک بیٹھے رہے تب ان کی ملاقات ہو سکی تھی۔ سردار عبدالقیوم صاحب آزاد کشمیر کے وزیر اعظم پندرہ پندرہ دن ملاقات کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ مولانا طیب ارشد صاحب نے بیان کیا، کشمیر میں اکثر مساجد ایک ہی نقشہ سے آپ کے خرچہ سے بنی ہوئی ہیں۔ معلوم ہوا بندیال شریف کی مسجد کی تعمیرِ نَو کے لیے صاحبزادہ ظفر الحق صاحب نے پیر محمد صادق کو خط لکھا۔ آپ نے بندیال شریف کی مسجد دوبارہ بنوادی۔ لوگوں سے سنا ہے، آپ کے پاس دست غیب تھا، حسبِ خواہش انہیں رقم مل جاتی تھی اور آپ مساجد اور مدارس پر خرچ کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ میرے ذہن میں یہ باتیں گھومتی رہتی تھیں، اس لیے شدید خواہش تھی کہ کاش آپ کی ملاقات ہو جائے مگر موقع نہ ملا۔ ایک مرتبہ لاہور مفتی محمد خان صاحب قادری کے مدرسہ میں حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادریؒ کے ساتھ ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا، آپ نے پیر محمد صادق صاحب کوٹلی کشمیر والے

کی زیارت کی ہے؟ میں نے عرض کیا، نہیں۔ انہوں نے فرمایا، آجکل وہ سخت بیمار ہیں، آپ ان کی زیارت کرلیں، اگر آپ زیارت نہ کرسکے تو افسوس کریں گے۔ آپ کی باتوں سے اشتیاق بڑھ گیا، اسی دوران کراچی میں مرحوم سیّد محمد شاہد، جناب شفیع اللہ کے داماد کا فون آیا کہ میری ہمشیرہ کا ایک مسئلہ ہے، وہ اسلام آباد رہتی ہے، وہ چاہتی ہے کہ آپ اسلام آباد تشریف لائیں اور مسئلہ میں نزاع کنندہ اور ہمارے درمیان فیصلہ کریں۔ میں نے کہا، اگر آپ ہوائی جہاز کے ٹکٹ کا انتظام کردیں تو میں اسلام آباد چلا جاؤں گا۔ چنانچہ شاہد صاحبؒ نے ہوائی جہاز کے ٹکٹ کا انتظام کیا، میں نے طیب ارشد صاحب کو پروگرام بتادیا کہ مجھے کوٹلی جانا ہے، وہ اسلام آباد ایئرپورٹ پہنچ گئے تھے۔ جب میں جہاز سے اتر کر ایئرپورٹ سے باہر آیا، انہوں نے گاڑی کر رکھی تھی۔ ہم سیدھا کوٹلی پہنچے۔ حضرت محمد صادق ان دنوں صاحبِ فراش تھے اور بے ہوشی اور استغراق کی حالت میں سوئے رہتے تھے۔ ملاقات پر پابندی تھی۔ لوگوں نے بتایا یہ کیفیت کئی کئی دن رہتی ہے پھر ختم ہوجاتی ہے۔ ان کے صاحبزادہ صاحب نے نہایت اچھی میزبانی فرمائی اور اخلاق سے پیش آئے۔ ایک رات قیام کے بعد صبح روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے مہربانی فرمائی کہ زیارت کرانے کے لیے گھر کے اندر لے گئے۔ پیر محمد صادق صاحبؒ چارپائی پر سیدھے استغراق کی کیفیت میں لیٹے ہوئے تھے۔ میں تھوڑی دیر قدموں کی جانب کھڑا رہا، پھر قدموں کا بوسہ لیا اور دعا کی پھر ہم باہر آگئے۔ آپ کے مریدین سے معلوم ہوا آپ کا معمول قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کرنا رہاہے۔ صبح فرض نماز صبح صادق ہوتے ہی سنتوں کے بعد شروع کردیتے اور طلوعِ آفتاب کے قریب سلام کہتے۔ طویل نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور عام حالات میں بھی قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتے تھے۔ جب آپ بیمار ہوجاتے تو پھر امام کو حکم ہوتا تھا کہ وہ اسی

طرح نماز پڑھائیں۔ زیارت کا شوق اور اتنا طویل سفر اس ارادہ سے کیا کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی زیارت کی وجہ سے مغفرت فرمادے۔ آمین

• وہاں سے ہمیں آپ کے صاحبزادہ صاحب نے رخصت کیا اور حسبِ روایت تحفے اور عجوہ کھجوریں اور کپڑوں کے سوٹ عنایت فرمائے۔ واپسی پر فون کے ذریعہ معلوم ہوا شاہد کی ہمشیرہ کا مسئلہ حل کرانے کی ضرورت نہیں رہی۔ میں اسلام آباد سے سیدھا کراچی واپس آگیا۔ اللہ تعالیٰ یہ سفر قبول فرمائے۔

دارالعلوم امجدیہ میں تدریس کا ذکر:

• میں نے ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۰ء کے رمضان شریف تک تقریباً پانچ سال دارالعلوم امجدیہ کراچی میں تدریس اور افتاء اور مسجد امجدی کی خطابت صرف چھ سو روپے ماہانہ اجرت پر خدمات انجام دیں۔ تین سو روپے تدریس اور ایک سو روپے افتاء اور دو سو روپے خطابت کی اجرت مقرر تھی۔ امجدیہ میں تدریس کے زمانہ میں ۱۹۷۹ء میں شادی ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا جس کا نام محمد سہیل رکھا۔ دارالعلوم امجدیہ میں شادی کے بعد مدرسہ کی جانب سے رہائش کے لیے فیملی مکان دو کمروں کے ساتھ دیا گیا مسجد امجدی کے سامنے جہاں آج کل شیخ الحدیث عبدالمصطفیٰ ازہریؒ اور مفتی وقارالدینؒ کے مزارات ہیں۔ عارضی بلاکوں اور چادروں کی چھت والے دو کمرے دیئے گئے۔ مدرسہ امجدیہ کی انتظامیہ میری تدریس اور کارکردگی پر نہایت مطمئن تھی اور ان کی جانب سے مجھے غائبانہ تعریف کرنے کی اطلاع ہوتی رہتی تھی۔ درس نظامی میں موقوف علیہ کے چھ اسباق بیضاوی شریف اور ملا حسن، قاضی مبارک اور حمد اللہ وغیرہما جیسے اسباق پڑھاتا تھا اور دورانِ تدریس وقفہ میں فتاویٰ بھی لکھ لیتا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد بھی بعض طلباء کو اپنی طرف سے اسباق پڑھایا کرتا تھا۔ ایک دن مدرسہ کی انتظامیہ کے بزرگ حضرات نے مجھے بلایا، فرمانے لگے، آپ ظہر کے بعد طلبہ کو

اسباق نہ پڑھایا کریں کیونکہ یہ طلباء کلاسوں کے اسباق میں گرامر وغیرہ کے سوالات سے دوسرے اساتذہ کو تنگ کرتے ہیں اور علمی اور قانونی سوالات کرتے ہیں، جن سے اساتذہ تنگ ہوتے ہیں۔ میں اس بات سے نہایت حیران ہوا کہ تحسین کی بجائے میری حوصلہ شکنی کی جارہی ہے۔ میں نے عرض کیا، سنا ہے دیوبندی مسلک کے مدارس نیو ٹاؤن وغیرہ میں وہ اساتذہ جو شام کو بھی اسباق پڑھاتے ہیں، ان کو دوگنا تنخواہ ملتی ہے جبکہ میں اپنے شوق سے بلا معاوضہ شام کو پڑھاتا ہوں اور صرف اور نحو کا اجراء کراتا ہوں مگر آپ اس سے بھی مجھے روک رہے ہیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ میں نے عرض کیا، میں تو ضرور پڑھاؤں گا۔ اس مسئلہ پر تو انتظامیہ نے خاموشی اختیار کرلی پھر فرمانے لگے کہ، کیا وجہ ہے کہ بعض طلباء اساتذہ کا صحیح احترام نہیں کرتے جبکہ آپ کا احترام کرتے ہیں۔ انتظامیہ کا سوء ظن تھا شاید میں طلباء کو دوسرے اساتذہ کا احترام نہ کرنے کا درس دیتا ہوں۔ میں نے ترجمان جناب حضرت محمد حسن حقانی رحمہ اللہ سے عرض کیا، میں نے کبھی کسی استاذ کی بدگوئی نہیں کی مگر میرے خیال میں احترام دو وجہ سے ہوتا ہے، علم اور عمل۔ ہمارا عمل تو یہ ہے کہ یہاں برملا طلباء کے سامنے مسند تدریس پر سگریٹ نوشی کی جاتی ہے، جماعت میں طلباء شرکت کرتے ہیں مگر ہم شرکت نہیں کرتے، ہم سوتے رہتے ہیں اور علم کا یہ حال ہے، جناب مفتی وقارالدین صاحب تشریف فرما ہیں اور گواہ ہیں، ایک استاذ نے کنز الدقائق پڑھاتے ہوئے ''النکاح عندالتوقان واجب'' کا ترجمہ کرایا کہ امام توقان کے نزدیک نکاح کرنا واجب ہے۔ کلاس میں غالباً مہربان ملتانی ایک طالب کچھ سمجھدار تھا، اس نے اپنے استاذ سے استفسار کیا، امام توقان تو ہم نے کبھی نہیں سنا، دیگر ائمہ کے نام سنتے رہتے ہیں۔ استاذ نے امام توقان کے متعلق فرمایا، وہ امام اعظم کے شاگرد تھے، ان کی ولادت فلاں سال اور وفات فلاں سال ہوئی۔

لڑکے خاموش تو ہو گئے مگر جب میرے پاس آئے تو میں نے عرض کیا، توقان کا معنی غلبۂ شہوت ہے یعنی غلبۂ شہوت کے وقت نکاح کرنا واجب ہوتا ہے۔ توقان نام کا کوئی امام نہیں ہے۔ یہ بات ناظم صاحب حضرت مفتی محمد وقارالدین کو بھی معلوم ہے۔ نیز ایک دن کچھ طالب علم مفتی صاحب کے پاس آئے کہ ہمارے استاذ صاحب اصول الشاشی کی عبارت کا ترجمہ نہیں کرا سکتے۔ حضرت مفتی وقارالدین صاحب نے موصوف کو بلایا اور ترجمہ کرنے کو کہا تو وہ واقعی ترجمہ نہ کر سکے لیکن فیصلہ یہ ہوا کہ جس طالب علم نے پڑھنا ہے وہ اصول الشاشی اسی استاذ سے پڑھے گا۔ میں نے انتظامیہ سے، جنہوں نے مجھے عتاب کے لیے بلایا تھا اور انہیں گمان تھا شاید میں پنجابی طالب علموں کو گمراہ کرتا ہوں، جب میں نے ان واقعات کی روشنی میں جواب دیا اور عرض کیا کہ احترام علم کراتا ہے یا عمل، اگر دونوں ہوں تو سونے پر سہاگہ مگر یہاں تو بعض اساتذہ نماز تک نہیں پڑھتے اور بعض اساتذہ کے علم کا یہ حال ہے تو طلباء کیوں احترام کریں!

- یہ مشکل تو میرے سر سے ٹل گئی مگر سال کے آخر میں میرے رشتہ دار طلباء جو مجھ سے شام کے وقت بھی اسباق پڑھتے تھے، امتحان میں انہوں نے اچھے نمبر لیے تھے، ان کو اگلے سال کے لیے داخلہ دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا، یہ لڑکے شرارتی ہیں اس لیے اگلے سال یہاں نہیں آئیں گے۔ میں سب اساتذہ اور طلباء کے سامنے کھڑا ہو گیا اور عرض کیا، حضرت یہ طلباء میرے رشتہ دار ہیں، ایک بھائی ہیں، دوسرے چچازاد بھائی ہیں اس لیے اگر ان کا داخلہ بند ہے تو مجھ سے بھی آپ استعفیٰ لے لیں۔ اس پر انتظامیہ نے اپنا فیصلہ واپس لیا۔
- دراصل اس زمانہ میں علماء میں پنجابی اور غیر پنجابی کی عصبیت زوروں پر تھی۔ جماعت اہل سنت پر خطیب اللہ وسایا اور شیر خان نیازی اور ملک احمد خان اور صوفی محمد خان نیازی قابض تھے۔ سیاست میں صوفی ایاز خان نیازی قبلہ نورانی

صاحب کے دست و بازو تھے۔ میرا نہ جماعت سے تعلق تھا اور نہ سیاست سے، میں صرف اپنے درس اور تدریس میں لگا رہتا تھا مگر غبار میرے اوپر نکالا جاتا تھا۔ اسی منظر میں خطیب پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اکاڑوی رحمہ اللہ نے پرانا گھاس منڈی قاری محمد نواز کی مسجد گلستان میں ایک جلسہ رکھ لیا اور اس میں پنجابی اور غیر پنجابی کے موضوع پر نہایت سخت تقریر کر ڈالی حالانکہ میں اس میں شریک نہیں ہوا تھا، اس تقریر نے جلتی آگ پر تیلی کا کام کیا۔ ۱۹۸۰ء رمضان المبارک کی ۲۳ تاریخ کو مجھے دار العلوم امجدیہ کی انتظامیہ سے خط ملا کہ آپ کی تدریس سے ہم مطمئن نہیں ہیں، آپ عید سے پہلے پہلے مکان چھوڑ کر مدرسہ سے چلے جائیں۔ میرے لیے یہ خبر بجلی بن کر گری اور نہایت صدمہ کا باعث بنی کیونکہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا ہوگا۔ چھوٹا سا بیٹا سہیل میری بیوی کی گود میں تھا، بچوں سمیت میں کہاں جاؤں گا۔ میرا امتحان شروع ہو گیا۔ میں نے شمس العلوم جامعہ رضویہ مولانا غلام محمد صاحب سے رابطہ کیا کہ مجھے مدرس رکھ لیں، انہوں نے معذرت کرلی۔ مولانا غلام نبی ناظم حامدیہ رضویہ سے گذارش کی، انہوں نے بھی معذرت کرلی۔ کرائے کا معان بھی میری اوقات میں نہیں تھا۔ روزانہ مولانا محمد حسن حقانی کی جانب سے مولانا غلام قمرالدین سیالوی تشریف لاتے اور پیغام دیتے، آپ جلدی مکان چھوڑ دیں اور یہاں سے چلے جائیں ورنہ پولیس کے ذریعہ ہم آپ کو نکال دیں گے۔ ایک دن خود حقانی صاحب سے بات ہوئی، میں نے عرض کیا، مجھے کہیں جگہ کی آفر نہیں آرہی، عید تک مہلت دے دیں۔ وہ کہنے لگے، آپ پنجاب چلے جائیں یہاں کراچی آپ کو جگہ نہیں ملے گی۔ میں نہایت پریشان تھا، آج وہ ساتھی جو صبح و شام قریب ہوتے تھے، اب بات بھی نہیں کرتے تھے۔ ایک دن مرحوم صاحبزادہ جمال الدین صاحب کاظمی کا فون آیا، آپ نے فرمایا، میرے مدرسہ میں آجائیں۔ میں وہاں

مدرسہ اور فیملی مکان دیکھنے گیا۔ انہوں نے فیملی رہائش کا مقبوضہ فلیٹ دکھایا، اس کی سیڑھی پر لوگوں کے بول براز کی بدبو برداشت نہیں ہوسکتی تھی۔ فلیٹ کے دروازے نہیں تھے کیونکہ یہ فلیٹ ناجائز قبضہ کے تھے۔ نیوی والوں کے لیے حکومت نے بنائے تھے، ابھی مکمل نہیں ہوئے تھے۔ پاکستان کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے لیاری کے جلسہ میں اعلان کر دیا تھا ان فلیٹوں پر قبضہ کرلو، یہ عوام کے لیے ہیں۔ اعلان کے بعد لوگوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ اس میں صاحبزادگان حضرت جمال الدین کاظمی اور معظم الدین صاحبان نے بھی کچھ فلیٹوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ نیز قمر العلوم مدرسہ کے ارد گرد مچھلی خشک کرنے کے کارخانے تھے جس کی وجہ سے مدرسہ اور ارد گرد کی گلیوں میں بدبو اور تعفن قابل برداشت نہیں تھا اور یہ حالت ابھی تک موجود ہے، لوگ عادی ہوگئے ہیں اس لیے انہیں محسوس نہیں ہوتا۔ میں نے صاحبزادہ صاحب سے معذرت کرلی، میں نے کہا میں اس بدبو میں نہیں رہ سکتا۔ انہوں نے مجھے ڈانٹنا شروع کر دیا اور خواجہ آباد شریف کے وقت کی تصویریں دکھائیں کہ اپنی سابقہ پست حالت دیکھو اور اب نخرے کرتے ہو۔ میں خاموش رہا۔ جب میں قمر العلوم مدرسہ سے واپس ٹیکسی میں بیٹھا میرے آنسو بہنے لگے۔ میں نے کہا، یااللہ! اب میں کہاں جاؤں۔ اس وقت دعا مانگی، یااللہ مجھے بدبودار جگہ سے پناہ عطا فرمانا۔ شاید وہ اجابت کا وقت تھا۔ امجدیہ انتظامیہ کی جانب سے روزانہ پولیس کے ذریعے عید سے پہلے مکان خالی کرانے کی دھمکیاں اور مکان کا نہ ملنا میرے لیے قیامتِ صغریٰ سے کم نہ تھا۔ اسی پریشانی کی حالت میں اچانک بلدیہ ٹاؤن سے جامع مسجد فردوس کی امامت اور خطابت کے لیے مرحوم صوفی محمد خان کا پیغام پہنچا۔ میں نے فوراً ہاں کر دی۔ انہوں نے میرا سامان اٹھانے کے لیے مؤذن جناب غلام محمد صاحب کے ساتھ ٹرک بھیج دیا، ٹرک پر سامان اٹھایا اور ہم میاں بیوی بیٹے سہیل کے ساتھ

ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے۔ مہاجر کیمپ سوات کالونی جامع مسجد فردوس کی امامت اور خطابت کے لیے حافظ عبدالمجید صاحب کے مکان پر اترے۔ مسجد کی انتظامیہ نے حافظ عبدالمجید سے شاید وہ مکان کرایہ پر لیا تھا۔ ۱۹۸۱ء وہ پہلا سال تھا جس میں خطابت کے ساتھ ساتھ میں مسجد فردوس میں امامت بھی کرتا رہا۔ اس سے پہلے تین سال لیّہ مدرسہ نعمانیہ میں تدریس کے دوران اور پانچ سال دارالعلوم امجدیہ کی تدریس کے دوران صرف جمعہ کی خطابت کرتا رہا۔ مسجد فردوس کی امامت کے بعد امامت کے لیے کسی مسجد میں آج تک تقرری کی کوشش نہیں کی۔ امامت کی ملازمت اختیار نہ کرنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ شاید میں امامت میں مقتدیوں کا بوجھ اور کمیٹی اور عوام کی تنقید برداشت نہیں کر سکوں گا۔ لیکن ۱۹۸۱ء میں تنگدستی اور حالات کے جبر نے امامت کی ملازمت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یار بھی بے گانہ ہو گئے تھے۔ مجھے فردوس مسجد کی خطابت اور امامت کی تنخواہ صرف سات سو روپے قبول کرنا پڑی۔

- بلدیہ ٹاؤن میں امامت کے دوران روس کے افغانستان پر حملہ کی وجہ سے کچھ افغانی لوگ ہجرت کر کے بلدیہ ٹاؤن بھی آ گئے تھے اور میری اقتداء میں نماز پڑھا کرتے تھے، ان میں سے ایک صاحب جب خطاب میں سرورِ دوعالم ﷺ کا نام سنتے ان کے آنسو جاری ہو جاتے اور بے ساختہ ان کی چیخ نکل جاتی۔ لوگ حیران ہوتے، لگتا تھا وہ عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان نے مجھے اپنا خواب سنایا کہ آج مجھے سرورِ دوعالم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ کہنے لگا، آپ ﷺ آپ کی شکل میں مسجد کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ اس خواب پر مجھے بہت خوشی ہوئی شاید میرے غموں کو کم کرنے کے لیے میری شکل میں آپ ﷺ نے اس نوجوان کو زیارت کرائی۔

اویس کی ولادت اور امتحان:

• مہاجر کیمپ کی امامت اور خطابت کے وقت میری رہائش مسجد کے قریب حافظ عبدالمجید کے مکان پر تھی۔ مکان بالکل سادہ تھا، پینے کا پانی مٹی کے مٹکوں میں بھر لیتے تھے۔ میرا بیٹا سہیل روزانہ قلم وغیرہ یا مٹی کے روڑے اٹھا کر مٹکے میں ڈال دیتا تھا، یہ اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ ہمیں بار بار مٹکا صاف کرنا پڑتا تھا۔ میرے ساتھ بہنوئی جناب اعزاز احمد اور ہمشیرہ بھی رہنے لگی تھیں۔ اسی دوران مجھے غالباً -/500 پر حامدیہ رضویہ میں تدریس بھی مل گئی تھی۔ روانہ X-3 ویگن یا کسی دوسری ویگن پر بکرا پڑی مدرسہ جانا ہوتا تھا۔ سوات کالونی مہاجر کیمپ کے اسٹاپ سے سوار ہو کر لیاری ندی کے کنارے اتر کر پیدل مدرسہ پہنچنا ہوتا تھا۔ واپسی پر جب سوات کالونی کے اسٹاپ پر اترتا، بھانجا محمد سعید حسنی سہیل بیٹے کو اٹھا کر اسٹاپ پر کھڑا ہوتا تھا۔ میں سہیل کو اٹھا لیتا تھا، پیار کرتے اور بوسے لیتے گھر پہنچتا۔ گھر والی استقبال کرتی۔ ابھی سہیل ایک سال کا ہوگا کیونکہ سہیل ۲۹ فروری ۱۹۸۰ء میں پیدا ہوا تھا اور اویس اپریل ۱۹۸۱ء میں پیدا ہوا یعنی چودہ ماہ کا فرق تھا۔ بیٹا اویس نویں مہینے سے چودہ دن پہلے پیدا ہو گیا، اویس پیدا ہوتے ہی پیلیا اور یرقان کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ نہایت ابتلاء کا دور شروع ہو گیا۔ پیسوں کی تنگی سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ ہم نے پہلے ہفتہ میں ہی اویس کو اٹھایا، ہولی فیملی ہسپتال لے گئے۔ انہوں نے بچے کی طبیعت زیادہ سیریس دیکھ کر داخلہ دینے سے انکار کر دیا۔ پھر بقائی ہسپتال لے گئے، انہوں نے بھی انکار کر دیا پھر عباسی ہسپتال لے گئے، وہاں ایک ڈاکٹر بھائی اعزاز احمد کا واقف تھا، انہوں نے داخل کر لیا، انہوں نے فوراً علاج شروع کر دیا۔ اویس کو الیکٹرک جھولے میں رکھ دیا گیا۔ بجلی کی ٹوپ کی لیزر شعاؤں سے پیلیے کا علاج پندرہ دن چلتا رہا۔ اس دوران سہیل کا خیال میری ہمشیرہ کرتی تھیں کیونکہ سہیل کی ماں ہسپتال میں ہوتی تھی۔

میں صبح شام کھانا وغیرہ لے کر ہسپتال پہنچاتا تھا۔ مسجد میں نمازوں اور مدرسہ میں ملازمت اور بیمار بچے کے لیے بسوں میں آنے اور جانے کی پریشانی کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے ایسی پریشانیاں اٹھائی ہوں۔ پھر ہم ہسپتال سے زبردستی چھٹی لے کر گھر پہنچے، چند دنوں کے بعد اویس کو جلاب اور موشن شروع ہو گئے، جسم میں پانی کی کمی سے اویس کے سر کا اگلا حصہ بیٹھ گیا تھا۔ اس پریشانی میں دوبارہ ہسپتالوں میں جانے کا ارادہ کیا، ٹیکسی تک کا کرایہ بھی نہیں تھا، دلشاد ہمشیرہ نے دس روپے کرایہ دیا اور صوفی محمد خان نے مسجد کی تنخواہ سے ایڈوانس ایک ہزار روپے دیئے اور فرمایا ہم تھوڑا تھوڑا کاٹتے رہیں گے اور فوراً ہسپتال لے جانے کا مشورہ دیا۔ ہم نے اویس کو اٹھایا، ہولی فیملی ہسپتال پہنچے، انہوں نے بچے کی حالت دیکھ کر داخلہ نہ دیا پھر لیاقت نیشنل ہسپتال پہنچے وہاں ڈاکٹر عبدالقدیر نے بچے کو داخل کر لیا اور فوراً گلوکوز کی ڈرپ لگا دی۔ الحمد للہ پانی کی کمی پوری ہو گئی۔ غالباً ایک ہفتہ ہسپتال میں رہے۔ عموماً رات کو امِ سہیل بچے کے ساتھ ہوتی تھی اور میں ہسپتال کے گراؤنڈ میں رکھے بنچوں پر سو جاتا تھا۔ کچھ افاقہ ہوا، گھر لوٹ گئے پھر موشن شروع ہو گئے پھر ہسپتال پہنچے یہ سلسلہ مسلسل کئی ماہ جاری رہا۔ اسی دوران کسی آدمی نے مشورہ دیا جلابوں کا علاج یونانی حکیم سے کرائیں۔ چنانچہ عائشہ منزل ابن سینا ہسپتال پہنچے۔ حکیم صاحب نے چند جڑی بوٹیوں کی پڑیاں بنا کر دیں، پڑیوں کو ابال کر پانی چھان کر اویس کو پلاتے تھے۔ الحمد للہ! اس علاج سے جلاب رک گئے۔ الحمد للہ! آج اویس شادی شدہ ہے اور بچوں کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہے۔

گلزارِ حبیب جانے کا واقعہ:

• ۱۹۸۱ء میں خطیبِ پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اکاڑویؒ کے اپنی بنائی گئی جامع مسجد گلزارِ حبیب سولجر بازار کے سلسلہ میں حالات خراب ہو گئے۔ اہلِ

محلہ حتیٰ کہ گلزارِ حبیب مسجد کے امام سید عبدالمطلب شاہؒ اور کمیٹی کے جنرل سیکرٹری نور خان قبلہ اوکاڑوی صاحب کے مخالف ہو گئے تھے۔ شاید مخالفین کی پشت پر دیوبندی انہیں پُش کر رہے تھے۔ حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑویؒ کے خلاف تقریباً آٹھ مقدمات عدالت میں دائر کر دیئے گئے تھے اور دھمکیوں سے حالات اس طرح خراب ہو گئے تھے کہ حضرت مولانا اوکاڑوی صاحبؒ پولیس کی نگرانی میں صرف جمعہ پڑھانے آتے تھے پھر واپس چلے جاتے تھے اور اسی دن عصر کی نماز کے بعد اہل محلہ اور نماز پڑھنے والے لوگوں کو سید عبدالمطلب شاہ مولانا اوکاڑوی کے خلاف درس دیتے تھے اور ان کی باتوں کا جواب دیتے تھے۔ مسجد زیر تعمیر تھی، مسجد کے سامنے لوگوں کے مکانات مسجد کی زمین پر قائم تھے۔ ان مکانوں میں سے ایک مکان میں پنجاب ہوٹل والے جناب غلام محمد صاحبؒ مرحوم مسجد کمیٹی کے سیکرٹری بھی قیام پذیر تھے۔ اس وقت مرحوم مولانا محمد رمضان شیخ الحدیث حنفیہ غوثیہ طارق روڈ جماعت اہلسنت کراچی کے صدر تھے اور مرحوم مولانا خطیب اللہ وسایا اور مرحوم جناب شیر خان نیازی اور ملک احمد خان ستارہ ہلال گڈز والے اور قاری محمد نواز گلستان مسجد کے خطیب کا جماعت اہل سنت پر قبضہ تھا۔ یہ لوگ ضلع میانوالی کے رہنے والے تھے اور کراچی میں حضرت خطیب پاکستان کے جلسوں کی سیکورٹی کے لیے ہمیشہ تعاون کرتے آرہے تھے۔ کراچی میں جہاں بھی جلسہ میں مخالفین کی جانب سے فساد اور تخریب کاری کا اندیشہ ہوتا، وہاں میانوالی کے لوگ بیسیوں ٹرک مسلح لوگوں سے بھر کر لے آتے اور جلسہ میں شریک لوگوں اور اوکاڑوی صاحب کی حفاظت کرتے۔ حضرت مولانا اوکاڑوی صاحب نے خطیب اللہ وسایا صاحب اور شیر خان نیازی کو اپنے مکان پر بلایا اور فرمایا، میرے ساتھ گلزار حبیب مسجد کے سلسلے میں آپ لوگ تعاون کریں ورنہ مسجد پر دوسرے مسلک کے لوگوں کا قبضہ

ہو جائے گا۔ خطیب اللہ وسایاؒ اور شیر خان نیازیؒ نے جواب دیا، ہم ایک شرط پر تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں کہ آپ ہمیں ٹرسٹ کا رکن بنا دیں اور مدرسہ ہمارے سپرد کر دیں اور وعدہ کریں آپ مدرسہ میں مداخلت نہیں کریں گے۔ بار بار مذاکرات کے بعد طے ہوا کہ ٹھیک ہے۔ خطیب اللہ وسایاؒ اور شیر خان نیازیؒ نے مجھے بلایا اور کہا، ہمیں تو مدرسہ کی ضرورت نہیں ہے۔ خطیب اللہ وسایا نے کہا، میرا اپنا مدرسہ فیض نبوی موجود ہے۔ شیر خان نیازیؒ ٹرانسپورٹر ہیں۔ ملک احمد خان بھی ستارہ ہلال گڈز کے مالک ہیں لہٰذا آپ ہی کو مدرسہ کی ضرورت ہے، آپ ہمارے ساتھ اوکاڑوی صاحب کے پاس چلیں، حسبِ معاہدہ آج ہمیں گلزارِ حبیب ٹرسٹ کا رکن بنایا جائے گا، اس کے بعد آپ کام شروع کر دیں، ہم آپ کے ساتھ تعاون کریں گے۔ میں نے ہاں کر دی۔ ہم مولانا اوکاڑویؒ کے گھر پہنچے، آپ نے دیگر ٹرسٹیوں کو بلا لیا تھا، جن میں میاں جمشید پگانوالا، غلام محمد پنجاب ہوٹل والے، محمد اسماعیل جبلپوری، چوہدری علی محمد، فضل الٰہی وغیرہم ان کے سامنے گلزارِ حبیب ٹرسٹ کے الگ الگ لیٹر ہیڈ پر ہر ایک کے لیے ٹرسٹ کا رکن نامزد کرنے کی تحریر لکھی گئی اور دستخط کیے گئے۔ آنے والے جمعہ کے اجتماع میں میں خود گلزارِ حبیب میں شریک تھا۔ مولانا اوکاڑوی صاحب نے دھواں دار تقریر فرمائی۔ فرمایا، اب پتہ چلے گا میانوالی کے لوگ آ گئے، ہم نے ان کو ٹرسٹ کا رکن بنا لیا ہے۔ جمعہ کی نماز کے بعد اوکاڑوی صاحبؒ نے مجھے دس ہزار روپے دیئے اور فرمایا کہ آپ مسجد کے صحن کے جنوب میں خالی جگہ پر دو کمروں کا مکان بنوانا شروع کر دیں۔ چونکہ میرے ساتھی خطیب اللہ وسایا صاحب اور شیر خان نیازی اور ملک احمد خان صاحب نے مدرسہ کا انتظام اور اہتمام میری ذمہ داری ٹھہرائی تھی، اس لیے وہ لوگ کہنے لگے ہم بوقت ضرورت آپ کا ساتھ دیں گے، آپ ہی مدرسہ گلزارِ حبیب کے ناظم اور مہتمم ہیں۔ میں نے خوف و خطرہ کی

حالت میں مکان بنوانا شروع کر دیا۔ مجھے بھی اہلِ محلہ سے مخالفین کی دھمکیاں شروع ہو گئیں مگر میں نے کام جاری رکھا۔ ایک دن صبح صبح ہمارے مخلص دوست مولانا محمد افضل امام و خطیب طٰہٰ مسجد رنچھوڑ لائن بلدیہ ٹاؤن میں میرے پاس پہنچے اور کہنے لگے، مجھے اطلاع ملی ہے نور خان نے پنجاب سے دو سو (200) آدمی بلا لیے ہیں، وہ آپ کے تعمیر شدہ مکان کو گرادیں گے اور آپ کی جان کو بھی خطرہ ہے، آپ گلزار حبیب مت جائیں۔ میں اس اطلاع سے نہایت خوفزدہ ہو گیا، میں اپنے ساتھی خطیب اللہ وسایا کے پاس فیض نبوی مدرسہ میں پہنچا، اسے حالات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے تسلی دی اور فرمایا، سب جھوٹ ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو بھی مخالفین کا مقابلہ کرنے اور مروانے کے لیے دو سو آدمی نہیں ملے تھے حالانکہ وہ وزیر اعظم تھے، نور خان انڈے فروش کو دو سو آدمی کیسے مل سکتے ہیں۔ انہوں نے حوصلہ بڑھایا۔ میں نے گلزارِ حبیب جانا بند نہ کیا۔ جب بلاک اور چادوں کی چھت کے ساتھ کمرے تیار ہو گئے، میں ڈرتے ڈرتے رات کی تاریکی میں اپنی بیوی اور بچوں کو گلزارِ حبیب لے آیا۔ ہم تیار شدہ کمروں میں داخل ہو گئے۔ اب بلدیہ کی بجائے گلزارِ حبیب سے حامدیہ رضویہ پڑھانے جانا ہوتا تھا اور فوراً واپس آجاتا تھا۔ چند دنوں کے بعد گلزارِ حبیب مدرسہ میں طلباء کو بلالیا، گلزارِ حبیب میں اسباق شروع کرادیئے۔ لکڑی سے آگ کے چولھے پر سالن اور روٹی تیار ہوتی تھی۔ کچھ دن گزرے تو قبلہ اوکاڑوی صاحب نے فرمایا، آج آپ لوگوں نے امام صاحب سید عبد المطلب شاہ سے امامت چھین لینی ہے اور امامت پر قبضہ کرنا ہے۔ سب سے بڑا فتنہ یہی ہے۔ کچھ دیوبندی اور جماعتِ اسلامی کے نوجوان لڑکے اس کو ہمارے خلاف بھڑکاتے رہتے ہیں اور محلہ میں جاکر ہمارے خلاف میٹنگیں کرتے ہیں۔ اگر لڑائی ہوئی تو پولیس کا انتظام میں کروں گا، آپ لوگ قبضہ لے لیں۔

ہماری پہلی جماعت گلزارِ حبیب میں:

• عشاء کی نماز ہمارے امام قاری انور صاحب پڑھائیں گے۔ ہم نے سب طلباء کو کہہ دیا کہ آپ لوگوں نے عشاء کے وقت حاضر رہنا ہے اور فردوس مسجد بلدیہ ٹاؤن کے مؤذن حافظ غلام محمد صاحب اور بعض معاونین کو بلا لیا۔ عشاء کی اقامت کے وقت امامت کے مصلے پر حافظ غلام محمد کو بیٹھ جانے کا کہہ دیا۔ چنانچہ جب اقامت ہوئی، سید عبدالمطلب شاہ سابق امام مصلے پر جانے لگے تو اس سے پہلے حافظ غلام محمد صاحب مصلے پر بیٹھ گئے تھے۔ اہلِ محلہ نے کہا، ہمارا امام نماز پڑھائے گا، اس میں پیش پیش جماعتِ اسلامی کے دو تین لڑکے تھے۔ ہمارے طلباء نے کہا، نہیں ہمارا امام نماز پڑھائے گا۔ تکرار کے دوران کسی آدمی نے ہمارے امام غلام محمد کی پگڑی کو کھینچا تو پگڑی گر گئی۔ حافظ غلام محمد صاحب جو کہ نہایت قوی جسم اور قد و قامت کے آدمی تھے، انہوں نے جیب سے چھرا نکال لیا اور مخالفوں کو للکارا کہ جو شخص مزاحمت کرے گا ہم اس کو نہیں چھوڑیں گے، ہم میانوالی کے لوگ ہیں۔ چنانچہ سیّد عبدالمطلب شاہ اور ان کے لوگ بھاگ کر باہر مسجد کے صحن میں چلے گئے۔ کچھ لوگوں کو دھکے اور مکے بھی لگے، وہ گھر بھاگ گئے۔ بڑے بڑے طلباء کی کافی تعداد تھی، مسجد کے مصلے پر ہمارے امام نے نماز پڑھائی اور اہلِ محلہ نے باہر کے صحن میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حافظ غلام محمد نے امام صاحب کو جا کر کہا کہ آپ کو تین دن تک یہاں رہنے کی اجازت ہے، تین دنوں میں آپ اپنی فیملی اور سامان مسجد کے مکان سے نکال لیں ورنہ ہم میانوالی والے لوگ تو آدمیوں کو اٹھا کر گم کر دیتے ہیں۔ سیّد عبدالمطلب شاہ دوسرے دن رات کو اپنی اہلیہ اور بچیوں کو نکال کر چلا گیا۔ جب بچیاں جا رہی تھیں، انہوں نے سر پر قرآن مجید رکھے ہوئے تھے، وہ نہایت خوفزدہ تھیں۔ اگرچہ دھمکیوں میں میرا دخل نہیں تھا لیکن میری وجہ سے سب کچھ ہو رہا تھا جس

کی سزا مجھے اٹھانا پڑی جو کہ آئندہ بیان کروں گا۔ مجھے ہر وقت اس کا احساس رہتا تھا، میں نے ارادہ کیا ہوا تھا کہ شاہ صاحب سے ان کے گھر جا کر معافی مانگوں گا مگر مجھ سے نہ ہو سکا اور وہ فوت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

• جب اوکاڑوی صاحب کو علم ہوا بہت خوش ہوئے اور جمعہ کے اجتماع سے خطاب میں فرمایا لوگو، ہم لوگوں کو ہر مسجد میں مدرسہ کھولنا چاہیے اگر دس طالب علم بھی مدرسہ میں ہوں گے تو مسجد پر اغیار قبضہ نہیں کر سکیں گے۔ میری تعریف فرماتے ہوئے کہا، ہم نے مدرسہ مفتی صاحب کو دے دیا ہے، آپ نہایت فاضل عالم ہیں۔ ان شاء اللہ اب ہماری مسجد پر کوئی شخص قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔

میرے خلاف سازش:

• الحمدللہ! گلزارِ حبیب مدرسہ میں دورہ حدیث تک آٹھوں درجات میں درس نظامی کے سینکڑوں طلباء زیر تعلیم رہنے لگے۔ ہمیں خطیبِ پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کی سرپرستی حاصل تھی۔ آپ جمعہ کے خطاب میں بارہا مدرسہ کے انتظام کی تحسین فرماتے تھے اور فرماتے تھے مساجد کے تحفظ کے لیے ہر سنی مسجد میں مدرسہ ہونا چاہیے۔ مدرسہ کے فنڈ کے لیے بوقت ضرورت اعلان فرماتے تھے، جب بھی فنڈ کی کمی ہوتی میں عرض کرتا، فوراً اعلان فرماتے کہ مفتی صاحب بتا رہے ہیں مدرسہ کے لیے فنڈ نہیں ہے۔ بس اعلان کرنے کی دیر ہوتی پیسوں کی بارش ہو جاتی تھی۔ جب میرے ساتھی ٹرسٹ کے اراکین خطیب اللہ وسایا اور شیر خان نیازی اور ملک احمد خان کو مدرسہ کی آمدنی اور رونق کا علم ہوا، انہوں نے میرے اور حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کے علم کے بغیر گلزارِ حبیب مسجد میں میٹنگ بلا لی۔ میٹنگ میں چند فیصلوں کے بعد مجھے بلا لیا۔ میں حیران اور پریشان ہو گیا کہ کام تو صرف میں کر رہا تھا، ان لوگوں نے کبھی پوچھا نہ تھا۔

خطیب اللہ وسایا صاحبؒ سیاسی منصوبہ ساز تھے، باقی لوگ کاروباری تھے۔ میٹنگ میں شیخ الحدیث مولانا محمد رمضان صاحبؒ اور قاری محمد نواز گلستان مسجد والوں کو بھی خطیب صاحب نے بلالیا تھا۔ خطیب صاحب کی پلاننگ کے مطابق مجھے گلزارِ حبیب مدرسہ کا صرف مدرس رکھا گیا، شیخ الحدیث مولانا محمد رمضان کو مدرسہ کا شیخ الحدیث اور قاری نوازؒ کو شعبہ حفظ و تجوید کا نگران رکھا گیا۔ غالباً خطیب صاحب مدرسہ کے مہتمم اور شیر خان نیازی صدر مقرر ہوئے اور بینک اکاؤنٹ کے لیے چیک پر خطیب صاحب اور ایک دوسرے آدمی کے دستخط ضروری قرار دیئے گئے۔ یہ سب کارروائی رجسٹر پر تحریر کردی گئی اور اپنے لوگوں کے لیے بڑی بڑی تنخواہیں طے کرلی گئیں۔ میرے ذمہ صرف تدریس اور رقم جمع کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس وقت اگرچہ بار بار ٹارچر ہونے کی وجہ سے میری حالت ایک خوفزدہ مجبور و مظلوم انسان جیسی تھی اور ان لوگوں کے سامنے بولنے کی جرأت نہیں تھی مگر ہمت پکڑتے ہوئے میں نے عرض کیا کہ جناب کسی مدرسہ میں یہ طریقہ اور نظام نہیں ہے کہ مدرسہ کو چلانے اور فنڈ جمع کرنے اور چوبیس گھنٹے ڈیوٹی دینے والا آدمی صرف تنخواہ پر کام کرے حتی کہ چیک پر بھی اس کے دستخط نہ ہوں اور وہ لوگ جو گھروں اور اپنے کاروبار میں مصروف ہوں اور مدرسہ کو ٹائم بھی نہ دے سکیں مدرسہ کے فنڈ اور داخلہ اور خارجہ کے امور ان کے سپرد ہوں اور جو مدرسہ کے سارے کام کرے اس کے کوئی اختیارات نہ ہوں۔ میں نے خطیب صاحب سے عرض کیا، آپ کا اپنا مدرسہ فیض نبوی موجود ہے، اس میں کیا ایسا نظام ہے؟ لہٰذا میں آپ لوگوں کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔ باہم تلخ کلامی ہوئی، مذاکرات کے بعد وہ چلے گئے۔ میں حضرت مولانا اوکاڑویؒ صاحب کے پاس حاضر ہوا۔ میں نے میٹنگ کی کارروائی بتائی تو حضرت اوکاڑوی صاحب سخت غصے میں کہنے لگے، مفتی صاحب! مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے،

میں انہیں لکھ رہا ہوں جاری شدہ ٹرسٹ کی رکنیت کے لیٹر واپس کر دیں اور استعفیٰ دے دیں۔ آپ مدرسہ کو سنبھالیں اور آپ مدرسہ کا الگ ٹرسٹ بھی بنالیں، میں آپ کی مدد کروں گا۔ جب حضرت اوکاڑوی صاحب کا انہیں خط ملا وہ پھر جمع ہو گئے اور خطیب اللہ وسایا اور شیر خان اور دوسرے افراد نے دوبارہ مجھے بلایا اور کہنے لگے، آپ ہمارے ساتھ حضرت اوکاڑوی صاحب کے پاس چلیں وہاں باتیں ہوں گی۔ میں نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ وہ حضرات اوکاڑوی صاحب کے پاس گئے تو حضرت اوکاڑوی صاحب سے مایوس ہو کر گھروں کو چلے گئے۔ الحمدللہ! مدرسہ نہایت کامیابی سے چلتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ لوگ بھی راضی ہو گئے اور آنا جانا شروع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امتحان میں کامیابی عطا فرمائی۔

والد صاحب کی وفات کا ذکر:

• بروز جمعہ ۹ ستمبر ۱۹۸۳ء / یکم ذی الحج ۱۴۰۳ھ میرے والد صاحب فوت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چند دن پہلے میں گھر گیا ہوا تھا۔ بیوی اور بچوں کو کروڑ لعل عیسن چھوڑ آیا تھا۔ قبلہ والد صاحب کروڑ تشریف لائے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا، میں واپس کراچی جا رہا ہوں، حافظ آباد جانے کے لیے وقت نہیں ہے، آپ میرے بچوں کو گھر لے جانا۔ چنانچہ حسب وعدہ قبلہ والد صاحب رحمہ اللہ سامٹیہ اسٹیشن پر اونٹ کجاوہ لے کر پہنچے اور میری بیوی، سہیل اور اویس اور سلمیٰ بیٹی کے ہمراہ ریل کے ذریعہ کروڑ لعل عیسن سے سامٹیہ اترے۔ قبلہ والد صاحب انتظار میں تھے، گھر کے لیے روانہ ہوئے تو بچوں کے ساتھ انتہائی محبت کی وجہ سے اکثر سہیل کو خود اٹھا لیتے تھے۔ باقی بچوں کو سوار کر کے ساربان کے ہمراہ پیدل دین پور پہنچے۔ قبلہ والد صاحب نے فرمایا، نمازِ جمعہ کا وقت ہونے والا ہے، جناب سلطان مجوٹھہ جو کہ میرے برادر نسبتی محمد اسحاق کے سسر ہیں،

کے گھر کچھ دیر سستاتے ہیں اور جمعہ کی نماز کے لیے رکتے ہیں۔ جمعہ کی نماز پڑھ کر حافظ آباد کے لیے چلیں گے۔ آپ نے بچوں کو سلطان مجوٹھہ کے گھر بھیج دیا، آپ گھر سے باہر درخت کے سایہ میں چارپائی پر لیٹے اور سلطان مجوٹھہ نے کہا، میں میٹھا پانی لاتا ہوں۔ جب سلطان میٹھا پانی لایا تو والد صاحب دار فانی سے دار بقاء جاچکے تھے۔ لگتا ہے آپ کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وصال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ہمارے گاؤں حافظ آباد خبر پہنچی کہرام مچ گیا، کراچی اطلاع دینے کے لیے ایک آدمی کو سواگ شریف بھیجا کیونکہ فون کی سہولت سوہاگ شریف ہی میسر تھی۔ گلزارِ حبیب میں ابھی تک فون نہیں لگا تھا، اس لیے اطلاع مدرسہ شمس العلوم دی گئی۔ ہمیں کراچی میں نمازِ مغرب کے بعد شمس العلوم سے صرف اتنی اطلاع کسی دوست کے ذریعے ملی کہ سوہاگ شریف سے آپ کے لیے فون آیا ہے کہ آپ کے والد صاحب فوت ہوگئے ہیں۔ انہوں نے کہا، سواگ شریف سے فون آیا تھا، تفصیل جاننے کے لیے میں نے شمس العلوم آدمی بھیجا تاکہ سواگ شریف فون کرکے تفصیل معلوم کرسکے۔ ہمارے مدرسہ میں اس وقت فون کی سہولت میسر نہیں تھی مگر مجھے اس وقت نہایت افسوس ہوا کہ شمس العلوم والوں نے فون ملاکر تفصیل معلوم کرانے سے انکار کردیا۔ شاید اس لیے کہ انہی ایام میں مہتمم صاحب نے کچھ طلباء کو نکال دیا تھا اور ہم نے اپنے مدرسہ گلزارِ حبیب میں انہیں داخلہ دے دیا تھا، اس وجہ سے شمس العلوم کے مہتمم ناراض تھے۔ بہر حال دوسرے ذرائع سے تفصیل معلوم کرلی گئی، ہمیں یقین نہیں آرہا تھا کہ قبلہ والد صاحب کا وصال ہوگیا ہوگا کیونکہ چند دن پہلے ملاقات ہوئی تھی، آپ بالکل ٹھیک خیریت سے تھے۔ جب خبر کے صادق ہونے کا یقین ہوگیا، میں نے سب کی اپنے پیسوں سے ملتان کے لیے ہوائی جہاز کی ٹکٹیں بک کرائیں۔ بھائی محمد شریف اور ہمشیرہ دلشاد اور اس کی دو بیٹیاں

نزہت اور رفعت ہمارے ساتھ تھے۔ صبح ہفتہ کے دن ساڑھے آٹھ بجے ملتان ایئرپورٹ پر اترے، اسپیشل کار کے ذریعے پیر محمد حسن بخاری کے قبرستان پہنچ گئے۔ جب قبرستان پہنچے تو چچا احمد بخش اور دوسرے لوگ والد صاحب کی قبر تیار کر رہے تھے۔ میں نے قبر کی گہرائی اور لمبائی کو دیکھا، چچا احمد بخش قبر میں اتر کر قبر میں لیٹے، معلوم ہوا قبر کی گہرائی اور لمبائی صحیح ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد حافظ آباد سے قبلہ والد صاحب کی میت پہنچ گئی۔ ان ایام میں میت کو چارپائی پر دو آدمی اٹھاتے تھے، ایک آگے اور دوسرا چارپائی کے پیچھے، باری باری اٹھا کر قبرستان لاتے تھے۔ ان دنوں دیہاتوں اور شہروں کے درمیان روڈ نہیں تھے اور گاڑی کے ذریعہ میت اٹھانے کا تصور ناممکن تھا۔ بیس کلومیٹر سے لوگ قبلہ والد صاحب کی میت لے کر تقریباً نو دس بجے پہنچے۔ کراچی سے پہنچنے والوں کو دیکھ کر انہیں سخت تعجب ہوا۔ ان کا خیال تھا ٹرین کے ذریعہ تدفین کے بعد دوسرے دن پہنچیں گے۔ میں نے شافعی مذہب کے مطابق بیٹے اور ولی ہونے کے تصور کے بغیر دوبارہ نماز پڑھائی کیونکہ پہلے جنازے میں بھائی غلام حسین شریک ہو چکے تھے۔ ہمشیرہ اور میں نے چہرہ کی زیارت اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کی۔ بھائی حنیف گاؤں بالا ضلع میانوالی حافظ ابراہیم کے پاس پڑھتے تھے، انہیں دیر سے اطلاع ملی تھی۔ وہ اس وقت پہنچے جب والد صاحب کو قبر میں اتارا جا چکا تھا۔ بھائی کہتے ہیں، میں نے قبر میں اتر کر والد صاحب کی زیارت کی تھی۔ تدفین کی تکمیل کے بعد ہم حافظ آباد کے لیے روانہ ہو گئے۔ رواج کے مطابق میت اٹھانے والے تیس چالیس لوگوں اور تعزیت کرنے والے لوگوں کا کھانا اور چائے میت کے وارثوں کے ذمہ ہوتی تھی۔ ہم نے سب لوگوں کو کھانا کھلایا پھر تیسرے دن سوئم کی رسم ہوئی۔ قبلہ والد صاحب کی تعزیت کے لیے برادری کے لوگوں کے علاوہ سینکڑوں وسیب اور علاقہ کے لوگ اور دور دراز رہنے والے

دوست اور احباب سب قل خوانی کی تقریب میں شریک ہوئے، سب کے لیے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ میں نے سوئم کی مجلس میں خطاب کیا اور دورانِ خطاب میں نے کہا، اگرچہ ہم نے برادری میں رائج رسم کی وجہ سے قھاریوں (میت اٹھانے والوں) اور تعزیت کے لیے آنے والے دیگر لوگوں کے لیے پہلے اور آج سوئم میں آنے والے لوگوں کے لیے کھانے کا انتظام کیا ہے مگر حدیث شریف میں ارشاد مبارک ہے کہ صاحبِ مصیبت کے گھر تین دن تک چولھا نہیں جلنا چاہیے، میت کے امیر اور غریب وارثوں پر ایک میت کا صدمہ اور دوسرا لوگوں کے کھانے اور اس کے انتظام کی مشقت ڈالنا جائز نہیں ہے لہٰذا ورثاء کے علاوہ دوسرے رشتہ دار یا دوست صاحبِ مصیبت اور ان کے گھر کے افراد اور مہمانوں کے کھانے کا تین دن تک اہتمام کریں۔ اگر سوئم کریں تو سوئم کا کھانا بھی دوسرے لوگ برداشت کریں۔ آئندہ ہماری برادری کے کسی آدمی کی وفات پر اگر اس کے قریبی رشتہ داروں نے کھانے کا انتظام نہ کیا تو اس کا انتظام ہم کریں گے۔ اس اعلان پر برادری کے بعض بزرگ لوگوں نے میرے متعلق کہا، یہ نظام تو ہمارے آباء اور اجداد سے چلا آرہا ہے، نئے مولوی نے نیا اعلان کر دیا ہے۔ بہر حال چیں بچیں ہوتی رہی مگر الحمد للہ اس دن سے یہ رسم ختم ہو گئی بلکہ سوئم کا شادی جیسا کھانا دو تین ڈشیں بنوانے کا رواج بھی ختم ہو گیا۔ اب کراچی میں سوئم کے دن میت کے عزیز اور اقارب چائے پانی کا انتظام کرتے ہیں اور حافظ آباد گاؤں میں بھی دوسرے رشتہ داروں کی اجازت سے معمولی کھانے کا کبھی کبھی انتظام ہوتا ہے۔ اب میت کو قبرستان لے جانے کے لیے گاڑیوں کا رواج ہو گیا ہے کیونکہ روڈ بنا دیئے گئے ہیں۔ قبلہ والد صاحبؒ کی وفات کے بعد سیدہ والدہ صاحبہ نے گھر میں عدت پوری کرلی، پھر عدت کے بعد کراچی ہمارے پاس تشریف لے آئیں۔ قبلہ والد صاحب نے اپنے وارثوں میں چار بیٹے محمد

رفیق، غلام حسین، محمد شریف اور محمد حنیف اور پانچ بیٹیاں صابرہ بی بی، آمنہ بی بی، جارہ بی بی، عائشہ بی بی اور دلشاد بی بی غمزدہ چھوڑے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ قبلہ والد صاحب کی وفات کے بعد تمام مراسم ادا کر کے میں دوبارہ کراچی پہنچا۔ کراچی میں علماء و مشائخ تعزیت اور فاتحہ کے لیے تشریف لاتے رہے۔ ایک دن خطیب پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑویؒ اور حضرت مفتی عبدالقیوم ہزارویؒ تشریف لائے اور تعزیت اور دعا فرمائی۔ دورانِ گفتگو حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی نے حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی صاحب سے فرمایا، آپ مفتی محمد رفیق کو مدرسہ سپرد کر دیں اور مالک بنا دیں، آپ اندرون ملک اور بیرونِ ملک تبلیغ میں مصروف ہوتے ہیں لہٰذا آپ مدرسہ کی تولیت اور اہتمام مفتی رفیق کو دے دیں۔ اوکاڑوی صاحب نے فرمایا، ان شاء اللہ میں ایسا کروں گا۔ پھر ایک دن مجھے حضرت اوکاڑوی صاحب نے فرمایا، آپ مدرسہ کا الگ ٹرسٹ بنوالیں مگر ۱۹۸۴ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔ میں نے باقی ٹرسٹی حضرات کی اجازت سے ٹرسٹ بنام جامعہ اسلامیہ گلزارِ حبیب ٹرسٹ بنوالیا تھا اور اسی کے تحت ۱۹۹۶ء تک گلزارِ حبیب مدرسہ کا انتظام اور اہتمام چلتا رہا۔ پھر باہمی فیصلہ سے ہم نے گلستانِ جوہر بلاک ۱۵ میں جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم کے نام سے مدرسہ قائم کر لیا۔ الحمد للہ! اس میں دورہ حدیث تک درس نظامی جاری ہے اور تعمیر بھی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قائم و دائم رکھے۔ آمین

قبلہ اوکاڑویؒ صاحب کی رفاقت:

• تقریباً تین ساڑھے تین سال خطیبِ پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کی حیات تک آپ کی صحبت اور رفاقت جاری رہی۔ روزانہ عصر کی نماز کے بعد میں عموماً آپ کی رہائش گاہ پر حاضر ہوتا، آپ کے پاس مسائل کے استفتاءات جمع ہوتے، ان کا جواب لکھا جاتا۔ روزمرہ کے واقعات کا تذکرہ ہوتا۔ آپ نے گلزارِ حبیب

کے ساتھ اپنی زندگی میں قبر بنالی تھی۔اس وقت میں دارالعلوم امجدیہ میں فتاوی جاری کرتا تھا۔اس سلسلہ میں آپ کا مخالف نور خان دارالعلوم امجدیہ میں میرے پاس استفتاء کے لیے پہنچا۔ قبلہ اوکاڑوی صاحب اور نور خان کے درمیان تنازعات چل رہے تھے۔ میں سائل سے لاعلم تھا۔ استفتاء میں سوال یہ تھا کہ ایک عالم مسجد کی کمیٹی یاٹرسٹ کا صدر اور چیئرمین ہے،اس نے اپنی زندگی میں مسجد سے خارج مسجد پر وقف زمین کے ایک کمرہ میں اپنی قبر بنادی ہے۔ شرعاً یہ جائز ہے یاناجائز؟ حسبِ کارروائی میں نے لکھا تھا، مسجد پر وقف زمین میں کسی کے لیے قبر بنانا جائز نہیں لہٰذا موصوف عالم قبر نہیں بناسکتا اگرچہ وہ ٹرسٹ کا چیئرمین یامسجد کا متولی ہو۔ اسٹیمپ لگا کر نور خان کو استفتاء کا جواب لکھ کر دیے دیا تھا۔ نور خان نے قبلہ اوکاڑوی کے خلاف اس فتویٰ کی فوٹو اسٹیٹ مسجد اور شہر میں تقسیم کرادیں۔ دیواروں پر چسپاں کرادیں، شاید عدالت میں بھی فتویٰ پیش کردیا ہوگا۔ حسنِ اتفاق ایک دو سال بعد میں قبلہ اوکاڑوی صاحب کے پاس گلزارِ حبیب آگیا تھا۔ایک دن انہوں نے اپنی قبر دکھائی اور بتایا مفتی صاحب! آپ نے اس قبر کے حوالہ سے میرے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ پھر فائل نکال کر میرے دستخطوں سے جاری فتوی دکھایا۔ مجھے فرمانے لگے، مفتی صاحب اس کے جواز کے لیے کوئی صورت نکالیں۔ فرمانے لگے ہمارے سنی اپنے علماء کی مرنے کے بعد علماء کی بہت عزت کرتے ہیں، میری موت کے بعد لوگ میرے مزار پر زیارت کے لیے آئیں گے اور نذرانے پیش کریں گے۔ میں وصیت کرکے جاؤں گا یہ آمدنی مسجد پر خرچ کی جائے، مسجد کو بہت فائدہ ہوگا۔ آپ ضرور دوسرا فتویٰ جاری کریں۔ تبسم فرماتے ہوئے کہنے لگے، مفتی صاحب! اگرچہ میں جلدی نہیں مروں گا مگر میں نے قبر کا انتظام کرلیا ہے۔ پھر مزاحاً لوگوں سے کہنے لگے، مفتی صاحب جب دارالعلوم امجدیہ میں کام کرتے تھے، انہوں نے ہمارے

خلاف فتویٰ دیا تھا، ہم نے خود مفتی صاحب کو وہاں سے اٹھالیا ہے۔ میں نے آپ کی خواہش کے مطابق کتب فقہ میں اس مسئلہ کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کی تاکہ اوکاڑوی صاحب کے لیے مسجد پر وقف زمین میں قبر بنانے کے جواز کی کوئی روایت مل جائے مگر تلاش بسیار کے باوجود کوئی روایت نہ ملی جس کی اطلاع میں نے قبلہ اوکاڑوی صاحب کو کردی۔ آپ خاموش ہوگئے۔ وفات کے بعد اسی قبر میں آرام فرما ہیں۔

قبلہ اوکاڑویؒ صاحب کی وفات کا ذکر:

• اپریل ۱۹۸۰ء کے آخری عشرہ میں مجھے کسی ضروری کام کے لیے بھکر اپنے گاؤں حافظ آباد جانا تھا، میں نے جمعہ کی نماز آپ کے پیچھے ادا کی۔ فارغ ہونے کے بعد میں نے عرض کیا کہ مجھے ایک ہفتہ کے لیے گھر جانا ہے، اجازت چاہیے، ان شاء اللہ جلدی واپس آجاؤں گا۔ آپ نے چلتے چلتے میرا ہاتھ پکڑ لیا، مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوگئے۔ آپ کا سانس چڑھ رہا تھا۔ مجھے کہنے لگے، میں نے فیصلہ کرلیا ہے بیٹی اور بیٹے کوکب کی شادی جلد کرنی ہے۔ آپ میرے حالات دیکھ رہے ہیں، کل نشتر پارک میں حضرت علیؓ کی ولادت کے سلسلے میں جلسہ سے خطاب کیا اور آج جمعہ میں خطاب کیا اگر تقریر میں زور نہ لگائیں تو تقریر نہیں بنتی اور اگر زور لگائیں تو میرا حال دیکھیں سانس پھول رہا ہے۔ آپ جلدی واپس آجائیں۔ میں نے عرض کیا، ان شاء اللہ جلدی آجاؤں گا۔ میں گھر چلا گیا۔ مجھے کراچی سے گھر والوں نے ۲۴ اپریل ۱۹۸۴ء شام کو بذریعہ فون اطلاع دی کہ حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی صاحب کا وصال ہوگیا ہے۔ معلوم ہوا اسی جمعہ کے دن جب آپ گھر پہنچے، انہیں دل کا دورہ پڑا، انہیں جناح ہسپتال کارڈیو دل کے وارڈ میں داخل کرایا گیا۔ چند دن کے بعد آپ کا ہسپتال میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں واپس کراچی پہنچا، آپ کے گھر آپ کے صاحبزادوں

سے تعزیت کی رسم ادا کی، آپ کی میت برف خانے میں رکھی تھی، ابھی نمازِ جنازہ نہیں ہوئی تھی۔ جنازہ کی نماز کے لیے جب آپ کی میت آخری دیدار کے لیے گھر لائی گئی، میں نے بھی آپ کے چہرے کی زیارت کرلی۔ بالکل آرام سے چمکتے چہرے کے ساتھ لیٹے ہوئے تھے۔ قبلہ سید احمد شاہ صاحب کاظمی نے تقریر میں فرمایا تھا، میں نے جب آپ کا چہرہ دیکھا تو ایک مغفور کا چہرہ دیکھا۔ آپ کی نمازِ جنازہ نشتر پارک میں ادا کی گئی۔ قبلہ سید سعید احمد کاظمیؒ نے نماز پڑھائی۔ ہزاروں لوگوں نے نماز میں شرکت کی پھر آپ کو زندگی میں بنائی گئی مزار میں دفن کیا گیا۔

- عجب زندگی ہے ۱۹۸۳ء ستمبر میں میرے والد کا وصال ہوا، قبلہ اوکاڑوی تعزیت فرما کر فاتحہ پڑھ رہے تھے اور تقریباً سات ماہ بعد ۱۹۸۴ء میں آپ کی ہم فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ آپ ۲ فروری ۱۹۳۰ میں پیدا ہوئے تھے، تقریباً ۵۴ سال کی عمر میں وصال فرما گئے۔ کہتے ہیں ''التقدیر یضحك علی التدبیر'' تقدیر تدبیر پر ہنستی ہے۔ آپ فرماتے تھے، میری وفات جلدی نہیں ہوگی مگر تقدیر کہتی تھی آپ کی وفات جلدی ہو جائے گی۔ آپ کے وصال کے بعد میرے پاس تقریباً بارہ سال ۱۹۹۶ء تک دو سو کے قریب طلبہ زیر تعلیم رہے۔ آپ کے مزار پر قاری صاحب کی کلاس کا انتظام کیا تھا، سارا دن آپ کے مزار پر طلباء قرآن پاک تلاوت کرتے تھے۔ ۱۹۹۶ء مارچ میں مدرسہ کے طلباء کے ساتھ ہم گلستانِ جوہر بلاک ۱۵ میں منتقل ہو گئے۔ ابھی تک گلستانِ جوہر میں تدریس اور تعلیم کا سلسلہ آپ کی دعاؤں سے جاری ہے۔ اس کے لیے ہمیشہ دعا ہوتی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے قائم اور دائم فرمائے۔ آپ کے متعلق خوابوں کا ذکر میری کتاب ''رفیق الخطباء'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

ڈیفنس میں مسجد اور مدرسہ بنانے کا ذکر:

• گلزارِ حبیب مدرسہ کے ایام میں ہمارے جاننے والے دوست بر گیڈیئر افتخار حسین صاحب سے ایک دن میں نے گذارش کی کہ ہمیں ڈیفنس میں پلاٹ مل جائے تو ہم وہاں مسجد اور اپنا مدرسہ بنانا چاہیں گے۔ انہوں نے کہا، اس وقت کے کور کمانڈر جنرل شمیم صاحب میرے دوست ہیں، ایک ٹرسٹ بنا لیتے ہیں۔ اس کے ذریعہ پلاٹ کے لیے درخواست دے دیتے ہیں۔ ان شاء اللہ یہ کام ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے جامعہ ابی حنیفہ ٹرسٹ کے لیے کاغذات بنا کر جناب عبدالغفور نقشبندی مرحوم سپر ٹریول ایجنسی کے مالک سے عرض کیا، ٹرسٹ بنانا ہے۔ انہوں نے فرمایا، رجسٹرار میرے شاگرد ہیں، آپ آجائیں۔ چنانچہ میں آپ کے ساتھ سٹی کورٹ پہنچا۔ آپ مجھے ایک رجسٹرار کے پاس لے گئے، اس نے اسی وقت سارا کام کر کے ٹرسٹ رجسٹر کر دیا۔ ہم نے درخواست لکھی اور ڈیفنس آفس میں جمع کرادی۔ تھوڑے دنوں میں ہمارے ٹرسٹ کو خیابانِ راحت میں دو ہزار گز کا پلاٹ الاٹ کر دیا گیا۔ چونکہ ذی الحج کا مہینہ آنے والا تھا، بر گیڈیئر صاحب کے مشورے سے مجوزہ مسجد کا نام مسجد مزدلفہ رکھا گیا اور مسجد کے نام پر لیٹر ہیڈ بھی چھپوا لیے۔ ۹ ذی الحج کو افتتاح کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ افتتاح میں کور کمانڈر جنرل شمیم اور ڈیفنس کے تمام افسران شریک ہوئے۔ ہمارے علماء میں سے مولانا غلام محمد سیالوی، مولانا غلام نبی، مولانا غلام دستگیر افغانی اور دیگر ائمہ اور خطباء شریک ہوئے۔ افتتاح کے موقع پر جنرل شمیم نے مزید ایک ہزار گز اور میری رہائش کے لیے الگ دو سو گز الاٹ کرا دینے کا اعلان کر دیا۔ ہم نے بورڈ پر مسجد مزدلفہ کی تختی لگا دی۔ ہم نے مخیر حضرات سے رابطے کیے مگر مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کے لیے کسی نے تعاون نہ کیا۔ ہم نے مسجد اور مدرسہ کے سامنے مدرسہ کے کمروں کا نقشہ بنوا لیا تھا۔ شومئ قسمت افسران تبدیل ہو گئے۔ ڈیفنس کے لیے بر گیڈیئر کی ایگزیکٹو سیٹ پر ہدایت اللہ نیازی آگئے۔ ہدایت اللہ نیازی

ضلع میانوالی کے اہل حدیث وہابی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے ایڈووکیٹ ارشاد ایڈوائزر وہابی کے ذریعہ لشکر طیبہ کے مخلص جنرل حمید گل کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ برگیڈیئر نیازی نے جب پلاٹ کی تختی دیکھی، پلاٹ کی فائل منگوائی تو اسے اہلسنت و جماعت (بریلوی) مکتبہ فکر کے لیے الاٹمنٹ پسند نہ آئی۔ اس نے پلاننگ سے ہمارے ٹرسٹ ابی حنیفہ کے وائس چیئرمین برگیڈیئر افتخار حسین اور مجھے بلایا، کہنے لگا قطر کے شیخ مسجد بنانا چاہتے ہیں اور اپنے فوت شدہ بھائی کے نام پر مسجد سہیم نام رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگ تحریراً اجازت دے دیں، جب مسجد بن جائے گی ہم آپ کے سپرد کر دیں گے۔ ہمیں غلط فہمی ہوئی، ہم نے اجازت دے دی۔ مسجد بن گئی چونکہ ہمیں خطرہ تھا کہ وہابی شرارت کریں گے اس لیے دورانِ تعمیر ہم نے قاری منظور احمد جوتہ کو امام مقرر کر دیا اور میں نے دھوراجی جامع مسجد حبیبیہ کی خطابت چھوڑ کر مسجد مزدلفہ میں خطابت شروع کر دی۔ برگیڈیئر ہدایت اللہ نیازی بعض جمعوں میں میری اقتداء میں نمازِ جمعہ بھی ادا کرتے رہے۔ میں نے دو سال جمعہ کی نماز مسجد سہیم میں پڑھائی۔ جب مسجد بالکل تیار ہوگئی تو برگیڈیئر ہدایت اللہ نے ہمیں بلایا اور کہا، آپ یہ مسجد قطر والوں کے لیے چھوڑ دیں۔ قطر کے ایجنٹ ہاشم نے مجھے کہا، آپ پندرہ لاکھ روپے اپنی ذات کے لیے لے لیں اور مسجد چھوڑ دیں۔ ہدایت اللہ نے کہا، ہم آپ لوگوں کو دوسرا پلاٹ الاٹ کر دیتے ہیں، یہ مسجد چھوڑ دیں۔ جب ہم نے دونوں آپشن مسترد کر دیے، برگیڈیئر ہدایت اللہ نیازی نے ڈیفنس کی پولیس بھیج کر مسجد کا زبردستی قبضہ لے لیا۔ ہمارے امام اور طلباء کو نکال دیا اور دیوبندی امام اور خطیب مقرر کر دیا۔ ہمارے علماء مفتی منیب الرحمٰن اور مولانا غلام محمد سیالوی اور مولانا غلام دستگیر افغانی اور مولانا غلام نبی فخری وغیر ہم نے میرے ساتھ برگیڈیئر اور خود قطر کے شیوخ سے ملاقاتیں کیں حتی کہ حاجی حنیف طیب

اور مولانا عبدالستار نیازی نے ہدایت اللہ نیازی سے ملاقات کر کے مسجد واپس کرنے کی درخواست کی مگر ہدایت اللہ نیازی نے کسی کی کوئی بات نہ مانی۔ آخر کار سنی تحریک کے صدر مرحوم سلیم قادری صاحب تشریف لائے اور ہماری اجازت لے کر اپنے مسلح ورکروں کے ساتھ مسجد سہیم کا قبضہ لے لیا اور ڈیفنس کے امام اور مؤذن کو نکال دیا۔ ایک ہفتہ تک چپقلش جاری رہی۔ سنی تحریک اور ہمارے طلباء مسجد میں نماز پڑھتے رہے مگر ہدایت اللہ نیازی نے مسلح پولیس اور فوج کے ذریعے دوبارہ قبضہ لے کر مسجد کو لاک کر دیا اور سیکورٹی کے لوگوں کو حفاظت کے لیے بٹھا دیا۔ یہ واقعات اخبارات میں بھی شائع ہوتے رہے۔ سات ماہ مسجد کو تالا لگا رہا پھر مسجد کی امامت و خطابت کے لیے اخبار میں اشتہار دیا گیا، ہمارے لوگوں نے بھی بمعہ سندات درخواستیں دیں مگر انہیں مسترد کر دیا گیا اور لشکر طیبہ (جماعۃ الدعوۃ) کے آدمی کو مسجد سہیم کا امام مقرر کر دیا گیا جو کہ آج تک یہ مسجد مسلک دیوبند کے لوگوں کے قبضہ میں ہے جبکہ تین ہزار گز کا پلاٹ ہمارے ٹرسٹ کے نام الاٹ ہے اور مسجد کے نقشوں پر میرے دستخط موجود ہیں۔ پاکستان میں کثرت کے باوجود اہلِ حق سنی کمزور ہیں کیونکہ منظم نہیں اور ایجنسیوں کے ایجنٹ نہیں۔ دوسرے اہلِ باطل مذاہب کے لوگوں نے ایجنسیوں کے ایماء پر مجاہدین کے نام پر عسکری لشکر بنائے ہوئے ہیں۔ مرحوم ضیاء الحق کی صدارت کے ایام میں روس سے افغانستان کا قبضہ چھڑانے کے لیے حکومت اور فوج کی پالیسی کے مطابق مجاہدین بھرتی کیے گئے اور کروڑوں اربوں روپے دیوبندی مسلک کے مدارس کو دیے گئے۔ امریکہ اور سعودیہ اور قطر اور عرب امارات نے فنڈ جاری کیے جس سے آنا فانا دیوبندی مدارس کے ناظمین کی لاٹری نکل آئی۔ غریب طبقہ کے نوجوانوں اور طلباء کو عسکری تربیت دی گئی اور

کروڑوں کا اسلحہ خریدا گیا۔ بعض دیوبندی مدارس کے تہہ خانے خیبر سے کراچی تک اسلحہ کے گودام بن گئے۔ نام نہاد مجاہدین کے ہر فرد کے گھر ہر ماہ دس ہزار سے لاکھوں تک رقم پہنچتی رہی۔ روس چلا گیا مگر مجاہدین جنہیں دہشت گرد اور طالبان کہا جاتا ہے، ان کو اہل مدارس نے پاکستان کے بعض فرقوں حتی کہ فوج کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ جنوبی اور شمالی وزیرستان پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا گیا، جگہ جگہ دہشت گردی کے ٹریننگ سینٹر قائم کیے گئے۔ جنوبی پنجاب اور بڑے شہروں کے مدارس میں خفیہ دہشت گردی کی تربیت دی گئی اور شیعہ اور سنی فرقہ واریت کو ہوا دے کر خودکش حملے اور بم بلاسٹ سے ہزاروں لوگ قتل کیے گئے۔ صدر پرویز مشرف کے دور میں لال مسجد پنڈی کے طلباء اور طالبات کے ساتھ فوج کا تصادم ہوا۔ زرداری کی حکومت اور چیف آف آرمی جنرل کیانی کے چھ سالہ دور میں لوگوں کا خون بہتا رہا۔ اہلِ حق سنی علماء اور اہلِ تشیع آگ اور بارود کا نشانہ بنتے رہے۔ ابھی دو سال پہلے نواز شریف کی حکومت میں چیف آف آرمی اسٹاف جنرل راحیل شریف نے ضرب عضب آپریشن اور نیشنل ایکشن پلان کے ذریعہ جنوبی اور شمالی وزیرستان میں آپریشن کیا جو کہ ابھی تک جاری ہے۔ ایک صحافی ہارون الرشید نے ٹی وی پر بتایا، ایک دیوبندی عالم نے کہا، ابھی ہم نے اپنی طاقت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے مدارس میں دو لاکھ تربیت یافتہ طالبان مجاہد فوج کے ساتھ ٹکر لینے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ سوئے اتفاق روس کے دفاع کے دور میں امریکی دباؤ کی وجہ سے حکومت کی پالیسی سے فوج کے متعدد جنرل دیوبندی عسکری ونگز کی تربیت کرتے رہے اور ہماری مسجد سہیم پر قبضہ میں لشکر طیبہ کے ساتھ ساتھ فوجی جنرلوں کا ہاتھ بھی شامل تھا اور قطر کی حکومت طالبان دہشت گردوں کی سب حکومتوں سے بڑی سپورٹر ہے حتی کہ طالبان کے دفاتر بھی قطر میں موجود ہیں۔ ان حالات میں قطر

کے شیوخ کی رقم سے بنائی گئی ہماری مسجد سہیم ہمیں کیسے مل سکتی تھی۔ آج تک انہی کا قبضہ ہے۔ سنا ہے لشکر طیبہ کا جدید نام جماعۃ الدعوۃ ہے، اس کا ہیڈ حافظ سعید صاحب آئی ایس آئی کے ایجنٹ ہیں اور پاکستان میں آئی ایس آئی کی ہی حکومت ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ڈیفنس میں اپنے مکان کا قصہ:

• ڈیفنس میں اپنے مکان کی تعمیر ایک عجیب واقعہ ہے۔ کراچی میں آنے کے بعد دارالعلوم امجدیہ کی تدریس کے ایام میں ایک کمرہ میں میری رہائش تھی، اسی کمرہ میں تدریس اور افتاء اور خورد و نوش اور قیام و نیام شب و روز ہوتے تھے۔ شادی ہو جانے کے بعد کارساز میں نیوی کے فلیٹ میں چند ماہ رہائش رکھی، وہ فلیٹ ہمارے برادر نسبتی شیخ اعزاز احمد صاحب نے کسی دوست سے عارضی طور پر لیا تھا۔ وہاں سے ویگن کے ذریعے دارالعلوم امجدیہ جانا ہوتا تھا۔ میری درخواست پر دارالعلوم امجدیہ کی انتظامیہ نے امجدی مسجد کے سامنے خالی پلاٹ پر بلاکوں اور چادروں کی چھت کے ساتھ عارضی دو کمرے بنوا دیئے۔ عقبی کمرے کا دروازہ پہلے کمرہ میں کھلتا تھا، چادروں کی چھت اور تنگ کمرے اور ایک باتھ روم اور غسل خانہ ہماری ضرورت کے لیے ناکافی تھا۔ شروع میں چولہا نہیں تھا، سلنڈر یا اسٹوپ پر کام چلاتے تھے۔ نہایت کم تنخواہ چار سو روپے تدریس اور افتاء اور دو سو روپے مسجد امجدی میں خطابت کا معاضہ ملتا تھا۔ دارالعلوم امجدیہ سے ہجرت کے بعد تقریباً ایک سال بلدیہ ٹاؤن سوات کالونی حافظ عبدالمجید صاحب کے مکان میں رہائش رہی اور پھر گلزارِ حبیب سولجر بازار میں دو کمروں کے مکان میں کئی سال رہائش رہی۔ کمروں میں حسبِ ضرورت واش روم وغیرہ بنوائے تھے۔ چادروں کی چھت والے کمروں میں شب و روز گزرتے تھے۔ آخر میں جناب محمد ابراہیم دھالی نے مدرسہ کے لیے دو کمرے ڈبل منزل کے ساتھ آر سی سی چھت

والے بنوا دیئے۔ اس کے بعد ہم نے مدرسہ کے دو کمروں کے اوپر والی منزل کو رہائش کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ نیچے ایک کمرہ دفتر اور تدریس کے لیے اور دوسرا کمرہ طلباء کی رہائش کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ مگر ڈیڑھ دو سو طالب علموں کی مسجد کے برآمدے میں رہائش تھی۔ مسجد انتظامیہ کے سربراہ اور ہمارے درمیان ایک عرصہ سے تنازع چل رہا تھا، ان کی طرف سے ہمیں مدرسہ ختم کر کے نکل جانے کا مطالبہ تھا۔ اس سلسلے میں طویل جنگ کے بعد علماء کے مشورے سے باہمی مفاہمت سے طے پایا، مسجد کی انتظامیہ ہمیں مدرسہ کے لیے کراچی کے کسی علاقہ میں متبادل پلاٹ دے دے تو ہم مدرسہ وہیں منتقل کر دیں گے۔ چنانچہ معاہدہ تحریر کیا گیا۔ غالباً ۱۹۹۴ء رمضان المبارک کے چند دن باقی تھے، میاں جمشید پگانوالہ مرحوم کے گھر میٹنگ ہوئی اور معاہدہ تحریر ہوا۔ جب فریقین کے دستخط ہو گئے تو مسجد انتظامیہ کے سربراہ نے مسجد کے سادہ لیٹر ہیڈ پر وزیر اعلیٰ سندھ کے دستخط دکھائے اور کہا مفتی صاحب، ہم نے پلاٹ کے لیے ایڈوانس میں سادہ کاغذ پر دستخط لے رکھے تھے، گویا متبادل پلاٹ ہو چکا، آپ سامان باندھیں اور عید سے پہلے یہاں سے نکل جائیں۔ جب ہمارے مخالفین نے ہمیں یہ پیغام دیا، میں نے چند ہفتوں کی مہلت کی درخواست کی تو اسے رد کر دیا گیا، اس وقت میرے قدموں سے زمین نکل گئی، میں حیران ہوا، دار العلوم امجدیہ سے بھی نقل مکانی عید سے چند دن پہلے جبر کے ساتھ کرنی پڑی تھی۔ امجدیہ کی ایک شخصیت کی جانب سے روزانہ مولانا غلام قمر الدین صاحب دھمکیوں کا پیغام پہنچاتے اور فرماتے، حقانی صاحب فرما رہے ہیں، عید سے پہلے مکان چھوڑ دو ورنہ پولیس کے ذریعہ آپ کو باہر نکال دیں گے۔ اس وقت بھی پریشانی کی انتہا ہو گئی تھی۔ بیوی اور معصوم بیٹے محمد سہیل کے ساتھ کہاں جاؤں، نہ مکان کرایہ پر لینے کی طاقت اور نہ دوستوں کی جانب سے تعاون کی امید۔ جیسا

کہ اس کا بیان گزر چکا ہے۔

اپنے مکان کی تعمیر کا واقعہ:

• عجیب اتفاق ہے کہ ۱۹۸۰ء کی طرح ۱۹۹۴ء میں بعینہ وہی منظر کی رمضان کا آخر اور مخالف ایک دن کی بھی مہلت اور رعایت دینے کے لیے تیار نہیں۔ ساری ساری رات بیداری اور بے قراری میں روتے گزر جاتی، جس کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ یا اللہ! میں اپنی فیملی اور ڈیڑھ دو سو کے قریب طلبہ کہاں لے جاؤں گا؟ اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ شبِ قدر کی رات حکومت کے سینئر وزیر کوثر نیازی جو کہ لاہور منہاج القرآن کے جلسہ میں شریک تھے، اچانک ہارٹ اٹیک یا برین ہیمرج سے انتقال کر گئے۔ اب پلاٹ دینے والوں کے سپورٹر کی موت کی وجہ سے عید سے پہلے پلاٹ نہ مل سکا اور دو سال تک مؤخر ہو گیا۔ اس عرصہ میں اگلے رمضان المبارک کے ایک جمعہ کے دن نمازِ جمعہ پڑھانے کے لیے جامع مسجد رحمانیہ طارق روڈ پہنچا تو خدام نے مسجد میں داخل ہوتے ہی گذارش کر دی کہ آج براہِ کرم ہماری مدد کے لیے لوگوں سے اپیل کر دیں، رمضان المبارک میں لوگ ہماری مدد کرتے ہیں، آپ کے اعلان سے ہمیں فائدہ ہو گا۔ میں نے دورانِ خطاب دیگر باتوں کے علاوہ بخاری شریف کی وہ حدیث سنادی جس میں ایک سیاہ رنگ کی بوڑھی عورت مسجد نبوی کے کونے میں بنی جھونپڑی میں رہا کرتی تھی اور روزانہ مسجد میں جھاڑو دیتی تھی، اسے روزانہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی تھی اور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی گاہے گاہے اسے دیکھا کرتے تھے۔ اچانک رات کے وقت وہ فوت ہو گئی۔ صحابہ کرامؓ نے اس کے غسل اور کفن اور جنازہ کا انتظام کر کے جنت البقیع میں دفن کر دیا۔ اس کی موت اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر نہ دی گئی۔ حدیث شریف میں ہے ''کَاَنَّھُمْ حَقَرُوْھَا'' گویا صحابہ کرامؓ نے اسے کمتر

سمجھا۔ جس کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی نماز کے لیے بھی نہ جگایا۔ سرورِ دوعالم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آجکل وہ عورت مسجد میں نظر نہیں آتی، اس کا کیا ہوا؟ صحابہ کرامؓ نے آپ کو سارا قصہ بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "دلونی علی قبرھا" مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کو اس کی قبر پر لے گئے۔ سرورِ دوعالم ﷺ نے دوبارہ اس کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی اور قبر پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے اس مدفونہ عورت سے مخاطب ہو کر پوچھا، تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا ہے؟ قبر سے آواز آئی، جس کو صحابہ کرامؓ نے بھی سنا، یارسول اللہ! آپ کی مسجد میں جھاڑو دینے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ سامعین کو یہ واقعہ سنایا اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے سلسلہ میں آیت "اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡعٰكِفِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ" (البقرۃ:۱۲۵) کی تفسیر بیان کی کہ مسجد کی خدمت کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک بڑی شان ہے۔ اس بوڑھی عورت کو روزانہ دیدارِ مصطفے ﷺ اور اس کی قبر پر نماز اور مغفرت سب مسجد میں جھاڑو دینے کی برکت سے حاصل ہوا۔ ائمہ مساجد اور خطباء اور مساجد کے خدام اور مؤذنین کی فضیلت اور پھر ان کی کسمپرسی اور کم تنخواہ کا ذکر کرتے ہوئے میں نے تقریر کے تسلسل میں کہہ دیا کہ لوگ مجھے مفتی اور عالم کہتے ہیں مگر میرا حال یہ ہے کہ آج تک کراچی میں میرا ذاتی مکان نہیں ہو سکا اور میں اپنے بچوں کو سر چھپانے کے لیے چھت نہیں دے سکا۔ جب میرا یہ حال ہے، دوسرے لوگوں کا کیا حال ہو گا۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے، لوگوں نے مسجد کے خدام کی خدمت کے لیے اپنے جیب کھول دیئے، پندرہ پندرہ ہزار تک ہر خادم کو مل گئے۔ صلوٰۃ و سلام کے بعد ہمارے نمازی جناب اسماعیل شکور صاحب میرے پاس آئے اور فرمانے لگے، آپ کا

مکان ہو گیا، آپ تیار مکان تلاش کریں، مجھ سے پیسے لے لیں۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی۔ کہنے لگے، میں ہمیشہ اگلی صف میں اپنی والدہ کی قبر کے سامنے بیٹھتا ہوں، جب آپ نے تقریر میں فرمایا، میرے پاس بھی بچوں کے لیے چھت نہیں ہے، میری والدہ کی قبر سے آواز آئی، اسماعیل، مفتی صاحب کے مکان کا انتظام کر دو۔ لہٰذا آپ مکان تلاش کریں، اس کی قیمت مجھ سے لے لیں۔ چنانچہ مکان کی تلاش میں حاجی الیاس صاحب عموماً میرے ساتھ گھومتے تھے۔ ہم نے مختلف فلیٹ دیکھے، ایک تین کمروں کا فلیٹ پسند کیا۔ اسماعیل شکور صاحب کو فون کیا کہ فلیٹ کی اتنی قیمت ہے۔ انہوں نے فرمایا، بھائی کو بھیجو، پیسے لے جائے۔ میں نے بھائی حنیف کو ان کے آفس بھیجا، وہ پیسے لے آئے۔ مگر فلیٹ خریدنے سے پہلے حاجی الیاس صاحب اور عبدالخالق صاحب سی ویو والے اور دیگر دوستوں نے مشورہ دیا، پلاٹ خرید کر اس پر مکان بنالیں، پلاٹ بھی اپنا اور عمارت بھی اپنی ہونی چاہیے۔ چنانچہ اسلم برادرز اسٹیٹ ایجنسی کے ذریعہ عبدالخالق اور محمد فاضل کی معرفت زاہدہ نامی خاتون سے دو سو گز کا کمرشل پلاٹ 33/E اسٹریٹ سیون بدر کمرشل ایریا ڈیفنس تقریباً ساڑھے آٹھ لاکھ روپے میں خرید لیا۔ عجب معاملہ ہے جمعہ کی تقریر کے وقت میرے اکاؤنٹ میں صرف بیس ہزار روپے جمع تھے جبکہ چودہ پندرہ سال مدرسہ گلزارِ حبیب کی تدریس اور اہتمام کے دوران لاکھوں روپے بلکہ کروڑوں روپے میرے ذریعہ مدرسہ کے طلباء پر خرچ ہوتے رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے طے شدہ تنخواہ سے زیادہ کبھی نہیں لیا تھا۔ یہ اسی زہد و تقویٰ کی برکت تھی کہ ایک دم پلاٹ کی رقم مل گئی۔ اس پر مکان تعمیر کرنے کے لیے بعض حضرات نے مدد فرمائی۔ مثلاً سیٹھ حاجی محمد صدیق گذری والے نے ایک لاکھ روپے دیئے، حاجی محمد الیاس اور محمد یحییٰ صاحب نے چالیس ہزار روپے دیئے اور باقی حضرات نے جن کا نام یاد نہیں رہا، نے حسبِ منشاء مدد

فرمائی، کچھ قرض لیا، جس سے میرے پاس مکان کی تعمیر کے لیے مزید آٹھ لاکھ جمع ہوگئے۔ میں نے مرحوم محمد اسلم برادر عبدالخالق کے ساتھ مکان کی تعمیر کے لیے معاہدہ کرلیا۔ میرے پاس دو سو گز کے پلاٹ پر دو کانوں کے علاوہ تین منزلوں کے لیے رقم بہت کم تھی۔ مرحوم محمد اسلم نے کہا، فکر نہ کریں، میں مکمل تین منزل مکان بنادوں گا اور پیسوں کا حساب بعد میں کرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مکان کی بنیاد شروع کرتے وقت قبلہ حافظ جی حافظ محمود صاحبؒ نے دعا فرمائی اور بیلچے سے زمین میں بنیاد کا گڑھا بنایا۔ بکرا ذبح کرکے ان کے حکم سے بکرے کا خون بنیادوں میں ڈالا۔ نقشہ وغیرہ کی منظوری کے مراحل کے بعد تعمیر شروع کرادی۔ حاجی الیاس صاحب نگرانی فرماتے تھے۔ اتفاق سے ابھی بنیادیں رکھی جارہی تھیں مرحوم محمد اسلم کشمیر اپنے گاؤں میں کسی عزیز کی شادی میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے، ہارٹ اٹیک سے فوت ہوگئے۔ اس کے بعد محمد اسلم کے بھائی عارف اور بھتیجے امتیاز وغیرہم نے ایگریمنٹ بحال رکھنے کا مطالبہ کیا۔ میں نے عبدالخالق کے مشورے سے ان کی بات مان لی مگر حسبِ خواہش مکان کی تین منزلیں نہ بن سکیں۔ دو کانوں پر صرف ایک منزل بن گئی۔ ۱۹۹۶ء میں مکان تیار ہوگیا اور اِدھر گلزارِ حبیب کی انتظامیہ کو حکومت کی جانب سے گلستانِ جوہر میں پلاٹ حاصل ہوگیا۔ ایک معاہدہ کے تحت ہمیں اسی دن پلاٹ کے کاغذات دیتے ہوئے کہا گیا، کل شام سے پہلے نکل جائیں۔ میں نے دو تین دن کی مہلت مانگی مگر انہوں نے انکار کردیا۔ میں اپنے بچوں کو پہلے سے تیار شدہ ڈیفنس کے مکان لے گیا تو میرے بچے حیران ہوگئے اور بہت خوش ہوئے اور طلباء کو گلستانِ جوہر ایس ٹی 23 پلاٹ پر لے آئے۔ دو سال تک مسجد گلزارِ حبیب کی انتظامیہ کو پلاٹ نہ مل سکا تھا، اسی دوران میں اپنی رہائش کے لیے ڈیفنس میں مکان تیار کرالیا تھا۔ شاید یہ غیبی مدد تھی ورنہ وارننگ دی گئی تھی عید

سے پہلے نکل جائیں، پلاٹ ہو گیا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے انتہائی مشقت اور صدموں سے بچالیا۔

اب حصولِ برکت کے لیے وفات یافتہ حضرات کا ذکر:

• آج تقریباً میری عمر چھیاسٹھ (٦٦) سال ہے۔ جن مشائخ اور علماء اور اقرباء اور احباء کی معرفت اور صحبت حاصل رہی مگر آج دار الفناء سے دار البقاء منتقل ہو گئے، ان کے اسمائے مبارکہ درج ذیل ہیں:

آستانہ عالیہ سواگ شریف حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ، حضرت خواجہ محمد حسن صاحبؒ، سیدہ بی بی جنت زوجہ خواجہ غلام حسنؒ، سیدہ زینب بی بی بنت خواجہ غلام حسنؒ، سیدہ بی بی صغریٰ، سیدہ بی بی فاطمہ، سیدہ بی بی میراں، ازواج خواجہ غلام محمد صاحب، سیدہ بی بی صابو بنت خواجہ فقیر محمد، بیدہ بی بی زلیخا بنت حضرت غلام محمد، درویش محمد نواز، غلام رسول جھنڈیر، غلام رسول پستہ قد، علی محمد لانگری، ماسی بختو خادمہ، حسو فقیر رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مشائخ اور اساتذہ: استاذیم حافظ غلام قادر صاحب، استاذ مفتی شیخ محمد موسیٰ، استاذیم مولانا عطا محمد بندیالوی، استاذیم مولانا محمد اشرف سیالوی، استاذیم عبد العزیز ملتان، استاذیم محمد یوسف ملتان، استاذیم مسعود احمد سیّد، استاذیم غلام محمد تونسوی، استاذیم صوفی حامد علی صاحب لیّہ، استاذیم فیض محمد گجری، مولانا پیر محمد چترالی، مولانا مصلح الدین صاحب امجدیہ، مولانا غلام محمد لیّہ، مولانا عبد الغفور لیّہ، مولانا محمد اقبال ابن استاذیم حامد علی، استاذیم محمد افضل فیصل آباد، مولانا معین الدین فیصل آباد، مولانا انوار المصطفےٰ فیصل آباد، مولانا فضل کریم فیصل آباد رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مولانا فضل حق بندیال شریف، مولانا محمد شریف بندیالوی، مولانا عبد الرشید کشمیری، مولانا عبد الرشید جھنگوی، مولانا محمد نواز حال والے، مولانا شوق صاحب، مولانا فیض محمد صاحب گولڑوی، مولانا مشتاق احمد صاحب گولڑوی،

مولانا غلام محمد بندیال، مولانا غلام محمد (حافظ عبدالمجید کے والد)، مولانا اللہ بخش وان بھچران، مولانا ابراہیم صاحب وان بھچران، مولانا عبدالمنعم وان بھچران، مولانا محمد طفیل (شمس العلوم)، مولانا محمد طفیل (ڈرگ روڈ)، مولانا مفتی شجاعت علی قادری، مولانا سعادت علی قادری، مولانا محمد اقبال (نعیمیہ) حافظ محمد اظہر (نعیمیہ)، حضرت عبدالمصطفےٰ ازہری صاحب، مفتی وقارالدین صاحب، مفتی ظفر علی نعمانی، مولانا منتخب الحق صاحب، مفتی غلام قادر کشمیری، مفتی محمد عبداللہ (مجددیہ نعیمیہ)، مفتی محمد فاروق، مولانا نذر محمد راہی، فقیر سلطان علی شاہ والا، میاں صاحب آف بالا، خواجہ کمال الدین شاہ (خواجہ آباد شریف)، خواجہ جمال الدین شاہ، خواجہ معظم الدین شاہ، خواجہ نصیرالدین شاہ، خواجہ فرید الحسین شاہ، حضرت عبدالغفور (مرشد آباد)، صاحبزادہ عبدالحمید صاحب (مرشد آباد)، سید شاہ احمد نورانی، مولانا شاہ فرید الحق، مولانا محمد حسن حقانی، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، مولانا عبدالکریم بہل، مولانا شیخ الحدیث محمد شریف بھکر، صاحبزادہ نور سلطان، شیخ عبدالرحیم، شیخ نور زمان کروڑ، صداں مائی ساس، حضرت مولانا غلام علی اوکاڑوی، حضرت مولانا نوراللہ بصیرپوری، حضرت مولانا غلام رسول سعیدی، حضرت مولانا نصراللہ کراچی، حضرت سید حافظ جی حافظ غلام محمود ترگ شریف والے، مفتی عبدالقیوم لاہور، مفتی غلام سرور صاحب، مولانا شمس الدین صاحب، مولانا عبدالوہاب (لندن)، سید احمد سعید کاظمی، مولانا فیض محمد اویسی۔

قبلہ والد صاحب غلام محمد صاحب، قبلہ والدہ صاحبہ، ہمشیرہ صابرہ، چچا صالح محمد، چچی جگو مائی، اللہ وسائی بنت محا صالح، چچا غلام صدیق، چچا غلام حسن، چچا غلام حسین، دادا گانموں، چچا نور محمد، چچا فقیر محمد، چچا احمد بخش، قبلہ دادی صاحبہ جنت مائی، جنت مائی، غلام رسول، نانا صاحب غلام حسن، ماموں خدا بخش، ماموں فقیر

محمد، ماسی اللہ وسائی، چچا محمد افضل معروف فضلو، احمد پھتو، اللہ بخش پھتو، غلام حیدر بھاندے والا، غلام سرور بھاندے والا، بہادر بھاندے والا، غلام حسین (منظور کے والد)، محمد ہاشم، غلام حسین اور اللہ داد بھاندے والے، پھوپھی وسائی، پھوپھی صاحبہ صابو، پھوپھی فاطمہ، پھوپھی جندو، دادی تبو، دادی جندو، دادی جنوں، پھوپھی زینب، جنوں پتریر، غلام حیدر اور بہادر لکی والے، صوفی غلام محمد، محمد صدیق، غلام حسین، حسو، عمر، صوفی والے، اللہ بخش، غازئ اسلام ممتاز قادری صاحب (اسلام آباد)۔

قاری محمد انور لندن والے، حضرت پیر بارو، حضرت پیر عبدالغفور دریا شریف، خواجہ فقیر محمد، خواجہ غلام حسین، غلام یٰسین تپریر، غلام حسن فضلو والا، غلام حسین پتریر، ماموں غلام حسن فضلو والا، ماموں غلام رسول نوتک، ماموں عبدالحق نوتک، مولانا غلام رسول المعروف مولوی گانموں (والد صاحب کے استاذ)، خدا بخش درزی، محمد یوسف ولد محمد یعقوب، حاجی محمد ایوب، بہنوئی محمد عثمان، چچا احمد بخش گھلو، چچا غلام حسن گھلو، ہمشیرہ آمنہ بی بی (۳۱ جولائی ۲۰۱۶ء کو وفات ہوئی)۔

یا اللہ ذکر کردہ مشائخ اور علماء اور اقرباء اور اصدقاء کے طفیل میرے گناہ معاف فرما۔ وہ زیر زمین چلے گئے اور ہم عنقریب جانے والے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ھم لنا سلف و نحن لھم تبع لاحقون بھم۔

مفتی محمد رفیق حسنی
عفی عنہ